حسینا (علیہ السلام) حسین

حسین منی وانا من الحسین

حصہ 1 اوّل

السلام علیک یا ابا عبداللہ الحسینؑ

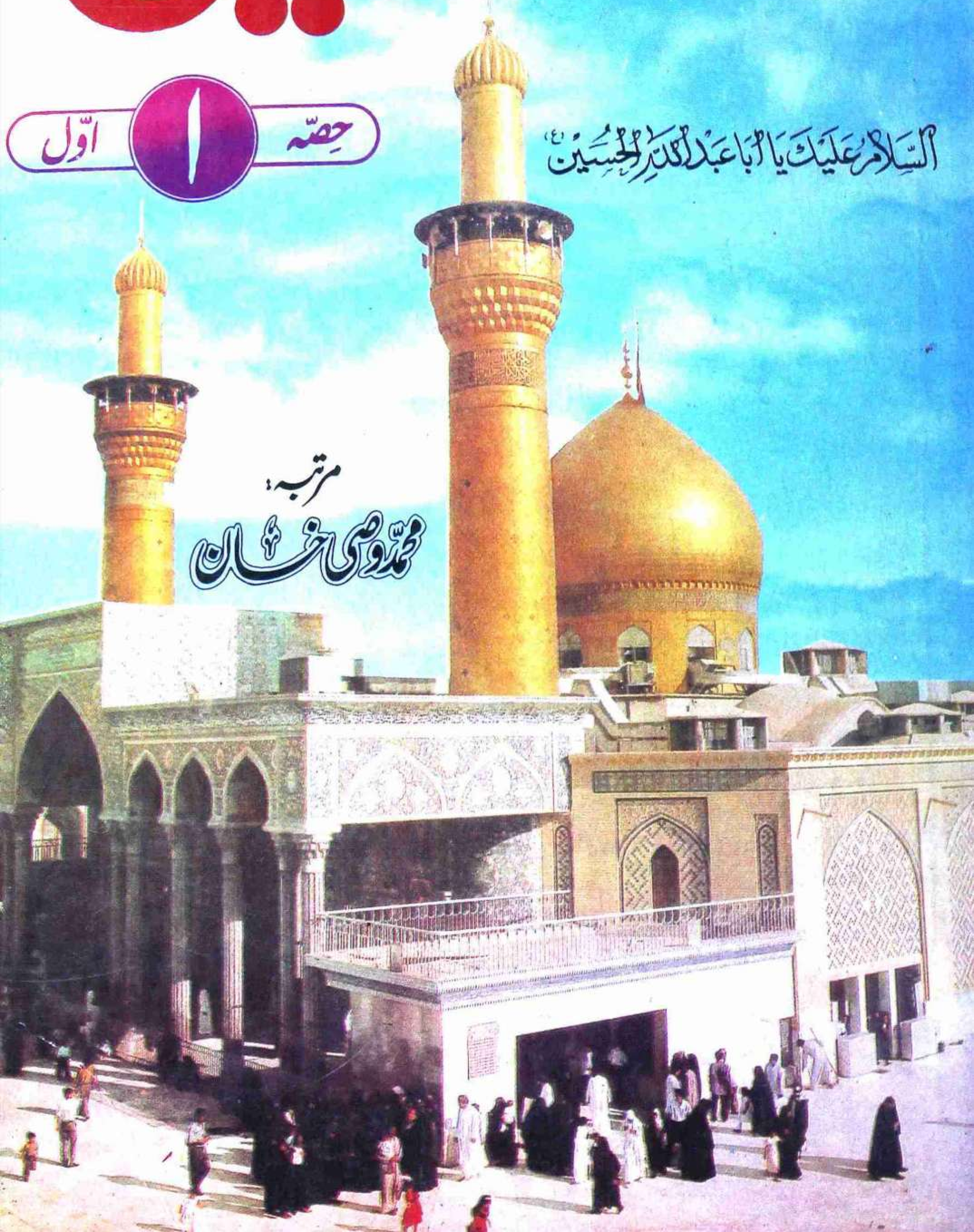

مرتبہ:
محمد وصی خان

75

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا صاحب العصر والزمانؑ المدد

قسم خدا کی بڑا نیک کام کرتے ہیں
غمِ حسینؑ کا جو اہتمام کرتے ہیں

نامِ کتاب

حسینؑ حسینؑ

حصۂ اوّل

اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ لاشِ جگر گوشۂ بتولؑ

پیشکش

محفلِ حیدری، ناظم آباد ۴۔ کراچی

مرتبہ و مؤلفہ

محمد وصی خاں

بار اوّل ـــــ ایک ہزار ـــــ ۱۹۷۹ء

(جملہ حقوق تمام زبانوں میں بحقِ ناشر محفوظ ہیں)

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام باڑہ، کھارادر، کراچی ۔۔۔۔۲

فون ۲۴۳۱۵۷۷

بسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیمؕ

ہم، تمہیں ڈر۔ بھوک۔ مال اور اولاد کے نقصان سے آزمائیں گے، نیز اُن صبر کرنے والوں کو بشارت دے دی جائے جو مصیبت کے وقت یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بنے ہیں۔ اور اُسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ (القرآن)

نذر

اِدارہ محفلِ حیدری ناظم آباد کراچی، کتاب حسینؑ حسینؑ کا یہ حقیر ہدیہ معرکۂ کربلا کے اُن سربکف اور کفن بردوش جانبازوں کی "نذر" کرتا ہے جنھوں نے ملوکیّت مطلقہ اور ربوبیت باطلہ کا طنطنہ مٹانے اور دینِ اسلام کو اس نظریے سے بچانے کیلئے یزیدیت کے مقابلے میں وہ فیصلہ کُن مجاہدہ فرمایا کہ عزّتِ نفس کی منزلت اور کلمہ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی عظمت رہتی دُنیا تک باقی رہیگی۔

اِنتساب

مُصنّفین کسی بڑی ہستی کی تلاش کرتے ہیں تاکہ اپنی تصنیف کو اُس ہستی سے منتسب کریں لیکن مَیں اس کے خلاف اپنی اِس کتاب کو ایک ایسے شخص کے نامِ نامی کو منسوب کرنا چاہتا ہوں جو کہ میرا چھوٹا بھائی بھی ہے اور قوم کا ایک نامی وکیل بھی ہے جو کہ "کے، ایم، نایم ایڈوکیٹ" کے نام سے مشہور ہے۔ اپنی انتہائی مصروفیت کے باوجود ہردم حسینیتؑ کی ترویج کیلئے دامے، درمے قدمے تیّار رہتا۔ اس شہر کراچی میں قوم کا ہر فرد اسکے کارناموں سے واقف ہے۔ مَیں اسکی ترقّی اور کامرانی کے لئے جنابِ سیّدہ سے دُعاگو ہوں۔

—— (وصی خاں) ——

میری شہرت کا سبب مدحتِ حیدرؑ ہے وصی
ورنہ اربابِ سخن میں مرا رتبہ کیا ہے!

مرتبہ و مولفۂ کتاب

محمد وصی خان

صدر مرکزی تنظیمِ عزا رجسٹرڈ کراچی

صدر انجمن تنظیم الحسینی لیاقت آباد کراچی

و

صدر محفلِ حیدری ناظم آباد کراچی

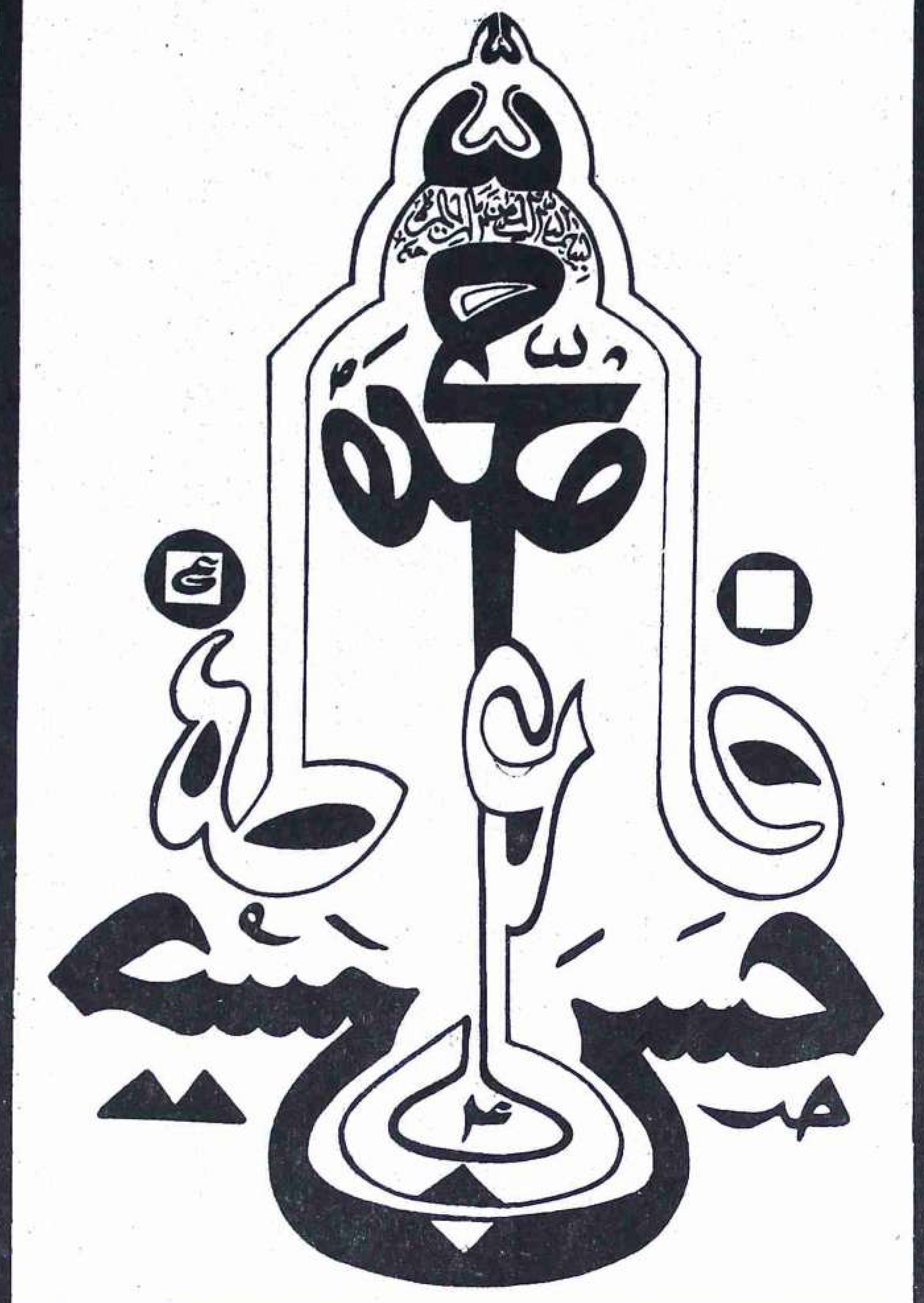

حسینؑ حسین

مرتبہ : محمد سید رضی خاں

"ذرا میرے نام و نسب پر غور کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو، غور کرو کہ تمہارے لئے میرا خون بہانا جائز ہے؟"

محفلِ حیدری، ناظم آباد ۴ کراچی

یا حسینؑ شہید — بسم اللہ الرحمن الرحیم — یا حسینؑ شہید

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ	نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۱	اضافی سرورق	۱	۲۳	مخدراتِ عصمت جو کربلا میں تھیں	۸۴
۲	نذر	۲	۲۴	دکن کے قدیم قبائل میں عزاداری	۸۵
۳	فوٹو	۳	۲۵	شجاعت عباس علیہ السلام	۹۲
۴	فوٹو روضۂ مبارک	۴	۲۶	پاکستانی جنگی قیدی	۹۶
۵	فہرست مضامین	۵	۲۷	میدان کربلا میں اولاد امام حسینؑ کی قربانیاں!	۱۱۴
۶	نذرانۂ عقیدت	۷	۲۸	سرزمین ہند میں معجزۂ امام حسینؑ	۱۱۸
۷	اظہار تشکر	۱۰	۲۹	جمیل الدین عالی ثانی زہراؑ کے مزار پر!	۱۲۶
۸	ھل من ناصر ینصرنا مقدمہ کتاب	۱۲	۳۰	شہدا کے ایمان	۱۳۱
۹	عزاداری اور اس کے تبرکات	۲۲	۳۱	امام شافعی کا نوحہ	۱۴۰
۱۰	مجلس شام غریباں کی وجہ تسمیہ	۴۰	۳۲	ایک مخلص قومی کارکن	۱۴۲
۱۱	چپ تعزیہ کی وجہ تسمیہ	۴۳	۳۳	گوالیار کا محرم	۱۴۴
۱۲	آگ کا ماتم کیسے شروع ہوا	۴۴	۳۴	آگرے کا محرم	۱۶۸
۱۳	چار سو سال پرانا روہڑی کا تعزیہ	۴۷	۳۵	قاتلان حسینؑ کا عبرتناک انجام	۱۷۶
۱۴	محفل حیدری	۵۰	۳۶	حضرت امام حسینؑ کے خطبے	۱۸۱
۱۵	علامہ اقبال آستانۂ شہید کربلا پہ	۵۸	۳۷	حضرت امام حسینؑ کے مکتوبات	۲۲۳
۱۶	کربلا میں موجود قرآن کا جلا ہوا صفحہ	۶۱	۳۸	حضرت امام حسینؑ کے مختصر فقرے	۲۳۳
۱۷	کوفہ سے شام تک کی انقلاب انگیز مسافت	۶۲	۳۹	زینبؑ اور امؑ کلثوم کے نایاب خطبات!	۲۳۴
۱۸	منازل آلام فوٹو	۶۷	۴۰	جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے	۲۷۰
۱۹	بی بی پاک دامن	۶۸		(معاویہ بن یزید لعین کا خطبہ)	
۲۰	سر اقدس حسینؑ کی کہانی	۷۲	۴۱	حضرت امام حسنؑ کا لکھا ہوا قرآن	۲۷۵
۲۱	سفیر آل محمدؐ حضرت مسلمؑ	۷۴	۴۲	حضرت امام حسینؑ کا لکھا ہوا قرآن	۲۷۶
۲۲	اسمائے گرامی شہدائے کربلا	۸۲	۴۳	نوحہ کی چند شاہی صورتیں	۲۷۷

۴۴	پاکستان کے پہلے وزیراعظم روضۂ سید الشہدا پر		۲۸۷
۴۵	کتاب کا وہ حصہ جس کو علمائے کرام اور دانش ور حضرات نے اپنے قلم سے زینت دی		۲۸۸
۴۶	دنیا کا نجات دہندہ حسین	علامہ ہندی	۲۸۹
۴۷	غرضِ شہادت	مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مرحوم	۲۹۵
۴۸	واقعہ کربلا کی تبلیغی شان	علامہ علی نقی صاحب قبلہ	۳۰۰
۴۹	زعفر جن	مولانا آغا مہدی	۳۰۹
۵۰	شہادتِ عظمیٰ پر سیاسی تبصرہ	نواب برادران	۳۱۳
۵۱	حسین شہید سہروردی روضۂ امام پر		۳۲۰
۵۲	مقتل الحسین شریشی	علامہ مجتبیٰ حسن کامان پوری	۳۲۱
۵۳	شہادت حسین شہادت رسول ہے	شاہ عبدالعزیز	۳۳۱
۵۴	ہٹلر اور یزید	مولانا النقا علی حیدری مرحوم	۳۳۴
۵۵	میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں	علامہ ترابی مرحوم	۳۴۰
۵۶	حضرت عباس علمدار	علامہ طالب جوہری	۳۴۳
۵۷	شبیر جہانگیر	حکیم سید محمود گیلانی	۳۴۸
۵۸	حسین حقانیت اسلام کی اکلوتی دلیل	عبدالکریم مشتاق	۳۷۲
۵۹	گروہ ملائک میں حسین کا ماتم		۳۸۰
۶۰	آلِ رسول کے غم میں جناتوں کی عورتیں بھی روتی ہیں		۳۸۳
۶۱	واقعہ کربلا کا اثر اردو ادب و دیگر فنون پر		۳۸۷

نذرانۂ عقیدت

بارگاہ

میں اُس کی جس نے انسانیت کو گمراہی کے چنگل سے چھڑایا ـــــ

بارگاہ

میں اُس کی جس کے مقدس جہادِ دفاعی کی روشنی سے عالم نورانی ہوا ـــــ

بارگاہ

میں اُس کی جس نے آثارِ شریعت کو ان کے مٹنے کے بعد زندگی بخشی ـــــ

بارگاہ

میں اُس کی جس نے دین کے زخموں کا اپنے اور اپنی آلؑ کے پاکیزہ خون سے علاج کیا ـــــ

بارگاہ

میں اُس کی جس نے اظہارِ حقانیت و اشاعت و تبلیغ دینِ اسلام، اعلائے کلمۃ اللہ، ہدایتِ خلق، تزکیۂ نفس، معرفتِ الٰہی، توحید و شانِ الوہیت، و شانِ رسالت، احیائے سنت، درجۂ صبر و رضا کی خاطر جامِ شہادت نوش فرمایا ـــــ

بارگاہ

میں اُس کی جس نے کشتیِ اسلام کو طوفانِ ضلالت و گمراہی اور بدعت سے

بجایا اور اللہ تعالیٰ کے دینِ اسلام اور کلمۂ حق کا ڈنکا بجایا۔

بارگاہ

میں اُس کی جس نے حق اور باطل میں فرق ڈال دیا، حق کے لیے باطل سے مقابلہ کا سبق دیا، اور خود عمل کر کے دنیا کو دکھا دیا ——

بارگاہ

میں اُس کی جس کے نام سے مظلوم دلوں کو طاقت ملتی ہے ——

بارگاہ

میں اُس کی جس نے حق کو ظاہر کرنے اور فاسق و فاجر بادشاہ و امیر کی بیعت نہ کرنے، خدا کے احکام اور قرآن کی مکمل تفسیر جتانے، کسی کے رعب سے بے خوف ہو کر حق کو نہ چھپانے کا درس دیا ——

بارگاہ

میں اُس کی جس نے دین کی حفاظت میں اپنی جان و مال اور زر و دولت کی پروا نہ کرنے کا سبق دیا، اور عمل کر کے دکھا دیا ——

بارگاہ

میں اُس کی جس کے جدِّ بزرگوار، بھائی اور اہلِ خاندان نے ہمیشہ کفر کے مقابلے میں اسلام کے لیے اپنی جانیں پیش کیں، چمن زارِ اسلام کو اپنے پاک خون سے سینچا ——

آپ کی بارگاہ

میں اے نبوّت کی روح ، خلافتِ کبریٰ کی جان ، جنابِ سیّدہ معصومہ بتولِ عذرا بنتِ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دلبند وجگر پیوند اس کتاب کا نذرانہ پیش کرتا ہوں اور اس کے طفیل آپ کی شفاعت و خوشنودی کا امید وار ہوں ــــــ

بندۂ عاصی وخاطی

محمّد وصی خاں

۷۸۶

یاحسینؑ یاحسینؑ

اظہارِ تشکر

میں ان تمام حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے دامے درہمے۔ سخنے اور قدمے اس ضمن میں میری معاونت فرمائی اور مجھ کو اس لائق کیا کہ میں کتاب حسینؑ حسینؑ قارئین حضرات کی خدمت میں پیش کرسکوں۔ یہ بی بی سیدہ کا اعجاز ہے کہ مجھ جیسا کم تعلیم یافتہ انسان کو اس خدمت پر معمور فرمایا۔ اگر میں اپنے ان ہمنوا اور ہمدروں کا شکریہ ادا نہ کروں تو یہ میری احسان فراموشی ہوگی اس لئے میں جناب مولانا حیدر حسین صاحب، مولانا ڈاکٹر صادق حسین صاحب، مولانا رضی جعفر صاحب، جناب نواب افتخار حسین خاں، جناب موسیٰ رضوی صاحب، جناب سردار نقوی صاحب، جناب شاہ حسین حماد صاحب، وحید الحسن رضوی (چچا) صاحب، جناب غیور حسین نقوی قلعہ خیر حسن کالونی صاحب، سرور حسین صاحب، جناب جانی صاحب، جناب معجز جونپوری صاحب، جناب مختار جعفری صاحب، جناب افسر صاحب، جناب میر توکل حسین عابدی صاحب، جناب ماجد صاحب، جناب سبطین صاحب، جناب شاکر صاحب، جناب علی سعید صاحب، جناب پیارے بھائی، جناب قیصر عباس صاحب، جناب شکیل صاحب، جناب مولانا علی حسنین شیفتہ صاحب جناب سید رضا رضوی صاحب، جناب فرزند رضا صاحب، جناب سید قمر حسن رضوی صاحب "حسینؑ حسینؑ" کے مسودات جمع کرکے کتابی شکل دینے پر آمادہ نہ کرتے تو ممکن تھا کہ یہ کتاب ابھی معرض وجود میں نہ آتی۔ یہ ان سب کے پیہم اصرار اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے کہ آج

بفضل تعالیٰ اپنے خیالات کا مرقع قارئین عظام کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہوں۔ خدائے بزرگ و برتر ان سب کو جزائے خیر دے اور آئمہ اطہار کے صدقے میں ہمیشہ دینی و دنیوی نعمتوں سے مالا مال رہیں۔

آخر میں اپنے محسن و مربی اور استاد مکرم قبلہ جناب سید تابش نقوی صاحب مدیر "عظیم" کا بہ دل سے شکر گذار ہوں جنھوں نے اپنی خرابی صحت اور عدیم الفرصتی کے باوجود نہایت جانفشانی اور شب و روز محنت سے کتاب ہذا پر نظر ثانی بلکہ ترتیب نو فرما کر اسے قابل اشاعت فرمایا۔ خداوند عالم بطفیل محمد و آل محمد انہیں صحت کاملہ اور اجر عظیم عطا فرمائے۔

وصی خان

هَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا

مقدمہ

آج سے تیرہ سو سال پہلے عراق کے ایک گوشہ میں آل رسولؐ کے ایک مظلوم امام نے انتہائی دردناک حالات میں مجبور ہو کر اسلام اور ایمان کی امداد کے لئے قوم کو ایک آواز دی تھی۔

هَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا۔

حالات کچھ ایسے تھے کہ اس صدا پر کسی نے لبیک نہیں کہی کوئی نہ تھا جو اس وقت بقا و تحفظ، اسلام کے لئے آگے بڑھتا چنانچہ یہ آواز بلند ہوئی اور فضا میں گم ہو گئی۔ پکارنے والا پکارتا رہا، استغاثہ کرنے والا استغاثہ کرتا رہا۔ لیکن اس کی آواز کا کوئی اثر نہیں لیا گیا یہی نہیں کہ کوئی اثر نہیں لیا گیا۔ بلکہ تلواروں کی مدد سے خود پکارنے والے کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا گیا۔

آہ! وہ پکارنے والا۔

آہ! وہ آواز جو کسی نے نہ سنی۔

آہ! ہم جو آج بھی اس آواز کو سننے پر تیار نہیں ہیں۔

آج اس پکارنے والے کے فدائیوں سے دنیا چھلک رہی ہے منبروں اس کی مدح کی جا رہی ہے۔ اس کے غم میں مجالس منعقد ہو رہی ہیں۔ اس کے نام سے امام باڑے موسوم کئے جا رہے ہیں۔ اس کی یاد میں آنکھیں آنسوؤں کی گنگا جمنا بہا رہی ہیں۔ لیکن اس کی پکار کا۔ اس کے استغاثہ کا اس کے درد بھرے سوال کا آج بھی کوئی جواب نہیں دیا جا رہا ہے۔

حسینؑ مظلوم کو کسی مادی امداد کی نہ تو کربلا میں ضرورت تھی اور نہ

آج ضرورت ہے۔ کربلا میں بھی اس کے اس استغاثہ کا مقصد امر اہل بیت کی اشاعت تھا اور آج بھی ان کے استغاثہ کا مقصد یہی ہے۔

لیکن ہم امر اہل بیت کی اشاعت کے لئے کیا کر رہے ہیں۔

یہ ایک سوال ہے جس کا جواب بے حد دردناک ہے۔

آج اگر آپ اہل بیت کے غیروں کے متعلق کچھ جاننا چاہیں۔ ان کے عقائد معلوم کرنا چاہیں۔ ان کی احادیث سے آگاہ ہونا چاہیں۔ ان کی تاریخ سے واقف ہونا چاہیں تو آپ کو ۔۔۔۔۔!

اردو زبان میں درجنوں تفاسیر قرآن مل جائیں گی۔

اردو میں صحیح مسلم بخاری سنن ابن ماجہ۔ سنن، ابن داؤد، نسائی اور ترامذی مل جائیں گی۔

اردو میں طبری۔ کامل، مروج الذہب، اصابہ اسد الغابہ مل جائینگی۔

اردو میں تاریخ ابن خلدون، ابن خلقان اور روضۃ الصفا مل جائیں گی۔ اردو میں ملل و نحل شہرستانی، ملل النحل ابن خرم اندلسی مل جائیں گی۔

غرض یہ کہ تفسیر، حدیث، تاریخ، کلام، فقہ اور تمام اسلامی علوم کی شاید ہی کوئی اہم کتاب ہو جو اردو زبان میں موجود نہ ہو۔ اور اس سے ہمارے غیر جتنا فائدہ اٹھا رہے ہیں یا اٹھا سکتے ہیں۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

تراجم کے علاوہ اردو میں اعلیٰ قسم کی اصل تصانیف بھی بکثرت موجود ہیں اور یہ عرض کرنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلامیات کے متعلق آج اردو میں اتنی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ یا شائع ہو چکی ہیں کہ اردو زبان عربی کے بعد اسلامی علوم کا سب سے بڑا گہوارہ بنتی جا رہی ہے۔

اہل بیت کے غیروں کے علوم کی اشاعت کا یہ عالم اور علوم آل رسولؐ کی اشاعت کی جانب سے ہماری بے پرواہی کی یہ کیفیت ہے کہ ہماری اہم ترین کتابوں میں سے کسی ایک کا بھی اردو زبان میں ترجمہ موجود نہیں۔ جن چار کتابوں پر ہمارے

عقائد کا بڑا انحصار ہے۔ یعنی کافی تہذیب، استبصار اور من لا یحضرہ الفقیہ۔ ان کو آج تک اردو زبان میں منتقل نہیں کیا گیا۔ دوسری کتابوں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔

یہ کتابیں شیعیت کا خزانہ اور علوم اہل بیت کا بحر بے پایاں ہیں۔ اگر ان کو اردو میں منتقل کر دیا جاتا۔ تو نہ صرف یہ ہمارے خلاف ہمارے اغیار جو غلط بیانیاں کرتے ہیں ان کا بڑی حد تک خاتمہ ہو جاتا... بلکہ خود ہمارے عوام اپنی احادیث اپنی فقہ اور اپنے اصول کی بیش از بیش معلومات حاصل کر سکتے اور اس طرح امر اہلبیت کی اشاعت کا وہ عظیم مقصد بڑی حد تک پورا ہو جاتا۔ جو ہل من ناصر کی آواز میں پوشیدہ تھا۔

ہمارے پاس قابل افراد کی کمی نہیں ہے۔ اور اگر ایک ذراسی توجہ سے کام لیا جائے۔ تو نہ صرف یہ چار کتابیں بلکہ ہمارے مذہب کی تمام اہم کتابیں اردو میں منتقل ہو سکتی ہیں۔

اسوقت ہمارے پاس اردو میں کچھ سرمایہ ہے۔ وہ دوسرے درجہ کے رسائل کا ہے۔ وہ کتابیں جو اصل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں یا جن سے ہر شخص شیعہ عقائد کو ان کے اصلی روپ میں جان سکتا ہے۔ ان کا ہماری زبان میں کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی کمی ہے جس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے وہ بہت کم ہے۔

ہمارے علماء ہمارے مصنفین اور ہمارے اہل قلم حضرات نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کاوشوں کا تمام تر ذکر صرف مسئلہ خلافت ہونا چاہیئے۔ اور یا پھر اسی کے متعلقات، دوسرے تمام مباحث سے ہمارا موجودہ لٹریچر سرے سے خالی ہی نظر آتا ہے۔ شیعی احادیث، شیعی تاریخ، شیعی فقہ، شیعی تفسیر اور دوسرے علوم پر ہم قلم اٹھانا بھی فضول سمجھنے لگے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مناظرہ کے میدان میں ہم چاہے کتنے ہی آگے کیوں نہ ہوں۔ دوسرے علوم کے معاملہ

میں ہمارے عوام صفر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

یہ کتنے ستم کی بات ہے کہ شیعہ احادیث کے متعلق ایک بھی کتاب مارکیٹ میں نہیں ملتی۔ فقہ میں تحفۃ العوام کے آگے ہمارے عوام کچھ نہیں جانتے۔ تاریخ کے معاملہ میں ہم فوق بلگرامی کی حد سے آگے نہیں بڑھ سکے اور قرآن پاک کی تو ایک بھی اچھی تفسیر ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔

ہم اس پر تو ناز کرتے ہیں کہ تاریخ اسلام میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کرنے والے شیعہ تھے۔ اور ہمیں اس پر بھی فخر ہے کہ ہمارے علماء سلف نے ہر علمی میدان میں ایسی جولانی طبع کے مظاہرے کیے کہ ہمارے حریف ہمیشہ ہمارے مقابلے میں گرد نظر آئے۔ لیکن پدرم سلطان بود کے ان نعروں کے بعد جب ہم اپنے دامن پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں علمی میدان میں اپنی بے مائیگی پر ایک عظیم احساس ندامت کے علاوہ اور کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

اس سلسلے میں ایک بات بڑے شد و مد سے کہی جاتی ہے اور وہ یہ کہ شیعہ لٹریچر فروخت نہیں ہوتا۔ قوم توجہ نہیں دیتی۔ لوگ کتابیں پڑھتے نہیں پھر ایسی حالت میں بڑی بڑی کتابوں کا ترجمہ کرنے سے کیا حاصل؟ یا ان کی اشاعت سے کیا فائدہ۔

میں اس اعتراض کو مہمل سمجھتا ہوں۔ اس اعتراض کو مان لینے کے معنی یہ ہیں کہ سارے شیعہ حد درجہ جاہل اور بدذوق ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ آج پاک و ہند میں پڑھے لکھے شیعوں کی تعداد بہت کافی ہے۔ علمی ذوق رکھنے والے بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ میں خود ایسے سینکڑوں شیعوں سے واقف ہوں۔ جن کے گھروں میں جماعت اسلامی کی کتابیں موجود ہیں۔ دارالمصنفین دہلی کی کتابیں موجود ہیں۔ اور جو اسلامیات کا اتنا ذوق رکھتے ہیں کہ سینکڑوں روپے کی غیروں کی کتابیں خریدتے ہیں۔ اور پڑھتے ہیں۔ ایسی حالت میں قوم کے جہل یا بدذوقی کا ماتم کرنا قطعاً غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہماری جو کتابیں

مارکیٹ میں آتی ہیں۔ وہ تیسرے درجہ کے مناظرانہ لٹریچر سے آگے نہیں ہوتیں وہی پرانے موضوع وہی پرانے دلائل، وہی پرانے حوالے اور وہی پرانی باتیں جواب سے چالیس سال پہلے کی کتابوں میں تھیں۔ وہی نئی کتابوں میں بھی ہوتی ہیں۔ لکھنے والے نہ تو تلاش و جستجو سے کام لیتے ہیں۔ نہ تحقیق و تدقیق سے کام لیتے ہیں۔ نہ فکر و تعمق کی زحمت گوارا کرتے ہیں نہ نئے دلائل و براہین، تلاش کرتے ہیں۔ نہ نئی راہیں ڈھونڈتے ہیں۔ بس پرانے چبائے ہوئے نوالے نگلنے پر قناعت کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں کسی علمی ذوق رکھنے والے شخص کے لئے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ ان سب کتابوں کو خریدتا رہے۔ جو اپنے موضوع و مفہوم کے اعتبار سے سابقہ کتابوں سے کسی طرح مختلف نہیں ہوتیں۔؟ لوگ نئی چیزیں خریدنا چاہتے ہیں۔ انحطاط پذیر اور جامد لٹریچر سے کسی کو دلچسپی نہیں ہوتی۔ ایک ہی بات کو ہزار مرتبہ سننے میں کوئی کیف محسوس نہیں کرتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ناشرین جو کتابیں چھاپتے ہیں۔ ان سے دوسرے تو کیا خود ہمارے عوام بھی دلچسپی نہیں لیتے۔

میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اگر شیعی فقہ و حدیث کی کوئی مستند کتاب مارکیٹ میں آجائے تو شیعہ ہی نہیں سنیوں کا علمی طبقہ بھی اسے خریدیگا تاکہ اسے شیعوں کے عقائد کا صحیح علم ہو سکے۔ اگر ہم ایک اعلیٰ تفسیر شائع کریں۔ تو تمام مسلمانوں میں اس کی مانگ ہوگی۔ اور اگر ہم اسلامیات کے کسی موضوع پر کوئی محققانہ کاوش کریں تو یقینی طور پر اسے عمومی مقبولیت حاصل ہوگی۔ لیکن ہم ان مسائل پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔ اور شکوہ یہ کرتے ہیں کہ ہمارے شائع کردہ رسائل فروخت نہیں ہوتے۔ تو علمی تصانیف پر کون توجہ دے گا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اب دنیا کا ذہنی میعار کافی بلند ہو چکا ہے۔ اب دوسرے درجہ کے لٹریچر کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی ...... اور چونکہ اس کو اپنا مرکز توجہ بنائے ہوئے ہیں اس لئے ہمارے اہل قلم کو ناکامی اور گمنامی کے علاوہ اور

کچھ نصیب نہیں ہو رہا ہے ۔

دورِ حاضر کے مسائل مثلاً سیاسیات ، معاشیات اور تعلیم وغیرہ پر مبنی نقطہ نگاہ سے سینکڑوں کتابوں مارکیٹ میں موجود ہیں ۔ لیکن آل رسولؐ کی تعلیمات کی روشنی میں ان مسائل سے متعلق کوئی اچھی علمی تصنیف دستیاب ہونا محال ہے ۔

یہ ہے ہماری کوتاہ دامنی کا عالم ۔

ھل من ناصر ۔ کی آواز آج بھی فضا میں گونج رہی ہے ۔ آج حسینؑ پر نہ سہی ، حسینیتؑ یعنی اسلام حقیقی کی مدد ہمارا فرض اولین ہے ۔ اور یہ فرض محض مناظر بازی سے پورا نہیں ہو سکتا ۔ حسینیت کی امداد کا مطلب یہ ہے ائمہ علیہم السلام کی تفسیر دنیا کے سامنے پیش کی جائے ان کی احادیث اور اقوال کی اشاعت کی جائے ۔ ان کی فقہ اور اصول فقہ کو عام کیا جائے ۔ اور علوم اہل بیت کی روشنی ہر مسلمان کے گھر میں پہنچا دی جائے ۔ یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور محبان آلِ اطہار کو اس ضرورت کی تکمیل پر پوری توجہ دینا چاہیئے ۔

شیعہ علمی میدان میں ہمیشہ آگے رہے ہیں ہمارے اسلاف نے اسلامی علوم کی اشاعت جس ذوق و شوق اور انہماک سے کی ہے ۔ وہ تاریخ کے سینہ میں آج تک محفوظ ہے ۔ یہ ان کی علمی کاوشوں اور قلمی مجاہدات ہی کا فیض ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کی برق تاب شمشیریں اور تقیہ کے آہنی پردے بھی ہمارے دین کو نابود نہ کر سکے ان کی تصانیف کی برکت ہے کہ ہم نے انتہائی پر آشوب حالات میں بھی تعلیمات آلِ رسولؐ کو زندہ رکھا ۔ آج بھی ان اسلاف کی تقلید کی ضرورت ہے ۔ آج بھی تصنیف و تالیف و ترجمہ جاری رکھنے کی حاجت ہے ۔ آج بھی ھل من ناصر کی آواز ہمیں امر اہل بیت کی اشاعت کی دعوت دے رہی ہے ۔ اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس آواز پر پوری توجہ کرتے ہوئے اس علمی سرمائے کو جو عربی اور فارسی کے خزانوں میں بند ہے

اردو کی مدد سے اپنے اور پرائے تک پہنچا کے اس فریضۂ تبلیغ کو پورا کرکے دکھائیں جو شریعت اسلامیہ نے ہم سب پر عائد کیا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ یہ کام آسان نہیں ہے۔ مجھے اس کی مشکلات کا پورا علم ہے۔ یہ ایک خشک اور غیر دلچسپ کام ہے اس میں معقول حصول شہرت کی وہ کشش نہیں ہے جو مثال کے طور پر ذاکری میں ہوا کرتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں مالی فائدے کی توقع بھی بظاہر فضول ہی ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں یہ عرض کروں گا کہ ہمارے علمار کو اس چیز پر توجہ کرنا چاہیئے۔ اور اپنی تمام اہم مذہبی کتابوں کو اردو میں منتقل کرنے کے لئے کمر ہمت باندھ لینا چاہیئے اس کے نتیجہ میں ہمارا ذہنی افلاس دور ہوگا۔ ہم پر فکر و نظر کی نئی راہیں کھلیں گی ہمیں اپنی جولانی طبع کے اظہار کے لئے نئے نئے میدان ہاتھ آئینگے۔ ہمارے دین کی اساس مضبوط ہوگی۔ ہمارے عوام میں دین کا صحیح ذوق پیدا ہوگا ہمارے دینی شعور میں پختگی اور ہماری مذہبی فکر میں گہرائی پیدا ہوگی۔ اور قوم میں ایک ایسا صحت مندانہ انقلاب رونما ہوگا جو پھر ایک بار شیعوں کو دنیائے اسلام کی علمی و تمدنی سیادت سونپ دے گا۔

بھلا آل رسولؐ پر اس سے زیادہ اور کیا ظلم ہوگا کہ ہندوستان اور پاکستان کے تقریبًا دو کروڑ شیعوں میں دو ہزار شیعہ بھی ایسے نہیں ملیں گے جنہوں نے مذہب شیعہ کی ان اہم کتابوں کا مطالعہ کیا ہو جو ہمارے لئے ماخذ ہیں۔ یا جنہیں شیعیت کا کلاسیکل لٹریچر کہا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے عوام کی بڑی اکثریت تو کافی تہذیب و استبصار وغیرہ کے ناموں تک سے ناواقف ہے۔ شیعہ عوام ذاکرین کے طفیل میں اپنی بس ایک کتاب کا نام ہی جانتے ہیں۔ اور وہ ہے بحارالانوار۔ لیکن شاید سو میں ایک شیعہ بھی ایسا نہیں ملے گا جس نے اس کتاب کی شکل تک دیکھی ہو۔ رہیں دوسری کتابیں مثلاً ارشاد شیخ رشید، لہوف سید بن طاؤس، مناقب شہر آشوب وغیرہ

تو عوام کبھی کبھار کسی ذاکر سے اس کا نام سن لیتے ہیں لیکن اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ کتابیں کن کن موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔ ان کا حجم اور ضخامت کتنی ہے اور چند عربی کتب خانوں کے علاوہ ان کے کہیں وجود بھی ہے یا نہیں۔

ظاہر ہے کہ جب علوم آل رسولؐ کے یہ خزانے عوام کی دسترس سے باہر ہیں تو ہمارے عوام آل رسول کی کیا معرفت حاصل کر سکتے ہیں اور معرفت کے ساتھ ان پر ایمان لا سکتے ہیں۔ اور ان کو کس طرح خالص عقلی و فکری بنیادوں پر یہ یقین ہو سکتا ہے کہ آل رسولؐ واقعی حق پر تھے۔ وہ زیادہ سے زیادہ خوف قیامت یا عذاب نکیرین کے ڈر سے بارہ اماموں کے نام یاد کر سکتے ہیں۔ ایک زندہ عقلی اور فکر آفرین دین سے ان کا کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا۔

ہمارے ارباب علم یہ تسلیم کریں گے یہ صورت حال نہ صرف پیروان آل محمدؐ پر ظلم ہے بلکہ خود آل رسول پر بھی ظلم ہے۔ اس لئے کہ ہم ان کے پیام، ان کی صداقت اور ان کی حقانیت کی صحیح اشاعت سے پورا اغماز برت رہے ہیں۔

میں علمائے شیعہ سے مخلصانہ اور مؤدبانہ التماس کروں گا۔ کہ وہ اس کمی کو دور کرنے پر پوری توجہ فرمائیں اور مذہب شیعہ کی تمام اہم کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ اگر یہ نہ کیا گیا تو مخالفین کا لٹریچر ہمارے عوام کے ذہنوں کو مسموم کر دے گا۔ اور آج نہ سہی تو آج سے پچاس سال بعد شیعیت کو زبردست نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ لوگ عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ اور اس کے بعد مذہبی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ اب عوام کو خود انہی کی زبان میں مذہبی لٹریچر فراہم کر دینے کی ضرورت ہے۔ اس لئے جو کام ایران میں ملاّ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ نے کیا تھا۔ وہی ہند و پاکستان کے علماء کو کرنا ہے۔ علامہ مجلسی نے مذہبی لٹریچر کو عربی سے فارسی میں منتقل کر کے ایران میں شیعیت کی بنیادیں مضبوط کی تھیں ضرورت اس کی ہے کہ اب اس لٹریچر کو اردو میں منتقل کیا جائے۔

تاکہ ہمارے برصغیر میں شیعیت کا احساس مستحکم ہو جائے یہ وقت کی پکار اور زمانے کا تقاضہ ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ ہمارے علماء اس پر ضرور توجہ فرمائینگے

میں مانتا ہوں کہ بڑی بڑی کتابوں کی اشاعت کے لئے سرمائے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اگر ان کلاسیکل کتابوں کا ترجمہ کیا جائے تو شاید عام مسلمان ناشرین بھی ان کو چھاپ دیں گے۔ اس لئے کہ ان کی اشاعت ان کے نقطۂ نظر سے ایک اچھی تجارتی چیز ہوگی اور اگر یہ نہ بھی ہو تو ان کتابوں کی اہمیت کے پیش نظر خود قوم کے ارباب متمول بھی اخراجاتِ طباعت برداشت کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔ اور ویسے تو خدا مسبب الاسباب ہے وہ خود دین کی اشاعت میں مدد کرتا ہے۔ اس لئے وہ ضرور ان کتابوں کی طباعت کا بندوبست کرادیگا

اپنی اہم مذہبی کتابوں کے تراجم کے ساتھ ہی ہمیں اغیار کی ان اہم کتابوں کے ترجمہ پر بھی توجہ کرنا چاہئے۔ جو کسی نہ کسی حیثیت سے ہمارے لئے مفید ٹھہرتی ہے۔ مثال کے طور پر سوادِ اعظم کی مشہور تصنیف المودۃ فی القربیٰ ہے۔ جو ہمارے نقطہ نظر سے بہت اہم ہے۔ اگر کسی کا ترجمہ ہو جائے تو خود یعنی ناشرین اسے چھاپنے پر تیار ہوں گے۔ میں تو یہاں تک عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ ہمیں صواعق محرقہ کا اردو ترجمہ کر کے چھپوا دینا چاہیئے اس لئے کہ علامہ ابن حجر کے بے پناہ تعصب کے باوجود اس میں وہ احادیث بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ جو ہر موقع پر ہمارے کام آتی ہیں۔ یہ ایک ٹھوس دینی خدمت ہے اور مجھے امید ہے کہ ہمارے علماء اعلام ضرور اس کی جانب توجہ فرمائیں گے۔

تاریخ کی مناسبت سے سلسلہ وار مجالس
سوز، سلام اور مرثیوں کی بیاض

بیاض تسکین زینب علیہا السلام

مرتبہ: محمد وصی خان

رباعی، سوز، سلام اور مرثیوں سے ترتیب دی ہوئی تاریخ کی مناسبت سے کامیاب مجالس کا مجموعہ جس کو پہلی بار یکجا کیا گیا ہے۔

ہندوستان و پاکستان کے نامور سوز خوان
حضرات کے بستوں کا نچوڑ
سوگوار بہنوں کے لئے نایاب تحفہ

ناشر: رحمت اللہ بک ایجنسی
بالمقابل بڑا امام بارگاہ، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰ - فون ۲۴۳۱۵۷۷

عزاداری اور اس کے تبرّکات
جو
ہر لحہ مظلومِ کربلا کی یاد تازہ کرتے ہیں

واقعہ نے تیرے ثابت کر دیا اے کربلا
موت بھی انسانیت کا سر جھکا سکتی نہیں

نفسیاتی اعتبار سے یہ ضروری ہے کہ جب ہم کسی واقعہ پر اپنی تمام تر توجہات مرکوز کرنا چاہیں تو ایک ایسی چیز اپنے سامنے رکھ لیں جو ہمیں اس واقعہ کی جانب اشارہ کر سکتی ہو کسی یاد کو تازہ رکھنے اور پائیدار بنانے کے لئے یہ طریقِ عمل از حد مفید ہے اور کم از کم عوام اس کے بغیر کسی واقعہ کو پوری توجہ کے ساتھ یاد نہیں رکھ سکتے۔

ماہرین تعلیم اور ماہرین نفسیات کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ شبیہ نقل تصویر یا ظاہری یادگاریں ہمارے ذہنوں میں گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ اور ان سے ہمارے کردار کی تشکیل میں زبردست مدد ملتی ہے ان سے تصور میں مرکزیت پیدا ہوتی ہے جو اسے عقیدے کی شکل دے کر روح پر اثر انداز کر دیتی ہے۔ اور مرئی اشیاء اور غیر مرئی تصورات کے مقابلہ میں انسان پر کہیں زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اب تصویروں کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ "یہ آنکھوں دیکھی تعلیم" اس "کانوں سنی تعلیم" سے کہیں زیادہ موثر اور مفید ہوتی ہے جو کتابوں کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ عزاداری کا بھی یہی فلسفہ ہے۔ عزاداری ہماری نگاہوں کے ذریعہ ہمارے دل اور دماغ کو متاثر کرتی ہے۔ واقعہ کربلا پر ہماری توجہات کو مرکوز کر دیتی ہے اور ہماری عقیدت کا مرکز

بن کر ہمیں "حسینؑ" سے قریب تر کر دیتی ہے یہ ہیں وہ تبرکات جنہیں ہم مراسم عزاداری میں استعمال کرتے ہیں جو ہماری محبتوں اور عقیدتوں کو سمیٹ کے کربلا سے وابستہ کر دیتے ہیں اور جب ہم شہید اعظم حضرت امام عالی مقام حسین علیہ السلام کی محبت میں ڈوب جاتے ہیں تو یہ ان اصولوں سے عقیدت پیدا کرا دیتے ہیں جن کے لئے امام عالی مقام شہید کربلا اور ان کے رفقائ نے اپنی قیمتی جانوں کو اسلام اور حق کی سربلندی کے لئے قربان کر دی تھی اس عزاداری کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کے لئے اس دنیا نے جو جو قربانیاں دی ہیں۔ ان کا تذکرہ بیان سے باہر ہے۔

امام بارگاہ

۱۔ روزمرہ کی زبان میں امام باڑہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حسینؑ دربار ہے۔ جہاں انسان حسینؑ کی موجودگی محسوس کرتا ہے اس حسینؑ کی موجودگی جو فوق البشر تھا۔ جو انسانیت کا معمار اعظم تھا۔ جو حق کا پیکر اور صداقت کا مجسمہ تھا۔ جو روحانیت کا مظہر ماتم اور عشق الٰہی کی جیتی جاگتی تصویر تھا جو ایمان کا نقیب اور مظلومیت کا داعی تھا۔ اور جس میں وہ عظیم روحانی قوتیں موجود تھیں جن کے مقابلہ میں شیطنیت اور باطل کا وجود اپنی ساری ظاہری حشر سامانیوں کے باوجود صفر معلوم ہوتا ہے۔ اس حسینؑ کے دربار میں حضوری کا احساس گناہگار سے گنہگار انسان میں بھی پاکیزگی اور روحانیت کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ نفسیاتی اصولوں کے جاننے اور سمجھنے والے امام باڑہ کی اہمیت اور افادیت تسلیم کرنے پر مجبور ہیں اور حسینیؑ تعلیم کی اشاعت کے لئے امام باڑوں کا وجود حد درجہ ضروری تصور کیا جاتا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں مجلس ماتم بپا د سید الشہدا مظلوم کربلا منعقد ہو گی۔ اس میں ایک منبر ہوتا ہے جس پہ ذاکر ذکر حسینؑ بصورت فضائل و مصائب سید الشہدا ادا کرتا ہے۔ ایک مخصوص جگہ علم اور

دوسرے تبرّکات نصیب ہوتے ہیں۔ عید اور بقرعید کو اس جگہ کو نماز کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ جو شخص چالیس امام باڑوں کی زیارت کرے اور وہاں جاکر منت مانگے تو پروردگار عالم اس کو ضرور قبول کرتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں مجلس کے دوران جناب سیدہ کے ساتھ ملائیکہ بھی آتے ہیں۔

مجلس و ماتم سیدالشہدا

مجلس و ماتم ایک عظیم انقلابی تحریک ہے جس کے ذریعہ پیغام حسینیؑ کی اشاعت ہوتی ہے ان کے ذریعہ حسینؑ کا پیغام حق نشر کیا جاتا ہے اور پوری سنجیدگی۔ جوش اور عقیدت کی فضاء میں دل سوز انداز میں یہ ذکر ہوتا ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے کہ حسینؑ کا پیغام نسلِ انسانی کے لئے بے حد مفید ہے اگر یہ بھی حقیقت ہے کہ حسینؑ کا نمونۂ عمل ہمارے سامنے موجود رہے تو ہم میں انسانیت کی اعلیٰ ترین قدریں ابھار سکتا ہے تو حسینؑ کے پیغام و عمل کی اشاعت کا اس سے زیادہ اثر آفریں اور جذباتی طریقہ اور کوئی نہیں ہوسکتا جو مجلس حسینؑ سینہ زنی اور حسینؑ حسینؑ کی جگہ خراش آواز دل کے ذریعہ پیدا کیا گیا ہے۔

یہ مجلس حسینؑ ہی کا صدقہ ہے کہ چھوٹے اور بڑے امیر و غریب بادشاہ اور فقیر سبھی یہاں خاموش پاک و صاف جسم اور ذہن کے ساتھ فرش خاکی پہ ہمہ تن گوش ہو کر ذاکر حسینؑ سے حق و صداقت کا حسینیؑ پیغام سن کر کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی اس عظیم ہستی کے ساتھ جس کو رسولِ خدا نے کہا تھا حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں زیادتیاں اور سختیاں ظلم اور جور سن کر بے ساختہ آنسو بہانے اور ماتم کرنے پہ مجبور ہوجاتا ہے۔ مجلس و ماتم ہی وہ عبادتیں ہیں جو رسول خدا کی پیاری بیٹی اور حسینؑ کی شہزادہ ماں جناب

سیدہ کو بہت قبول ہے مجلس و ماتم مختلف شہروں اور ملکوں میں مختلف طریقوں سے اس مقام کے رسم و رواج کے مطابق منعقد کی جاتی ہے یہ عظیم یاد ہر سال محرم الحرام کے مہینے میں خصوصاً اور عام دنوں میں انسانی طبیعت اور ضرورت کے مطابق منعقد کی جاتی ہے یہ حسین علیہ السلام کی فتح اور یزید ملعون کی شکست منانے کا ذریعہ ہیں۔

آنسو جو شہید کربلا کے غم میں نکلتے ھیں

آنسوؤں کی راہ سے دل میں اترتی جائے گی
قصۂ ماضی نہیں یہ کربلا کی بات ہے

شہادتِ حسینؑ کی یاد منانے میں سب سے بڑا حصہ آنسوؤں کا ہے ان آنسوؤں کو جو نفسیات کے ہر قانون کو توڑ کر عقل کو جھنجھوڑ کر عقلِ انسانی کو مجبور کر کے اور سائنس کے تمام اصولوں سے ٹکرا کے ہماری پلکوں پر لہراتے ہیں اور ہمارے دامن میں جذب ہوتے رہتے ہیں۔ ان اعجاز آفریں آنسوؤں کی اہمیت ناقابلِ انکار ہے۔ آنسو قلب میں گداز پیدا کرتا ہے۔ آنسو اس ٹوٹے ہوئے دل کی نشانی ہوتا ہے جو انسانیت کا سب سے بڑا سرمایہ ہوا کرتا ہے۔ آنسو ہمدردی کے جوہر پیدا کرتا ہے۔ آنسو خدا کی رحمت کو نزدیک لاتا ہے اور آنسو ان میں اثر پذیری کی وہ کیفیت پیدا کرتا ہے جو کسی تعلیم کو قبول کرنے کے لئے حد درجہ ضروری ہوا کرتی ہے حسینؑ کی یاد آنسوؤں کے ذریعہ منانے میں یہی مصلحت ہے کہ پگھلے ہوئے دل حسینؑ کی تعلیمات کو زیادہ آسانی سے قبول کر سکتے ہیں وہ ان تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ اثر لے سکتے ہیں اور آنسوؤں کے ذریعہ پیدا ہونے والی انفعالی کیفیت کے نتیجہ میں حسینی تعلیمات رونے والوں کی روح پر ایسے قیامت آفریں انداز میں نقش ہو جاتی ہیں کہ مرتے دم تک اُن کے اثرات ختم نہیں ہو سکتے یہ فن تعلیم کا سب سے اہم اور اثر آفریں نفسیاتی

اصول ہے اور حسینؑ کے ماننے والے مستحق مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اپنے رہنما کی تعلیمات کو زندہ رکھنے خود ان تعلیمات کا اثر قبول کرنے اور ان تعلیمات کو اپنے رگ و ریشہ میں جاری و ساری کر کے ان کے رنگ میں ڈوب جانے کے لئے وہ موثر ذریعہ اختیار کیا ہے جس کا نام آنسو ہے۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا ارشاد ہے کہ اے میرے مظلوم بیٹے کے غم میں رونے والوں جب تمہاری آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں تو ان کو میں اپنے رومال میں جمع کر لیتی ہوں اور روزِ قیامت ان آنسوؤں کی تمہاری شفاعت کے لئے پروردگار کے سامنے پیش کروں گی۔ دنیاوی حیثیت سے اس سیلابِ اشک کی قوت و سطوت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بنی امیہ کی ظالم سلطنت، بنی عباس کا جاہ جلال اور نامعلوم کتنی جابر و ظالم حکومتوں کا ایوانِ اقتدار ان عظیم آنسوؤں میں بہہ گیا۔ حسینؑ کا نام مٹانے والے مٹ گئے لیکن آنسوؤں کے ہر قطرے میں حسینؑ کے روضۂ اطہر کا عکسِ جمیل آج بھی صاف جھلکتا نظر آ رہا ہے یہ عزادار کا آنسو یہ حقِ طرف دار کا آنسو جس نے ہر دور کے یزیدیت کے قلعہ کو مسمار کر کے رکھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا آج رونے کو منع کرتی ہے اور اس مظلوم کی یاد منانے سے روکتی ہے دنیا والوں نے غمِ حسینؑ میں نکلنے والے آنسوؤں کا دوسرے تمام آلام میں انسانی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کا عملی مقابلہ سائنس کے ذریعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ آنسو جو حسینؑ کی یاد منانے میں انسانی آنکھوں سے نکلتے ہیں ان تمام آنسوؤں سے افضل و اعلیٰ ہیں جو دوسری دنیاوی تکلیفوں کے باعث نکلتے ہیں۔ کیونکہ یہ آنسو جسم انسانی کے سب سے بہترین خون کے جوہر سے بنتے ہیں۔

غمِ حسینؑ کی یاد میں کالے کپڑے پہننا

کالے کپڑے پہننا ظاہری طور پر سوگ کی نشانی ہے جو کہ دنیا میں قدیم زمانہ

سے رائج ہے اور ہمیشہ سے چلی آرہی ہے اور آج بھی ہر قوم اظہار غم کے لئے کالے کپڑے استعمال کرتی ہے۔ واقعہ کے کربلا کے بعد سادات نے کبھی اچھے اور خوش رنگ کپڑے نہیں پہنے سوائے کالے کپڑوں کے۔ دوسرے خدا کے پیارے نبیؐ کو بھی کالے کپڑے شروع سے پسند تھے جب ہی آپ کالی کملی پہنتے تھے۔ آپ کا پیارا نام بھی "کالی کملی والے" بھی ہے جب ہم کسی کو کالے کپڑے محرم الحرام کے مہینے پہنے دیکھتے ہیں تو فوراً حسینیؑ عزادار ذہن میں آجاتا ہے کالے کپڑے شیعیت کی نشانی بن گئے ہیں۔ کالے کپڑے پہنے والوں کو دنیا بڑی عقیدت سے دیکھتی ہے۔

تابوت بیاد اہلِ حرم و سیدالشہداؑ

تابوت حسینؑ سے محبت کرنے والوں کی سچی محبت اور عقیدت کا نشان ہے۔ تابوت اس جذبہ کے اظہار کے لئے اٹھایا جاتا ہے کہ اگر ہم کربلا میں موجود ہوتے تو حسینؑ کی نعش کو ہرگز تین دن تک بے گور و کفن نہ پڑا رہنے دیتے اور دنیا کے سب سے بڑے حق پرست مجاہد کی میت پورے اہتمام کے ساتھ اٹھاتے۔

دوسری طرف اس تابوت میں ایک گہری معنویت بھی ہے تابوت مظلومیت کی طاقت کا مظہر ہے۔ تابوت ہمیں سبق دیتا ہے کہ حق کی حمایت جارحانہ انداز اختیار کر کے نہیں ہوا کرتی بلکہ حق کی جنگ مظلومیت قربانی اور محبت کے دلوں ہی سے جیتی جاتی ہے۔ تابوت مظلومیت اور عدم تشدد کی نشانی ہے اور اس لحاظ سے ہماری سیرت کی تشکیل میں اس کی افادیت ناقابلِ انکار ہے کبھی یہ تابوت علیؑ کی شہادت کی طرف اشارہ کرتا ہے کبھی حسنؑ کے جنازہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے جنازے پر مسلمانوں نے تیر برسائے تھے کبھی حسینؑ مظلوم کی بے کفن لاش کی یاد دلاتا ہے اور کبھی سکینہؑ اور زینبؑ کی میت کو یاد کرواتا ہے۔

یہ منتی تابوت بہت زیادہ اٹھائے جاتے ہیں جو لوگ اپنی مرادوں کے پورا ہونے کے بعد اپنے گھر میں مجلسِ مظلوم کے بعد اٹھاتے ہیں۔

تعزیہ یا ضریح بیادِ مظلومِ کربلا

یہ تعزیے دراصل حضرت امام عالی مقام شہید کربلا حسین علیہ السلام کے روضہ کی شبیہہ ہیں اور انہیں دیکھ کر ہم معنوی اعتبار سے اس کربلا کی زیارت کر لیتے ہیں جہاں دنیائے حق پرستی کا سب سے بڑا اور سب سے عجیب مجاہد دائمی نیند سو رہا ہے۔

تعزیہ سے محبت پیدا ہو گی تو خود بخود کربلا سے محبت پیدا ہو گی۔ کربلا سے محبت پیدا ہو گی تو حسینؑ سے محبت پیدا ہو گی، حسینؑ سے محبت ہو گی تو حق سے صداقت سے انسانیت کی اعلیٰ قدروں سے شرافت سے ایمانداری سے اصول پسندی سے اور سچی خدا پرستی سے محبت ہو گی اور جس دل میں یہ محبتیں جمع ہو جائیں گی وہ دل واقعی ایک سچے انسان کا دل ہو گا۔ ایک بلند تر انسان کا دل ہو گا ایک کامل انسان کا دل ہو گا۔ اور اس پاک دل نیز اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بے مثل کردار کی تشکیل اس تعزیہ کے سبب سے ہو گی جسے ہم حسینؑ کی محبت میں دس محرم الحرام کو اٹھاتے ہیں یہ تعزیہ اپنے اپنے عقیدے اور رسم و رواج کے مطابق بنائے جاتے ہیں۔ یہ زیادہ تر کاغذ، گتہ، بانس کی تیلیوں سے بنائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ شکر، گیہوں کی بالی، شیشہ، ابرق، روئی اور مٹھائی وغیرہ کے تعزیے بناتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ ان تعزیوں کو ۸ محرم الحرام کی شب سے زیارت کے لئے رکھتے ہیں اور ۹ محرم کی شب اور دس محرم الحرام کے دن تمام وقت اس کی زیارت کراتے ہیں لوگ اپنی منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں جس کو پروردگار عالم ان ہی نیک اور پاک ہستیوں کے طفیل میں پورا کرتا ہے اس کے بعد ان تعزیوں کو شام کو یا صبح کے وقت مقامی رواج کے مطابق دفن کر دیا جاتا ہے۔

یہی تعزیے جب مستقل صورت اختیار کر لیتے ہیں مثلاً امام بارگاہوں میں لکڑی، چاندی اور سونے وغیرہ سے کربلا کی شبیہ بناتے ہیں تو ان کو ضریح کہا جاتا ہے اور یہ ضریح امام بارگاہوں میں ہمہ وقت زیارت کے لئے رہتی ہے۔ ہندوستان میں تعزیہ کی ابتداء امیر تیمور لنگ کے زمانے سے ہوئی۔ امیر تیمور اپنی ملکی انتظام کی مصروفیات کی وجہ سے ہر سال زیارت قبر حسینؑ کی کو نہیں جا سکتا تھا لہٰذا علماء سے مشورہ کے بعد روضہ امام عالی مقام کی شبیہ بنوائی جس کو وہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس کے بعد سے تعزیہ داری کا رواج عام ہو گیا۔

علم

یہ فوج خدا کا نشان ہے حضور سرورِ کائنات نے اس "علم" اسلام کو دینِ خدا کی سربلندی کے لئے کبھی حضرت امیر حمزہ کو عطا کیا۔ کبھی حضرت جعفر طیار نے اٹھایا لیکن زیادہ تر اس کو مولائے کائنات حضرت علیؑ نے دشمنان اسلام کے مقابلہ میں بلند کیا۔ فتح خیبر کے موقعہ پر رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ کو یہ علم یہ کہہ کر عطا کیا کہ "کل یہ علم اس کو دوں گا جو مرد ہو گا کرار غیر فرار ہو گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہو گا اور اللہ اور اس کے رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہوں گے"۔

بعد ختمی مرتبت جب دشمنانِ اسلام یزید ملعون نے اسلام کی شکل کو مسخ کرنا چاہا تو اولاد علیؑ پھر سامنے آگئی اور علم اسلام کو پھر حق پرستوں کے میر قافلہ حضرت امام حسین علیہ اسلام نواسہ رسول نے کی جانب سے حضرت عباسؑ کو سونپا گیا۔ وہ علم جو حق کا نشان تھا۔ انسانیت کا نشان تھا۔ شرافت اور خدا پرستی کا نشان تھا اور جو ہمیں آج بھی یہ فرض یاد دلاتا ہے کہ حق کا پرچم ہمیشہ بلند رکھنا چاہیئے۔ اگر دونوں بازو بھی کٹ جائیں تب بھی دانتوں سے دبا کے اور سینہ سے چمٹا کے بلند رکھنا چاہیے اور اور اس وقت تک اسے سرنگوں نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ جب تک کہ جسم سے خون کا آخری قطرہ بھی نہ بہہ جائے یہ علم ایک حق پسند دنیا کے سامنے عباس کی لافانی شجاعت

کی مثال پیش کر کے اسے حق کا پرچم بلند رکھنے کی دعوت دیتا ہے اور اس طرح انسانیت کے اعلیٰ تر جذبات کو پوری شدت سے اُبھارتا ہے جن کے ابھارے جانے اور دلیرانہ طریقہ پر ابھارے جانے پر ہی نسلِ انسانی کی حقیقی ذہنی مادی اور روحانی ترقی کا انحصار ہے یہ علم قیامت تک کے لئے حضرت عباس علیہ السلام سے اس طرح منسوب ہو کر رہ گیا کہ بغیر حضرت عباسؑ کا نام لئے علم کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ علم اور عباسؑ لازم و ملزوم ہیں شیعہ حضرات اس علم کو منت کے طور پر اٹھاتے ہیں ہر امام بارگاہ میں اس علم کو ضرور نصب کرتے ہیں۔

مشک سکینہ

علم حضرت عباس علیہ السلام کے ساتھ اگر مشک سکینہ کا تذکرہ نہ کیا جائے تو علم کی تاریخ ادھوری رہ جائے گی۔ علم کے سرے پر ایک چھوٹی سی مشک کی شبیہ ضرور لگی ہوتی ہے یہ اس واقعہ کی یاد دلاتی ہے۔ کہ میدانِ کربلا میں تمام جاں نثارانِ حسینؑ نے اپنی جانیں امام حسین علیہ السلام پر قربان کر دیں لیکن حضرت عباسؑ کو اذنِ جنگ نہ ملا تو انہوں نے اذن وغا حاصل کرنے کے لئے حضرت سکینہ کو ذریعہ سفارش بنایا۔ حضرت سکینہ نے خیام حسینی کے تمام بچوں کی پیاس بجھانے کے لئے اپنے پیارے چچا ابوالفضل العباسؑ کو ایک سوکھی ہوئی مشک دیکر پانی لانے کے لئے کہا اور اپنے پیارے اباجان سے چچا کو میدانِ جنگ میں پانی لانے کی سفارش کی۔ امام حسینؑ نے اپنے بھائی کو صرف پانی لانے کی اجازت دے کر میدانِ جنگ میں بھیجا یہ صرف اس وجہ سے کہ اگر حضرت عباسؑ کو لڑنے کی اجازت دے دیتے تو کربلا کی جنگ کا نقشہ ہی بدل جاتا۔ لیکن چونکہ امام عالی مقام کا مقصد ظاہری فتح نہ تھا۔ بلکہ مظلومی کے ساتھ شہادت پانا تھا اس وجہ سے آپ نے ایک ساتھ ہاتھ میں علم اور مشک دی۔ حضرت عباس علیہ السلام نے دریا کا رُخ کیا اور وہاں پہرہ پر معین فوج کو بھگا کر دریا سے مشک کو بھرا لیکن خود پانی نہ پیا حتیٰ

کہ ان کے گھوڑے نے بھی پانی نہ پیا۔ مشک بھر کر جب آپ خیام حسینیؑ کیطرف واپس چلے تھے تو دشمنوں نے دھوکے سے حملہ کر دیا پہلے آپ کے دونوں ہاتھوں کو قطع کر دیا۔ آپ نے مشک کو دانتوں سے دبا کر پانی خیام حسینیؑ تک پہنچانے کی کوشش کی۔ لیکن ایک ملعون نے ایک تیر اس مشک پر ایسا مارا کہ سارا پانی بہہ گیا اور ساتھ ہی ساتھ ایک ظالم نے آپ کے سر پر گرز مارا۔ آپؑ گھوڑے سے نیچے تشریف لے آئے۔ یہ مشک چمڑے کی چھوٹی سی ہوتی ہے بعض لوگ چاندی کی اور بعض لوگ کپڑے کی مشک بنا کر اس کے اندر ایک تیر لگا دیتے ہیں۔ اس کو علم کے پنجہ کے نیچے پٹکے کے اوپر لٹکا دیتے ہیں ۸ محرم الحرام کو ہر امام بارگاہ میں حضرت عباس کا علم مشک سکینہ کے ساتھ ان کی یاد تازہ کرنے کے لئے اور اپنی منت و مراد پوری ہونے پر اٹھاتے ہیں۔

بہشتی بنانا

۸ محرم الحرام کو لوگ سقائے سکینہ کی یاد میں بہشتی بنتے ہیں اور شربت پر نذر کر کے معصوم بچوں کو پلاتے ہیں یہ بھی اظہار عقیدت کا ایک جذبہ ہے۔ اور لوگ منتی بہشتی بنتے ہیں۔

جھولا

جھولا کربلا کے سب سے چھوٹے شہید جناب علی اصغرؑ کی یاد میں اٹھایا جاتا ہے علی اصغرؑ کا جھولا فداکاری کی معراج کا مظہر ہے یہ ننھا منا جھولا ہمیں حق کے اس سب سے تابناک۔ سب سے چمکدار اور سب سے قیمتی ننھے سے موتی کی یاد دلاتا ہے جس نے واقعہ کربلا کو پورے آب و رنگ سے سنوار کے اس میں معصومیت اور پاکیزگی کی روح دوڑا دی ہے جھولا اٹھانے والے تاریخ حق پرستی کے سب سے کمسن لیکن سب سے زیادہ اثر آفرین مجاہد کی یاد

تازہ کرکے نسلِ انسانی کو یہ درس دیتے ہیں کہ حق کی خاطر چھ۶ ماہ کے بچے کو بھی تیروں کے سامنے پیش کر دینے سے گریز نہیں کرنا چاہیئے اور اگر مذہب انسانیت اور صداقت کی راہ میں اتنی عظیم قربانی بھی طلب کی جائے جتنی کہ علی اصغرؑ کی شہادت تھی تو اسے بھی مردانہ وار پیش کر کے انسانیت کے مردہ جسم میں زندگی اور تازگی پیدا کر دینے پر ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔ علی اصغرؑ کی بے بسی نے دنیا کے ہزاروں انسانوں میں حق پر مر مٹنے کی قوت ابھار دی۔ چونکہ اس کی کملائی ہوئی صورت حق کی فتح دائمی کی نشانی بن گئی اور چونکہ اس کی بے گناہ موت نے جہادِ حق کو ایک لازوال نور ایک ابدی رنگ، ایک سرمدی نغمہ ایک تابندگی ایک قیامت خیز اثر آفرینی اور ایک حیرت انگیز تاثر عطا کر دیا۔ اس لئے نسلِ انسانی اس بچہ کو عزیز رکھتی ہے اس کی یادگار رمناتی ہے اور جھولا نکال کے یہ اعلان کرتی ہے کہ عزت شہرت عظمت اور ابدیت صرف جوانوں اور بوڑھوں کی املاک خصوصی نہیں چھ۶ ماہ کا بچہ بھی حق کے کام آجائے تو ابدی عزت و عظمت اس کے قدم چومنے پر مجبور ہو جائے گی۔

جو شخص جھولے کی مخالفت کرتا ہے وہ دراصل انسانی عظمت کا منکر ہے وہ اس عظمتِ انسانی سے انکار کرتا ہے کہ چھ۶ ماہ کے بچہ میں بھی وہ صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں جو اگر ظاہر ہو جائیں تو ساری کائنات بھی اس کے سامنے سربسجود نظر آئے۔ علی اصغرؑ کے جھولے کی نمائش ہم میں انسان اور اس کی عظیم صلاحیتوں پر اعتماد پیدا کرتی ہے ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک چھ۶ ماہ کا بچہ بھی آفتاب سے زیادہ درخشندگی اور آسمانوں کی بلندی سے زیادہ عظمت کا مالک ہوتا ہے۔ ایک طاقتور جوان ہی اشرف المخلوقات کے لقب کا مالک نہیں ہوتا۔ انسان کا بچہ اس عظمت کا مالک ہوتا ہے کہ کائنات اس کے شرف و منزلت کے مقابلہ میں ہیچ ہوا کرتی ہے۔ ایسی حالت میں علی اصغرؑ کا جھولا عظمتِ انسانی کا نشان ہے۔ انسان کے مسجود ملائکہ قرار

دینے جانے کا ثبوت ہے۔ کائنات کی دوسری چیزوں پر ان کی فضیلت کا اعلان ہے اور ہم یہ جھولا نکال کے ہر سال انسان کو اس کے اس حقیقی عزّ و شرف کی یاد تازہ کرایا کرتے ہیں۔ جسے وہ اغوائے شیطانی کے نتیجہ میں بھول چکا ہے۔ ہم یاد دلاتے ہیں کہ جوانی اور قوت کے زمانہ میں ہی نہیں آغوشِ مادر میں بھی وہ علی اصغرؑ کی سی عظمت کا مالک ہوا کرتا ہے۔ اور اگر وہ حق کا ساتھ دیتا رہے تو کائنات ہمیشہ اس کے سامنے سر جھکائے رہنے پر مجبور ہے۔ یہ ایک عظیم درس ہے۔ انسانی عظمت و رفعت کا ایک پیغام ہے نسلِ انسانی کی سربلندی کا اور جھولا اسی درس کی ایک خاموش نشانی ہے اس ننھی سی شہادت نے آج اس ترقیاتی دنیا کو حسینؑ کی مظلومی اور حق پرستی کو سچا ثابت کر دیا اور یزید ملعون کے ظلم اور بدنیتی کو اجاگر کر دیا۔

ذوالجناح

ذوالجناح اس کو عام زبان میں "دلدل" بھی کہتے ہیں یہ مظلوم کربلا سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام نواسۂ رسولؐ کی شبیہ ہے۔ اس گھوڑے کی شبیہ جس نے جانور ہونے کے باوجود حق پرستوں کا ساتھ دیا اور ان باطل پرست انسانوں کے لئے ایک مثال چھوڑ گیا جو محض عارضی مفادات کی خاطر شیطان کے حضور اپنی پیشانیاں خم کر دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ ذوالجناح کی شبیہ اس لئے نکالی جاتی ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ حق کا ساتھ دینے والا جانور بھی امر ہو جاتا ہے اس کا نام بھی ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور لاکھوں انسان اس سے محبت کرنے پر مجبور ہوا کرتے ہیں۔ اور عین اس وقت جب کہ باطل کے پرستار شمر ابن زیاد اور یزید ملعون انسان ہونے کے باوجود ذلت و خواری کا شکار ہوتے ہیں۔ ایک جانور کی محض اس لئے عزت کی جاتی ہے کہ وہ معرکہ حق و باطل میں حق پرستوں کی صف میں نظر آ رہا تھا! یہ چیز بجائے خود انسان کے جذبات حق

پرستی و فدا کاری کو ابھارنے میں بے حد معاون ہوتی ہے کیوں کہ جب بھی ہم ذوالجناح کی شبیہ کا احترام ہوتے دیکھتے ہیں تو یہ زندہ اور اعلیٰ مثال ہمارے دلوں میں بھی یہ خواہش پیدا کر دیتی ہے کہ کاش ہم بھی حق کے فدائیوں میں ہوتے تو ہماری بھی ایسی ہی تکریم اور ایسی ہی عزت کی جاتی جیسی کہ اس بے زبان کی کی جاتی ہے۔

سیرت تشکیل کا اس سے زیادہ موثر حربہ اور کیا ممکن ہوسکتا ہے ظالموں نے اس کے سوار کی طرح اس کے جسم کو بھی تیروں نیزوں اور تلواروں سے زخمی کر دیا تھا۔ تاریخ اعثم کوفی میں لکھا ہے کہ بعد شہادت یہ گھوڑا امام حسینؑ کے جسم اطہر کے گرد چکر لگاتا تھا۔ لاش کو چومتا تھا اپنا ماتھا زمین پر ملتا اور قدر زور سے ہنہناتا تھا۔ کہ تمام جنگل گونج اٹھا اپنی پیشانی کو خونِ حسینؑ میں رنگین کیا اور حرم کے خیمہ کی طرف گیا اور بار بار اس دردناک آواز سے ہنہنانا شروع کیا کہ تمام اہل حرم کو معلوم ہو گیا کہ مولا حسینؑ شہید ہو گئے ہیں جس کی خبر یہ لے کر آیا ہے۔ حرموں میں اس خبر سے قیامت برپا ہو گئی پھر میدانِ جہاد میں آیا جسم شریف کے پاس پہنچا قدموں پر اپنا ماتھا ملنے لگا۔ پھر اپنی تھوتھنی اور پیشانی اس قدر زمین پر ماری کہ جان فدا کر دی چونکہ یہ گھوڑا رسولِ خداؐ کے گھوڑوں میں سے تھا۔ عمر سعد کی فوج نے زندہ پکڑنا چاہا مگر اس نے دولتیاں جھاڑنا اور منہ سے کاٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ۲۶ سوار مار گرائے اور ۹ گھوڑے ہلاک کر دیئے۔ تحفظِ اسلام کے لئے جس جاندار نے ایسا بے مثل کارنامہ کیا ہو اس کی یادگار کیوں نہ منائی جائے۔ کیا احسان کا بدلہ احسان نہیں ہوتا۔

ذوالجناح زندہ ہے جب تک حسینؑ کا نام زندہ ہے اپنے راکب کی بدولت وہ بھی ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور اس کی یادگار ہمیشہ قائم رہے گی۔

زنجیر اور قمہ کا ماتم

کربلا میں خاندانِ رسالت پر جو مظالم طاغوتی طاقتوں نے ڈھائے اور جو مصائب اہلِ بیتِ رسول نے ان ملعونوں کے ہاتھوں اٹھائے ان کو سنکر اہلِ بیت کے ماننے والوں پر ایک عجیب حد درجہ رنج و غم کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور کربلا کا وہ خونی منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے جس میں مسلمان نما کافروں نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے نبی کے نواسہ اور ان کی آل کو تیروں نیزوں اور تلواروں سے بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا تھا۔ اس کیفیت میں لوگ اپنے ہاتھوں میں زنجیریں لے کر اپنے سینوں اور پیٹ میں مارنے لگتے ہیں جیسے آخر میں تیز چاقو لگا ہوتا ہے یہاں تک کے جسم سے خون جاری ہونے لگ جاتا ہے یہاں تک کے جسم پر بڑے بڑے زخم نمایاں ہو جاتے ہیں۔ یہی کیفیت جب اپنے عروج پر پہنچتی ہے تو ہاتھوں میں تلواریں لے کر اپنے سر کو زخمی کرنے لگتے ہیں۔

زنجیر اور قمہ کا ماتم کرنے والے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر ہم کربلا میں ہوتے تو اپنی جان امام حسین علیہ السلام پر نثار کر دیتے اور جس طرح اصحاب حسینؑ نے خنجر تلوار اور تیروں کے زخم کھائے تھے۔ اور اپنی جانوں کو امام عالی مقام کے قدموں پر نثار کر دیا تھا یہ اسی وفاداری کی یاد ہے جو ماتمی ہر سال مناتے اور اپنی اس عبادت سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اگر ہم کربلا میں ہوتے تو آپ کے اصحاب کی طرح ہم تیر، تلوار اور نیزے کھانے سے کبھی پیچھے نہ رہتے اور آپ کی نصرت میں پیش پیش رہتے۔ یہ حسینؑ کی سچائی صداقت اور حق پر ہونے کی مستحکم دلیل ہے کہ ان کا نام لے کر ان ہتھیاروں سے ماتم کرنے والوں کے جسم پر جو زخم آتے ہیں وہ بالکل تکلیف نہیں دیتے خون کے نکل جانے سے کسی قسم کی کوئی تکلیف یا کمزوری نہیں محسوس کرتے

اور دو تین دن میں بڑے سے بڑے زخم میں صحت ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر ہر قسم کی سائنس فیل ہو جاتی ہے۔

آگ کا ماتم

جب کوئی انسان اللہ اور اس کے رسول اور اہل بیت رسول کے برحق ہونے کی یقین کی اس منزل پر پہنچتا ہے کہ اسے کسی شک و شبہہ کا شائبہ تک نہ رہے تو وہ آگ کے دہکتے ہوئے انگاروں پر برہنہ پا ماتم کرتے ہوئے گذر جاتا ہے اور آگ جس کا کام جلانا ہے وہ بالکل اثر نہیں کرتی جس طرح تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نارنمرود نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ کیونکہ وہ حق پر تھے۔ اس ہی طرح حسینؑ یزید ملعون کے مقابلہ میں حق پر تھے کہ ان کے ماننے والے حسینؑ حسینؑ کرتے ہوئے بڑے آرام سے آگ کے اس میدان سے گذر جاتے ہیں۔ آگ کا ماتم ایک عجیب واقعہ کی یاد بھی تازہ کراتا ہے جو بعد شہادت حضرت حسینؑ یزیدی ملعونوں نے خیام اہل بیت کو آگ سے جلا کر اپنی بربریت اور ظلم کی انتہا کا ثبوت دیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچے، بیبیاں اس آگ سے جل گئیں تھیں اب یہ ان کے ماننے والے ہر سال ان کی اس ہی طرح یاد مناتے ہیں کہ آگ روشن کر کے اس کے اوپر بڑے آرام سے حسینؑ حسینؑ کرتے رہتے ہیں یہ بھی حسینؑ کی حق پرستی اور سچائی کی دلیل ہے۔

طوق و بیڑی

محرم الحرام کے مہینہ میں اکثر لوگ گلے میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں پہنتے ہیں یہ اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے اور ہمارے چوتھے امام حضرت زین العابدینؑ کو یزیدی فوج نے

بیماری کی حالت میں بعدِ شہادت حضرت سید الشہداؑ گلے میں طوقِ خاردار اور پاؤں سے بیڑیاں پہنا کر کوفہ کے بازاروں میں اور شام کے درباروں میں مخدراتِ عصمت کو برہنہ پشت اونٹوں پر بیٹھا کر اور سید سجادؑ کو اس حالت میں ساربانی کرتے ہوئے لے جایا گیا تھا۔ یہ کام یزیدؒ نے امامؑ کو ذلیل کرنے کے لئے کیا تھا۔ لیکن یہ ان کی سچائی اور حق پرستی کی دلیل ہے کہ بعد شہادت لوگ خوشی خوشی منتیں مانتے ہیں کہ میری فلاں منت پوری ہو جائے گی تو میں اپنے بچوں کو طوق اور بیڑیاں پہنوادوں گا بعض لوگ تو تمام عمر بیڑیاں اور طوق پہنتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

کلاوہ

محرم الحرام کے مہینے میں محبانِ اہلِ بیت اپنے اور اپنے بچوں کے گلے میں لال رنگ کا دھاگہ پہنتے ہیں یہ اس واقعہ کی یاد دلاتا ہے کہ جب اہلِ حرم رسالت کو اسیر کرتے ہوئے ان کے گلے ایک رسی سے اتنی سختی سے فوجِ یزید نے باندھے تھے کہ ان کے گلے اس رسی سے چھل گئے اور ان سے خون نکلنے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس یاد کو ہمیشہ تازہ رکھتے ہیں اور اہلِ حرم کی تاسی کرتے ہوئے گلے میں کلاوہ پہنتے ہیں اور اپنے بچوں کو پہناتے ہیں۔ بعض لوگ منت کے طور پر بھی اس کو پہنتے ہیں۔

مہندی بیادِ جنابِ قاسم

اہلِ ہند و پاکستان میں شادی کے موقعہ پر دولہا دلہن کے ہاتھوں اور پیروں میں مہندی لگا کر سرخ کرتے ہیں مگر کربلا میں حضرت امام حسنؑ کے بڑے صاحب زادے حضرت قاسم حسن کی شادی امام حسین علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی جناب فاطمہ کبرا سے شب عاشور طے کردی مہندی کے بجائے جنابِ قاسم کے ہاتھ اور پیر فوجِ یزید نے خون سے

رنگ دیئے۔ ۷ محرم الحرام کے دن ہر شیعہ گھر میں جہاں عزاداری ہوتی ہے اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ایک سینی میں مہندی سجائی جاتی ہے۔ ہر قسم کے پھل تازے مٹھائی اور میوہ رکھا جاتا ہے لوگ خصوصاً عورتیں منت زیادہ مانگتی ہیں اور اس مہندی کے آگے سے پھل اٹھاتی ہیں۔ منت پوری ہونے کے بعد چاندی کا پھل اس مہندی پر چڑھاتی ہیں۔

حاضری حضرت عباسؑ علمبردار

یہ ایک مخصوص نذر ہے۔ جو حضرت عباسؑ علمبردار جلالی کے نام سے منسوب ہے اور ۸ محرم الحرام کو کھلائی جاتی ہے اس حاضری کی بھی تاریخ عجیب ہے۔ جو اپنے اندر ایک تبلیغی پہلو لئے ہوئے ہے واقعہ کربلا کے بعد بنی امیہ اور بنی عباس کے آلِ رسول اور ان کے ماننے والوں پر زمین تنگ کردی تھی یہ لوگ کھل کر نہ اہلِ رسول کی مداح کر سکتے تھے اور نہ ان کے غم میں آنسو بہا سکتے تھے۔

جوں جوں زمانہ گذرتا گیا وہ لوگوں کے دل میں غم حسینؑ کو عام کرنے کے لئے جذبہ پیدا ہوتا گیا اور نئے نئے طریقے آتے گئے۔ بادشاہ وقت کی طرف سے اتنی سختی تھی کہ مومنین حضرات ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے تھے۔ اور نہ کوئی بات کر سکتے تھے۔ پھر لوگوں نے ایک راستہ حضرت عباس علمبردار کے نام سے ترویج عزاء کے لئے نکالا۔ وہ تھا حاضری کا۔ لوگ سال بھر تبلیغ کے لئے ممالک غیر اور مختلف شہروں کو نکل جاتے تھے وہاں جاکر اپنے ہم خیال لوگوں کو تیار کرتے تھے اور حسینؑ کی مظلومیت کو عام کرتے تھے۔ پھر سال کے بعد اپنی اپنی کارگردگی کو ۸ محرم الحرام کے دن پہلے سے طے شدہ جگہ پر جمع ہو جاتے تھے۔ یہاں پر پہلے یہ لوگ ایک مخصوص قسم کی عبادت کرتے تھے جو آج کل بھی جاری ہے یہ عبادت ہی مذہب شیعہ کی دلیل ہے اس کے بعد

حضرت عباسؑ کی قسم کھاتے تھے پھر کھانا جو اس وقت کے مطابق ہوتا تھا کھاتے تھے پھر قسم کھا کر اپنے اپنے مشن پر دوسرے سال کے لئے نکل جاتے تھے اسطرح اس نذر کی بنیاد پڑی۔ لوگوں نے آہستہ آہستہ اسکو اتنا مقبول بنا لیا کہ ہر قسم کی منتیں ماننے لگے جو حضرت عباسؑ کے صدقے سے پوری ہونے لگی اور یہ حاضری عام ہو گئی

سبیل حسینؑ و لنگر حسینؑ

کربلا کے میدان میں حسینؑ اور اصحاب حسینؑ اور خاندان رسالت کے افراد کو فوج یزید نے جس طرح پانی اور کھانا بند کر کے انہیں بھوکا پیاسا شہید کیا تھا اس کی یاد تازہ کرنے کے لئے ہر سال محرم میں پانی و شربت کی سبیلیں اور کھانے وغیرہ کے تبرک تقسیم کئے جاتے ہیں سبیلوں پر یہ شعر تحریر ہوتا ہے

پانی پیو تو یاد کرو پیاس امام کی   پیاسوں سبیل ہے یہ شہیدوں کے نام کی

غرض کہ شہدائے کربلا کی نسبت سے جو بھی مراسم عزا مروج ہیں ان کی کوئی نہ کوئی توجیہ ضرور ہوتی ہے اور یہ ذکر حسینؑ مختلف طریقوں سے دنیا بھر میں ہر جگہ ہوتا ہے۔ اس ذکر کو ساڑھے تیرہ سو سال سے اللہ نے باقی رکھا ہے اور یہ بھی ایک معجزہ ہے جس طرح قرآن کی تلاوت سے کبھی جی نہیں بھرتا اسی طرح ذکر اہل بیت کی تازگی مسلسل قائم ہے۔ اس ذکر کو مٹانے کی جتنی کوشش مخالفین کی جانب سے کی جاتی ہے اتنا ہی یہ ذکر اہل بیت زیادہ ہوتا ہے۔ جہاں کہیں اور جب بھی مجلس عزائے حسینؑ برپا ہوتی ہے۔ سامعین پر قدرتی طور سے رقت طاری ہو جاتی ہے۔ سبیل حسینؑ اور لنگر حسینؑ دونوں جذبے عقیدت کی نشانی ہیں اور نیچے اس کو قائم کئے ہوئے ہیں کیوں کہ کربلا میں سب سے زیادہ بھوک اور پیاس بچوں کو تھی۔

مجلس شام غریباں
کی
وجہ تسمیہ اور تاریخ انعقاد

بقول سرکار مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ (مرحوم) عرف کبن صاحب قبلہ (جن کا میں غلام ہوں) اس مشہور مجلس کا سبب انعقاد یہ ہوا کہ ۱۹۲۰ء میں جب کہ انہدام قبور "جنت البقیع" اور مظالم ابن سعود حاکم نجد کے خلاف ہندوستان بھر میں مظاہرات ہو رہے تھے اسی زمانے میں چند اعراب ہجرت کر کے لکھنؤ میں وارد ہوئے۔ اور ظاہر کیا کہ وہ مکہ معظمہ کے باشندے ہیں۔ اور خاندان شریف مکہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ابن سعود کے جبر و ظلم سے خائف ہو کے ہندوستان چلے آئے ہیں۔ شعیان لکھنؤ نے ان مومنین کو حسنیہ غفران مآب میں مقیم کر کے ان کے مایحتاج کا معقول انتظام کر دیا۔ دس محرم الحرام کو وقت عصر گزر جانے کے بعد وہ اعراب کچھ مومنین اور جناب مولوی شبن صاحب امام بارگاہ میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے شبن صاحب نے بغیر ارادہ خاص یہ تجویز پیش کی کہ آج یوم حزن ہے ہم سب تو بیٹھے ہی ہیں۔ کچھ ذکر اسیران اہلبیتؑ اظہار ہی ہو جائے تو داخل حسنات ہوں سب حضرات نے تائید کی اور مولوی کلن صاحب (ابن میر آغا صاحب علی اللہ مقامہ) نے قافلہ اسیران کربلا کے جانب شام کو کوچ کرنے کا ذکر کیا۔

سامعین بیتاب ہو گئے۔ دوسرے سال بھی رسمی طور سے یہی صورت عمل میں آئی اور مولوی للن صاحب اور مولوی کبن صاحب قبلہ زیب منبر

ہوئے۔ لیکن تیسرے سال ۱۹۲۲ میں ان نوجوان دماغوں نے اس مجلس کی اہمیت کا احساس کیا اور پہلے سے انتظامات شروع کر دیئے اور اس مجلس کا نام

"مجلسِ شامِ غریباں" تجویز کر دیا۔ اور مولوی سید کلب حسین صاحب قبلہ (مرحوم) سے وعدہ لے کر اعلان عام کر دیا

پھر کیا تھا حضرت سید کلب حسین صاحب نے مجلس پڑھی اور خوب پڑھی یہاں تک کہ یہ مجلس اطرافِ ہند میں مشہور ہو کے قابلِ اتباع ٹھہری یہ ہے اس مشہور مجلس کی تاریخ ابتداء۔

یہ مجلس اب تقریباً ہر بڑے امام بارگاہ میں منعقد ہوتی ہے جب تک جناب سید کلب حسین صاحب قبلہ زندہ رہے ہر سال اس مشہور مجلس کو پڑھتے رہے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد پاکستان سے یہ مجلس بڑے امام بارگاہ کھارادر میں ہوتی تھی۔ جس کو علامہ رشید ترابی صاحب قبلہ پڑھا کرتے تھے اب یہ مجلس ان کے صاحب زادہ جناب علامہ عقیل ترابی صاحب امام بارگاہ حسینیہ سجادیہ نارتھ ناظم آباد جس کو اظہر سجاد صاحب نے قائم کیا ہے۔ وہاں پڑھتے ہیں۔ جب سے پاکستان میں ٹی، وی پروگرام شروع ہوئے ہیں اس میں بھی یہ اہم مجلس دس محرم الحرام کو نشر کی جاتی ہے جس کو آج کل علامہ مفتی سید نصیر الاجتہادی صاحب قبلہ و کعبہ پڑھتے ہیں۔

بھارت اور پاکستان میں یہ مجلس قومی پروگرام کے طور پر ریڈیو اور ٹی، وی، سے نشر کی جاتی ہیں۔ شہر میں لوگ سارے دن ماتمی جلوس علم و ذوالجناح تابوت سید شہدا اور تعزیہ کو مخصوص مقامات پر ختم کرنے کے بعد ننگے پیر ننگے سر ان امام بارگاہوں میں جمع ہونے لگ جاتے ہیں جہاں یہ مجلس منعقد ہوتی ہیں۔ تمام شرکاء مجلس بغیر فرش کی زمین میں بغیر روشنی کی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ ذاکرین حضرات اپنے مخصوص انداز میں شہادت امام عالی مقام کے بعد جو کچھ ان کی عصمت و طہارت کے ساتھ فوج یزید

نے مظالم کئے اس کو پیش کرتے ہیں کہ محمد مصطفٰے پیغمبر خدا کے اہلبیتؑ کے ساتھ جو ظلم ہوا اس کو بیان کیا جاتا ہے۔ ایک عجیب منظر ہوتا ہے۔ تمام واقعات آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ اس قدر گریہ وزاری ہوتی ہے کہ یہ منظر دیکھا نہیں جا سکتا۔ مجلس کے فوراً بعد کچھ تبرکات کی نشانیاں پیش کی جاتی ہیں جن کو جناب حر کی زوجہ نے بعد شہادت تمام خیام کے لٹنے کے اور جلنے کے بعد جناب زینبؑ کی خدمت میں فوج یزید کے کہنے پر لے کر آئیں تھیں۔ کچھ برتنوں میں روٹیاں اور کچھ برتنوں میں تھوڑا سا پانی۔ جب یہ نشانیاں اُسی تصور کے ساتھ بعد ختم مجلس دکھائی جاتی ہیں جن کو لوگ اپنے سروں پر اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر سخت سے سخت دل بھی آنسو بہانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

چُپ تعزیہ کی وجہِ تسمیہ

نواب آغا علی خاں مرحوم و مغفور پدرِ بزرگوار نواب اغنؔ صاحب مرحوم ۱۸۵۷ء میں بجرمِ بغاوت ماخوذ ہوئے۔ اسی دوران محرّم الحرام کا چاند نظر آیا اور لکھنؤ سیاہ پوش ہوگیا، فضا میں ہائے حسینؑ ہائے حسینؑ کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔ مستورات نے دہم محرّم الحرام کو اپنے عزاخانے میں تعزیہ ٹھنڈا نہیں کرایا۔ گویا دربارِ شہنشاہِ کربلا میں صاحبِ خانہ کی گرفتاری پر درپردہ خاموش احتجاج کیا۔ مولائے دوجہاں سیّد الشہدا علیہ السّلام کے اعجاز و برکت سے نواب صاحب ۶ ربیع الاول کو رہا کردیئے گئے۔ صرف دو روز ایامِ عزا کے باقی رہ گئے تھے، اور اہتمامِ جلوس کے لیے وقت درکار تھا۔ آپ نے اپنے متعلقین سے کہا کہ اب کے سال تعزیہ چُپ چُپاتے اٹھادیں۔ آئندہ سال دیکھا جائے گا۔ اب آٹھویں ربیع الاوّل کو تعزیہ جو اُٹھا تو اس خاموش مظاہرے نے شیعیانِ لکھنؤ میں ایک عجیب حزن و ملال کا سماں پیدا کردیا۔

غدر کی تباہ کاریاں، خاندانوں کی بربادیاں، برجیس قدر بہادر کی شکست، شان و شوکت کا خاتمہ، عزائے غریبِ نینوا کا تاسف، ایّامِ عزا کا آخری دن اور پھر صاحبِ تعزیہ کا تعزیے کے آگے آگے اپنی مجبوری اور عدمِ اہتمام پر روتے ہوئے چلنا۔ سب سے زیادہ حسینؑ مظلوم کی یاد۔ ان سب باتوں نے مل کر عزادارانِ شہیدِ کربلاؑ کے دلوں میں حزن و ملال کی بجلیاں دوڑادیں اور ایک دوسرے کو دیکھ کر بے اختیار ڈاڑھیں مار مار کے رونے لگے۔ اس طرح شاہراہِ عام سے جو تعزیہ گذرا تو ہر طرف خود بخود حُزنِ خاموش پھیلنے لگا۔ آگے آگے نقیب کی یہ آواز: ؎

سواری ہے غریبِ نینوا کی سواری ہے شہیدِ کربلا کی

اس وقت سے آج تک یہ تعزیہ اسی طرح اٹھ رہا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء سے جناب نواب احسن لکھنوی انجمنِ امامیہ کے تعاون سے کراچی میں "چُپ تعزیہ" اٹھا رہے ہیں۔

۞

آگ پر ماتم کب اور کیونکر شروع ہوا!

ایک زندہ معجزہ جو حسینؑ کی حقانیت کی زندہ دلیل ہے!

یہ روداد سید دبیر حسین صاحب دبیر رضوی ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس نے ارسال فرمائی تھی اور رسالہ پیام عمل لاہور اگست [illegible]ء میں شائع ہوئی تھی۔ (وصی خان)

دوسری جنگ عظیم کے دوران جب برما پر جاپانیوں کی بمباری شروع ہوئی تو وہاں کے چند شیعہ مہاجرین لکھنؤ آکر قیام پذیر ہو گئے۔ محرم کے قریب ان لوگوں نے مقامی علماء سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہم لوگ برما میں ۱۰ محرم کو آگ پر ماتم کیا کرتے تھے چاہتے ہیں کہ اس رسم عقیدت کو یہاں پر بھی برقرار رکھیں۔ اس ماتم کا پس منظر ان لوگوں نے یہ بتایا کہ ہم لوگ رنگون میں سینکڑوں برس سے عزاداری کرتے چلے آرہے ہیں اب سے بہت عرصہ قبل رنگون کے حاکم نے کسی وجہ سے شہر میں جلوس عزا نکالنے کی ممانعت کر دی۔ رنگون کے لوگوں نے اس بارے میں احتجاج بھی کیا، فریاد بھی کی مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی آخر ان لوگوں نے اعلان کر دیا کہ ممانعت کے باوجود اس سال بھی محرم کا جلوس نکلے گا یہ اعلان سنکر حاکم نے حکم دے دیا کہ امام باڑے کے راستہ میں جہاں یہ جلوس پہنچنے والے تھے دہکتی آگ کے انگارے بچھا دیئے جائیں۔ حکم کی دیر تھی انگارے پورے راستے پر بچھا دیئے گئے۔ ماتم داروں نے دہکتے انگاروں کو دیکھا۔ ایک لمحہ کے لئے رکے اور پھر حسینؑ کا نام لے کر ان ہی انگاروں پر ماتم کرتے ہوئے امام باڑے میں داخل ہو گئے۔ وراثت ابراہیم کے ماتم داروں کے لئے آگ کے انگارے پھولوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ پیروں کا جلنا کیسا؟ کسی کے داغ بھی نہیں لگا تھا۔

مہاجرین برما نے بتایا کہ اسی سال سے ہم لوگوں نے ہمیشہ محرم میں آگ پر ماتم کرنے کو اپنا شعار بنالیا اور اسی شعار کو ہم لوگ لکھنؤ میں بھی برتنا چاہتے ہیں لکھنؤ والوں کے لئے چونکہ یہ ایک بالکل نئی چیز تھی لہٰذا اجازت میں قدرے تذبذب تھا مگر ان لوگوں کے جوش کو دیکھکر آخر یہاں کے علماء نے اجازت دے دی اور حسینیہ آصفی (بڑا امام باڑہ) کا وسیع و عریض میدان اس ماتم کیلئے منتخب کیا گیا۔

چونکہ [illegible] بہت محدود پیمانے پر اس کا اعلان ہوا مگر آگ کے ماتم کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔ دس بجے شب میں یہ ماتم ہونے والا تھا اور ۹ بجے سے ہی امام باڑہ باشندگان شہر سے چھلک رہا تھا اس میں ہر فرقہ اور مذہب کے لوگ موجود تھے۔

ساڑھے تین گز لمبی، ایک گز چوڑی اور دو فٹ گہری نہر میں موجود [illegible] کے دہکتے انگارے، دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے کئے دے رہے تھے۔ ۹ بجکر ۵۴ منٹ پر جب امام باڑے کے ایک گوشہ سے مہاجرین برما نے یا حسینؑ کہکر ماتم شروع کیا تو دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں چند منٹ بعد یہ ماتم کرنے والے جس میں بچے، بوڑھے اور جوان سبھی شامل تھے [illegible] آگ [illegible] ہوگئے اور لکھنؤ کے لوگوں نے دھڑکتے دلوں کے ساتھ یہ نظارہ کیا وہ ماتم کرنے والے اسی انداز میں ماتم کرتے ہوئے ایک ایک کرکے آگ کے ان لپکتے ہوئے انگاروں کو اپنے ننگے پیروں سے روندتے ہوئے گزرنے لگے۔ یہ لوگ ان انگاروں پر اس وقت تک ماتم کرتے رہے کہ دہکتے ہوئے سرخ انگارے بھی حسینؑ کے غم میں سیاہ پوش ہوگئے۔

جب تک مہاجرین برما لکھنؤ میں رہے ہر سال وہی لوگ یہ ماتم کرتے رہے مگر یہ ضرور ہوا کہ ہر سال ماتم داروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا کیونکہ اب لکھنؤ کے شیعہ بھی اس ماتم میں شامل ہونے لگے تھے پھر جب مہاجرین برما جنگ کے خاتمہ پر اپنے وطن واپس ہوگئے تو اس ماتم کو لکھنؤ کے شیعوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا پھر دھیرے دھیرے یہ ماتم ہندوستان کے تمام شہروں میں ہونے لگا اور اب ہندو پاک کے مختلف مقامات پر ایام عزا کی مختلف تاریخوں میں نمایاں شان طریقہ پر یہ ماتم کیا جاتا ہے اسی طرح حیدرآباد اور جنوبی ہندوستان میں عاشورہ کی رات کو حسینؑ کے عقیدت مند آگ پر چلکر محبت کا اظہار کرتے ہیں وہاں اب بھی ایک رواج ہیں جو سبز لباس پہنکر اور علم ہاتھ میں لے کر جب تک دہکتے ہوئے انگاروں پر دولہا دولہا کہتے ہوئے قدم نہیں بڑھاتے [illegible] مسلمان عزادار [illegible] یاد [illegible]
آج بھی آپ کے سامنے اس امام باڑہ آصفی میں چھوٹے چھوٹے بچے تک سبز لباس پہنے ہاتھ میں علم لیے حسینؑ حسینؑ [illegible] دہکتے انگاروں میں سے گزر رہے ہیں۔ یہ

یہ کیا بات ہے ہم نہیں جانتے اور حسینؑ کے متعلق بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ جس کو چاہے عقل نہ بھی تسلیم کرتی ہو مگر نگاہیں برابر دیکھتی رہتی ہیں یعنی اگر حضرت امام حسینؑ کے غم یا ان کی عزاداری میں غیبی طاقت شامل نہ ہوتی تو وہ کرامتیں دنیا نہ دیکھ سکتی جو ہر سال محرم میں دیکھتی رہتی ہے آج اگر سگریٹ سلگانے میں دیا سلائی کا چرکا انگلی میں لگ جاتا ہے تو چھالا پڑے بغیر نہیں رہتا اس لئے کہ آگ کا کام جلا دینا ہی ہوتا ہے مگر دہکتے ہوئے انگاروں پر حسینؑ کا نام لینے کے بعد راستہ چلنا اور پاؤں کا نہ جلنا، یا چھالے نہ پڑنا حسینؑ کی کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح ہر قوم کے افراد عاشورہ اور چہلم کے دن زنجیروں اور تلواروں کا ماتم دیکھتے ہیں اس بات کو یوں غور فرمایئے کہ اگر کسی شخص کے ایک انچ کا زخم سر پر پڑ جاتا ہے تو کم از کم تین ٹانکے ضرور دیئے جاتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو زخم سڑ جائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے یہاں ۹-۱۰ [illegible] حسینی کو تلوار سے ماتم کرتے اور ان کے سروں پر تلواروں کے گہرے زخم پڑ کر سیروں خون اُبلتے ہوئے دیکھا ہے۔ مگر ماتم ختم ہونے یا عشرہ تمام ہو جانے کے بعد ہماری نگاہوں میں کبھی کسی ایسے زخمی شخص کے سر کی پٹی تک بندھے ہوئے نہیں دیکھی یا کسی ہسپتال میں ان کو علاج کرواتے نہیں دیکھا کہ اُس نے بھی تلوار سے ماتم کیا تھا ایسا ماتم کرنے والے دو چار نہیں بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں ہوتے ہیں اور خدا جانے عاشورہ کے بعد وہ شہر سے کہاں چلے جاتے ہیں جو نہ تو پھر نظر آتے ہیں اور نہ ان کے مجروح سروں کے زخم دکھائی دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تلواروں کا ماتم ہندوستان اور پاکستان کے عزاداروں نے کربلا کے ماتم داروں سے سیکھا ہو مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بھارت اور پاکستان میں عراق سے کم عزاداری نہیں ہوتی یہ سب کچھ کیا ہے؟ اسی حسینؑ کی محبت کا کرشمہ اور اثرات ہیں جس نے اپنی شہادت کے دن ہندوستان آنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

بہر حال ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ حضرت امام حسینؑ کی بین الاقوامی حیثیت اور ان کی ذات سے بغیر امتیاز مذہب و ملت ہر شخص کو اتنی گہری محبت ہے جتنی کہ کسی کو کسی سے نہیں ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ ہم نہیں کہہ سکتے کیونکہ بہت سی باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو زبان تک نہیں آ سکتی ہیں مگر دل ان کو ضرور محسوس کر لیتا ہے

سندھ شہر روہڑی کا چار سو سال پرانا تعزیہ

اس تعزیہ کا نقشہ خود مولا نے بنوایا تھا

روضہ امام عالی مقام کی پہلی شبیہ جو بنی اسد نے بنائی تھی اس سے اس روضہ کی شبیہ ملتی ہوتی ہے!

یہ چار سو سال قبل سندھ میں شہر روہڑی میں سید محمد شریف عرف مور شاہ صاحب رہتے تھے جو غم امام مظلوم کو یاد کر کے ہر وقت رویا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کا نام مور شاہ پڑ گیا اب ہر سال کربلا معلی زیارت کے لئے پیدل جایا کرتے تھے جب آپ اسی سال کے ہو گئے تو ایک دن خواب میں حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف لائے۔ اور کہا کہ "اے مور شاہ اب تمہاری عمر اس قابل نہیں ہے کہ سفر کی تکلیف برداشت کر سکو اس لئے اب تم یہاں نہ آنا بلکہ ہم خود تمہارے مہمان ہوں گے اس پر مور شاہ نے کہا کہ سرکار میں ایک غریب اور درویش آدمی ہوں آپ کی آمد کے لئے میں کیا بندوبست کر سکتا ہوں اس پر ارشاد ہوا کہ ہماری طرف سے ایک پیغامبر آئے گا وہ ہماری تربت کا ایک نقشہ بنا دیگا اس طرح ہم ہر سال وہاں آیا کریں گے۔

ایام عزا کے نزدیک جیسا کہ مولا حسین نے کہا تھا ایک صاحب آئے اور انھوں نے ایک تابوت نما تعزیہ بنایا جس کا نقشہ بالکل کربلائے معلی میں امام حسین علیہ السلام کی تربت کی طرح تھا جس کو سب سے پہلے بنی اسد کے لوگوں نے بنایا تھا یہ صاحب بھی مور شاہ صاحب کے ساتھ روہڑی میں رہنے لگے اور وہیں ان کا انتقال ہوا اور ان کا مزار آج بھی مور شاہ صاحب کے مزار کے احاطہ میں زیارت خاص و عام کے لئے وقف ہے۔

اب یہ تابوت نما تعزیہ ۹ محرم الحرام کو صبح ۴ بجے برآمد ہوتا ہے جو خود بخود اٹھکر دروازہ کے بجائے دیوار کے اوپر سے ہو کر باہر آتا ہے۔

اس وقت شہر رودولی کی تمام بجلی بند کر دی جاتی ہے پھر جلوس کی صورت میں کربلا سے ہوتا ہوا محلہ منڈو کھیڑ میں جاکر رکتا ہے وہاں پھر دلن میں دو بجے دو مزید تابوت بیاد شہزادہ علی اکبرؑ و علی اصغرؑ اور شہزادے قاسمؑ بھی شامل ہو جاتے ہیں پھر یہ جلوس شاہی بازار سے ہوتا ہوا ڈھک بازار جاتا ہے پھر ایک میدان میں آجاتا ہے جسکو جدائی کا میدان کہتے ہیں یہاں پر یہ تابوت جس کو مقامی لوگ کربلا کے نام سے بھی منسوب کرتے ہیں بلکہ زیادہ تر کربلا ہی کہتے ہیں دونوں تابوت الگ الگ ہو جاتا ہے اور جلوس کی شکل میں دوسرے میدان میں داخل ہوتا ہے جو کربلا کا میدان کہلاتا ہے تمام شہر کا جلوس یہاں پھر ٹھہر جاتے ہیں ایک عجیب منظر ہوتا ہے تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ ہر طرف یا حسینؑ ہائے حسینؑ کی صدا بلند ہوتی رہتی ہے لوگ اشکبار اپنی منتیں اور مرادیں رو رو کر مانگتے ہیں اس میدان میں یہ تعزیہ ۱۰ محرم الحرام تک شامیانہ کے اندر رکھا رہتا ہے لوگ تقریباً نزدیک کے گاؤں اور دیہات سے آکر زیارت کرتے ہیں تقریباً دو دن قیامت کا سماں رہتا ہے۔ لوگ بتاتے ہیں کہ جب ۱۹۳۶ء میں محرم الحرام میں یہ جلوس تعزیہ کے ساتھ نکالا گیا اپنے مقررہ راستوں سے جلوس کی شکل میں ہوتا ہوا جب درگاہ سید حیدر شاہ حقانی کے پاس پہنچا تو حیدر شاہ جو اس وقت کے بہت بڑے متقی و واعظی تھے اور جناب موہن شاہ کے ہم عصر بھی شور ماتم اور نوحہ سنکر اپنے بیٹے اور بھائی کو باہر بھیجا کہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ کیسا شور ہے۔ اس پر ان کے معتقدوں نے بتایا کہ یہ شور ماتم کا ہے جو موہن شاہ صاحب کے تعزیہ کے جلوس سے ہو رہا ہے۔ اس کے بعد بھائی اور بیٹے بھی جلوس میں شامل ہو گئے کافی دیر ہو گئی جب یہ لوگ واپس نہیں آئے اور حیدر شاہ حقانی غصہ کے عالم میں اپنے معتقدوں سے کہہ رہے تھے کہ یہ بدعت بند کراؤ جلوس بڑھتا ہوا ان کے گھر کے قریب آگیا غصہ کے عالم میں حیدر شاہ حقانی باہر نکلے اور چاہتے تھے کہ شرکاء جلوس کو ماتم کرنے سے منع کریں کہ کیا دیکھتے ہیں کہ جلوس میں شریک ایک بہت خوبصورت شخص ہے جس کے جسم پر ہزاروں زخم ہیں جس میں تیروں کے پھل اور نیزوں کی انیاں پیوست ہیں اور سر سے لیکر پاؤں تک خون میں

رہے ہیں اس پر حیدر شاہ حقانی نے اس مظلوم شخص سے دریافت
کیا آپ کون بزرگوار ہیں انھوں نے جواباً فرمایا میں ہی حسینؑ مظلوم ہوں۔
اور مور شاہ میرا ہی غم منا رہے ہیں یہ لوگ میرے ہی غم میں ماتم اور نوحہ
کر رہے ہیں اس پر حیدر شاہ حقانی بھی سر پر خاک ڈال کر حسینؑ حسینؑ
کرتے ہوئے جلوس میں شامل ہو گئے۔ اور اس وقت سے آج تک یہ
تعزیہ اس ہی جگہ رکھا جاتا ہے جہاں حیدر شاہ حقانی جلوس تعزیہ میں
شریک ہوئے تھے۔ آج بھی ۹ اور ۱۰ محرم الحرام کی شب میں یہ تعزیہ شامیانہ
کے اندر وہاں رکھا رہتا ہے۔

اب میں جناب حیدر شاہ حقانی کے لئے کچھ عرض کرتا چلوں کہ آپ کو
دوران حج حضور اکرم نے اپنا موئے مبارک عطا کیا تھا جو آج بھی مومنین
کے لئے مرکز زیارت ہے۔

اس موئے مبارک کے حقیقی ہونے کے ثبوت میں نادر شاہ بادشاہ
نے کہا تھا کہ اس کو باہر نکالو اگر ابر (سایا) آجائے تو یہ اصلی ہے
ورنہ نقلی جب بادشاہ کے حکم پر اس کو باہر نکالا گیا تو فوراً ابر آگیا اس
پر نادر شاہ بادشاہ نے کہا یہ اصلی بال ہیں۔

۹ اور ۱۰ محرم الحرام کو جب تعزیہ یہاں پر آتا ہے تو اتنا ماتم ہوتا
ہے کہ جس کو احاطہ تحریر میں لانا ناممکن ہے۔

میں تعزیہ کا فوٹو پیش کر رہا ہوں آپ بھی اسے دیکھ کر اپنے لئے
دعا کریں آپ کی دعا ضرور مقبول بارگاہ امام علیہ السلام ہوگی اور مولا
آپکی مرادوں کو پوری کریں گے۔ (خادم اہلبیتؑ وصی خاں)

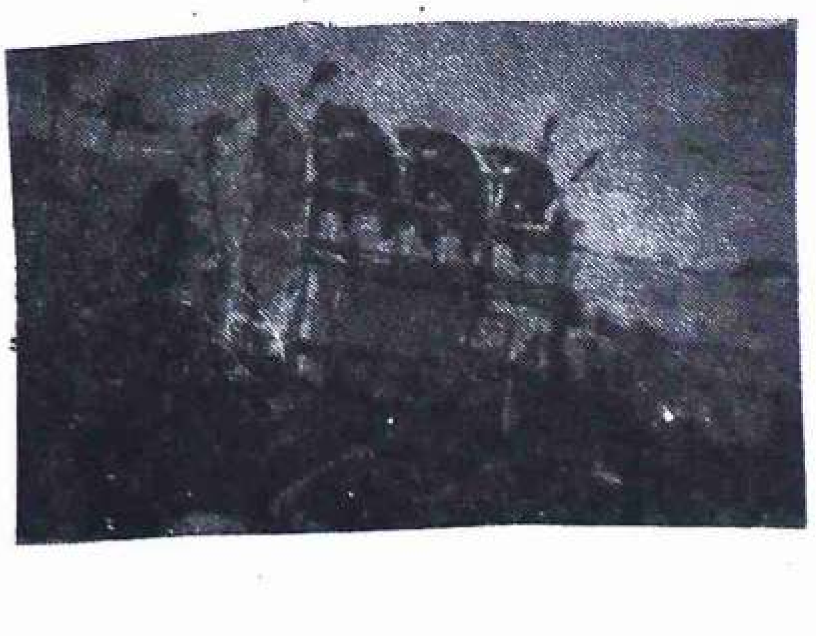

عزاداریٔ سید الشہدا

کا

ایک منتقی مرکز

محفلِ حیدری

ناظم آباد کراچی

عروس البلاد کراچی بلاشبہ عالمِ شیعیت کا قلب اور عزاداریِ سید الشہداؑ کا اہم ترین مرکز ہے، یہاں کے محرم اپنی عظمت و جلالت اور شان و شوکت کے لحاظ سے منفرد ہیں۔ یہاں کی عظیم الشان مجالس اور جلوس بہ لحاظ تعداد و ذکر و اذکار آپ اپنی نظیر ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کرنے والے پریشان حال سوگوارانِ حسینؑ نے پہلے ماہ محرم میں اپنی گوناگوں مشکلات اور حوصلہ شکن آلام و مصائب سے بے پرواہ ہوکر شہیدانِ کربلا کی صفِ ماتم بچھائی، اس کارِ خیر میں سرِ فہرست محفلِ حیدری کے بانی و مؤسس جناب محمد عسکری خان مرحوم کرنسی آفیسر اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا نام نامی آتا ہے، عزاداران حسینؑ کی آمد سے کراچی کے محرم کی رونق دوبالا ہوگئی۔ اور بحمد اللہ ہر سال عزاداریِ سید الشہداء میں ہر جہت سے زبردست اضافہ ہو رہا ہے دنیا آنی جانی ہے۔ لوگ آتے رہیں گے اور جاتے رہیں گے لیکن تذکرۂ حسینی کو بقاؤ دوام حاصل ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک روز افزوں ترقی پاتا رہے گا۔ کراچی میں فروغ عزاء کی ارتقائی سعی پیہم میں محفل حیدری کو سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس سرزمین پر ذکرِ اہلبیتؑ کے انعقاد اور اس کے استحکام میں اس ادارہ کی خدمات معروف اور ناقابلِ فراموش ہیں، محفل حیدری کی بزم کی روحِ رواں شمعِ حسینیؑ کے پروانے محبِ اہلبیتؑ، مرد مومن انجم گسار درد آشنا

محمد عسکری خان مرحوم اپنے مداحین سے جسمانی طور پر جدا ہو چکے ہیں لیکن کراچی میں بزم عزاء و ماتم داری کی تزئین میں عظیم کردار ادا کر کے آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ و تابندہ ہیں۔ درس گاہِ حسینی کے فروغ میں اپنا تن من دھن لگا کر آپ نے حیاتِ نو حاصل کر لی۔ ماہ عزاء کا چاند نظر آتے ہی مرحوم کی یاد دلوں میں اجاگر ہوتی ہے اور غیر ارادی طور پر آپ کا اسم گرامی اور ذکرِ خیر لبوں پر آ جاتا ہے۔ یہی مرنے والے کی کامیاب و کامران زندگی و موت اور بارگاہِ معصومین میں فیض رسانی کی بین دلیل ہے۔ خوش نصیب آپ کے مرکر نہ مرنے والے عاشقِ حسینؑ کہ آپ نے اپنے پیچھے نیک و صالح اولاد کی شکل میں اپنی نشانیاں اور باقیات الصالحات میں محفلِ حیدری بطور ایک ناقابلِ فراموش یادگار چھوڑی، بحمد اللہ گلستانِ حسینی کی بہار میں ان کے فرزندانِ ارجمند محمد مہدی خان محمد علی خان، راقم الحروف محمد متقی خان، اور محمد ذکی خان شب و روز اپنے فرائض کی کما حقہٗ بجا آوری اور اپنے عظیم المرتبت باپ کے مشن کی تکمیل میں منہمک ہیں۔

راقم الحروف محفلِ حیدری کی مصروفیات کے علاوہ دوسری قومی تنظیموں اور خاص دینی مسائل میں حتے المقدور حصہ لیتا ہے جن میں ۱۳ رجب کا جلوس مولودِ کعبہ، مرکزی تنظیمِ عزاء اور انجمن تنظیم الحسینی لیاقت آباد کراچی کے شاندار پروگرام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

محفلِ حیدری کی جانب سے مرحوم کے جانشین اور خلف الرشید جناب متقی خان المعروف کے ایم ندیم ایڈوکیٹ تمام سال قومی مسائل میں فی سبیل اللہ مفت قانونی مشورہ اور علمی امداد بہم پہنچاتے ہیں۔ جو اس خالص مادی دور میں لائقِ تحسین و آفرین ہے۔ آپ ایک جواں سال، ہونہار، دیندار، محنتی جری، حوصلہ مند، نکتہ رس، ذہین اور دردمند ماہرِ قانون ہیں۔ ملتِ جعفریہ کو ان پر فخر ہے اور بے لوث و انتھک قومی خدمت موصوف کا شعار

حیات ہے۔ نور ایمان ٹرسٹ ناظم آباد، مسجد و امام بارگاہ گوجرنالہ، مسجد باب العلم نارتھ ناظم آباد کراچی کی مسجد و امام بارگاہ کے الجھے ہوئے مسائل کا مداوا اور شاندار عمارت کی تعمیر آپ کی قانونی صلاحیتوں اور ملی خدماتِ جلیلہ کا ثبوت ہے۔ اس ابھرتے ہوئے سورج کی بامِ عروج پر بہ تعجیل رسائی کے لئے ملت کا ہر صاحبِ شعور دعا گو ہے۔

یکم ستمبر ۱۹۴۷ء میں کانپور سے ہجرت کر کے محمد عسکری خان مرحوم کراچی تشریف لائے اور اسی سال آپ نے محفلِ حیدری کی کراچی میں بنیاد ڈالی۔ آپ نے عبدالرسول بلڈنگ نزد امام بارگاہ کھارادر میں پہلا عشرۂ محرم قائم کیا۔ ۱۹۴۸ء میں علی منزل بمبئی بازار میں منتقل ہو کر آپ نے باقاعدہ محفلِ حیدری کی تشکیل کی اور یہاں دوسرا عشرۂ محرم منعقد ہوا۔ یہ سلسلہ منازل ارتقاء سے گزر کر ۱۹۶۰ء تک اسی جگہ جاری رہا۔ ۱۹۶۱ء میں بمبئی بازار سے شاہجہان منزل ۳/۲ ۱۲ ڈی ناظم آباد کراچی میں محفلِ حیدری منتقل ہو گئی۔ کراچی میں طرحی شب بیداری کی بنیاد انجمن ظفر الایمان رجسٹرڈ نے ڈالی اور یہ شب بیداری پہلی بار محفلِ حیدری بمبئی بازار میں ہوئی۔ ۱۰ محرم کے جلوس عاشورہ و چہلم اور ۲۱ رمضان ابتدائی سالوں میں محمدی قدیم رجسٹرڈ انجمن ناصر العزاء رجسٹرڈ انجمن گلدستہ سعیدی، انجمن ذوالفقار حیدری، انجمن تبلیغ امامیہ انجمن عابدیہ کاظمیہ رجسٹرڈ اور انجمن ظفر الایمان رجسٹرڈ نے محفلِ حیدری سے اٹھائے بعد میں یہ جلوس جہانگیر پارک صدر سے برآمد ہونا شروع ہوئے اور اب یہ جلوس نشتر پارک سے بصد شان و شوکت برآمد ہوتے ہیں۔

محفلِ حیدری کے سالانہ پروگرام

مندرجہ ذیل سالانہ پروگرام پابندی کے ساتھ منعقد ہوتے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔

رات نوحہ خوانی و سینہ زنی کرتی ہیں۔ عزا خانہ میں تمام رات سوگواران حسینؑ کا اژدھام رہتا ہے اور دعاؤں کے لئے باب رحمت کھلا ہوتا ہے۔ نماز صبح کے بعد الوداعی مجلس ہوتی ہے جس میں جناب مولانا سید حسین صاحب مصائب بیان کرتے ہیں اس کے بعد تابوت و تعزیہ برآمد ہوتا ہے جو جلوس کی شکل میں فردوس کالونی سے ہوتا ہوا امام بارگاہ جعفریہ گولیمار میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اس جلوس کی خصوصیت یہ ہے کہ ناظم آباد نمبر ۲ نمبر ۴ اور فردوس کالونی کے تقریباً تمام تعزیئے اس جلوس میں شامل ہو جاتے ہیں تعزیوں کے دفن کا انتظام بھی محفل حیدری کی جانب سے کیا جاتا ہے۔

صفر کا پروگرام

۱۹ صفر کو ایک بجے دن زنانی مجلس عزاء ہوتی ہے جس میں کثیر تعداد میں مومنات شرکت کرتی ہیں، شب میں مردانی مجلس کے بعد شب بیداری ہوتی ہے۔ شہر کی مایہ ناز انجمنیں شرکت کرتی ہیں۔

۶ جمادی الثانی کا پروگرام

ایک بجے دن سیدہ النساء العالمین حضرت فاطمہ زہراؑ کا تابوت خواتین میں اٹھایا جاتا ہے جس میں کثیر تعداد میں مومنات شرکت کرتی ہیں۔

۱۳ رجب کا پروگرام

اس محفل کا یہ بڑا مخصوص پروگرام ہوتا ہے۔ اس دن ایک بجے دن کو مولا مشکل کشا حضرت علیؑ کی نذر ہوتی ہے جو رات ۱۲ بجے تک جاری رہتی ہے شرکت کیلئے لوگوں کو دعوت عام دی جاتی ہے

۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹ رمضان کے پروگرام۔ رمضان کی ان تاریخوں میں مردانی مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان تمام پروگراموں کے علاوہ اس محفل کیجانب سے کراچی کی مختلف انجمنوں کو پروگراموں کے اشتہار عطیہ کے طور پر دیئے جاتے ہیں اور اس محفل کے ارکان فروغ عزاء کیلئے مختلف انجمنوں کیساتھ مالی تعاون کرتے ہیں

۱۔ یکم تا ۷ محرم :۔ عشرہ مجالس برائے مومنین ۴½ بجے شام مجلس پابندیٔ وقت کے ساتھ شروع ہوتی ہے پہلے قرآن خوانی ہوتی ہے۔ اس کے بعد انجمن سوزخوانی کراچی کے مایہ ناز سوزخوان حضرات سوزخوانی کرتے ہیں اس کے بعد جناب عروج بجنوری یا جناب نظر جعفری سلام پیش کرتے ہیں۔ آخر میں جناب مولانا سید محمد باقر صاحب نجفی مجلس پڑھتے ہیں۔ مولانا موصوف ۱۲ سال سے مستقل اسی محفل میں پابندیٔ وقت کے ساتھ اپنے مخصوص انداز میں ذکر فرمارہے ہیں۔ اس کے بعد کراچی کی مشہور انجمنوں میں سے کوئی نہ کوئی انجمن نوحہ خوانی کرتی ہے اپنی تاریخ کے حساب سے نوحہ خوانی و سینہ زنی کرتی ہے۔

۲۔ عشرہ برائے اطفال :۔ یکم تا ۷ محرم ٹھیک ۱۲ بجے دن میں منعقد ہوتا ہے

۳۔ عشرہ برائے مومنات :۔ یکم تا ۷ محرم ½۱ بجے شب منعقد ہوتا ہے۔

۸ محرم کو دو خاص پروگرام ہوتے ہیں۔ پہلا، حاضری حضرت مولا ابوالفضل العباس علیہ السلام ایک بجے دن سے ۴ بجے سہ پہر تک اہتمام کیا جاتا ہے۔ مومنین ہزاروں کی تعداد میں شرکت کرتے ہیں۔

دوسرا، بعد ختم مجلس جلوس برآمد ہوتا ہے۔ جو ناظم آباد نمبر ۲ فردوس کالونی سے گزرتا ہوا امام بارگاہ شاہ کربلا ٹرسٹ رضویہ کالونی میں اختتام پذیر ہوتا ہے اس جلوس میں کافی تعداد میں علم ہوتے ہیں اور منتی علم ہوتے ہیں اور منتی علم بھی کافی چڑھائے جاتے ہیں۔ لوگوں کی منتیں بکثرت پوری ہوتی ہیں خصوصاً حصول اولادکی منت، عورتیں بہت زیادہ دعائیں اور منتیں مانگتی ہیں اور در ائمہ اطہار و بی بی سیدہ کے صدقے میں پوری ہوتی ہیں۔ حنفی العقیدہ حضرات خصوصی طور پر اس میں شریک ہوتے ہیں۔ اور اپنے دامن مراد کو بھرتے ہیں۔

پروگرام شب عاشورہ

شب عاشورہ شب بیداری کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ شہر کی مشہور انجمنیں تمام

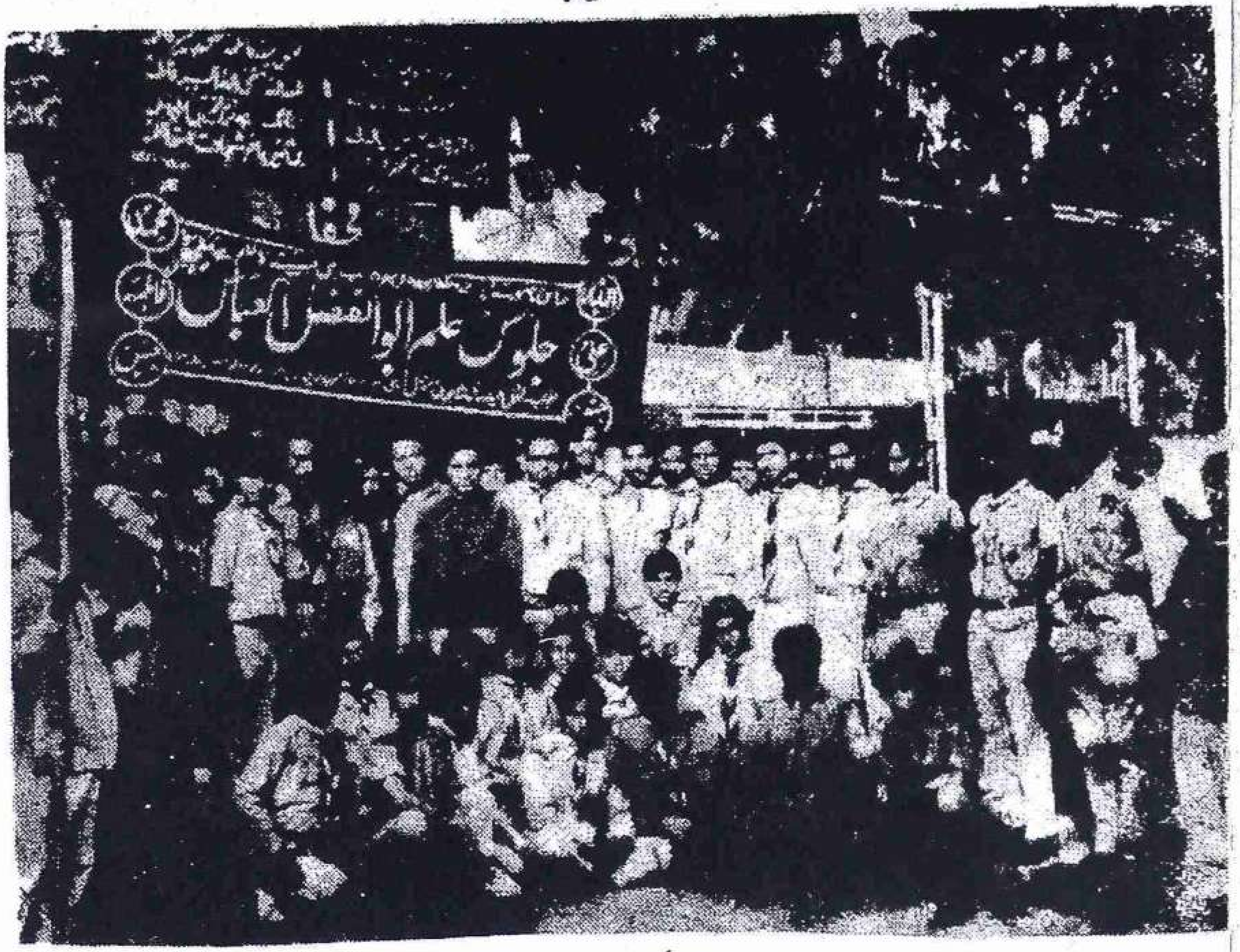

۸ رمحرم الحرام کو پاکستان حیدری اسکاؤٹ کا ایک گروپ فوٹو

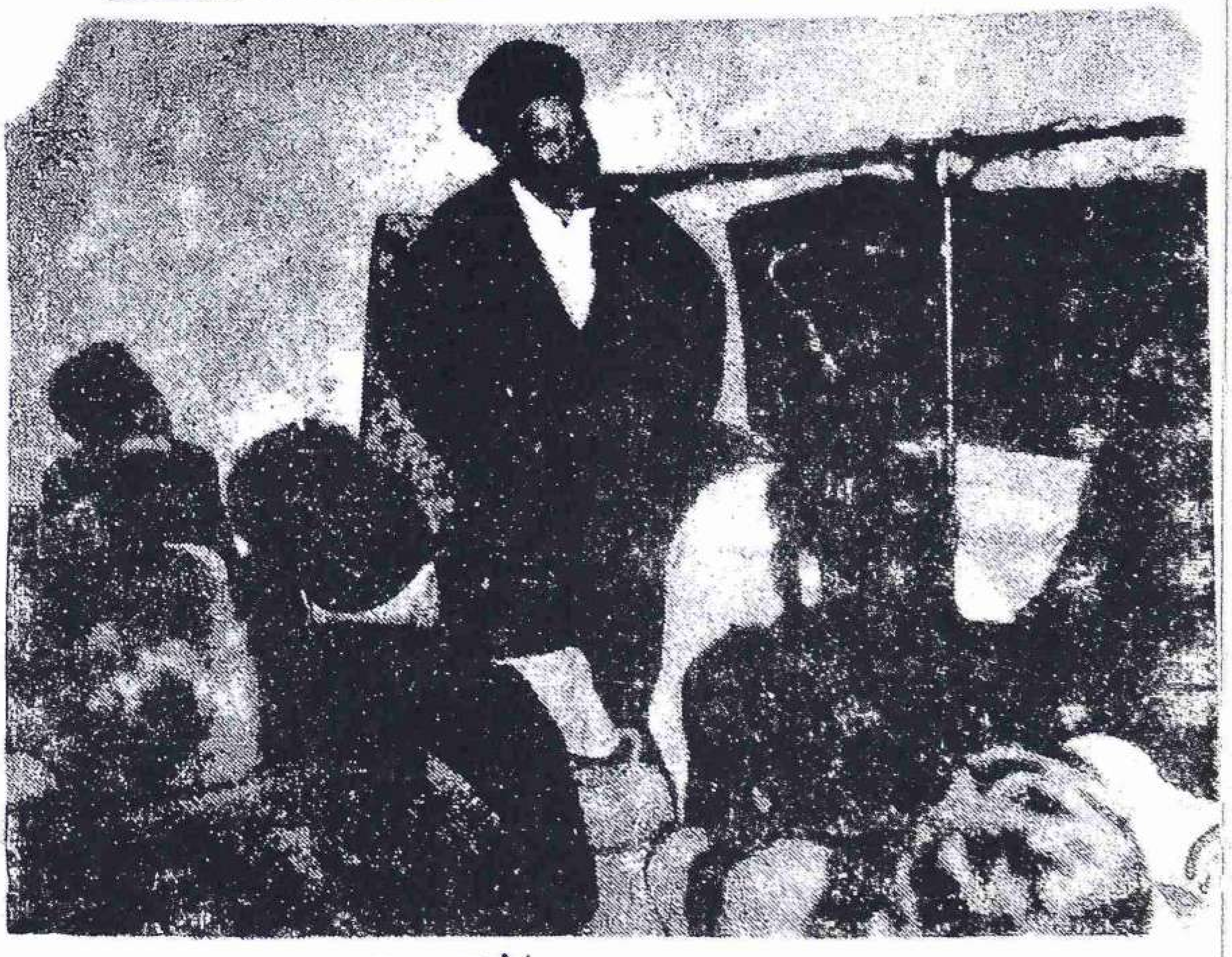

جناب مولانا سید محمد [illegible] صاحب کشفی مجلس سے خطاب کر رہے ہیں

صاحبزادگانِ آغا مقصود مرزا صاحب سوز و سلام پیش کر رہے ہیں

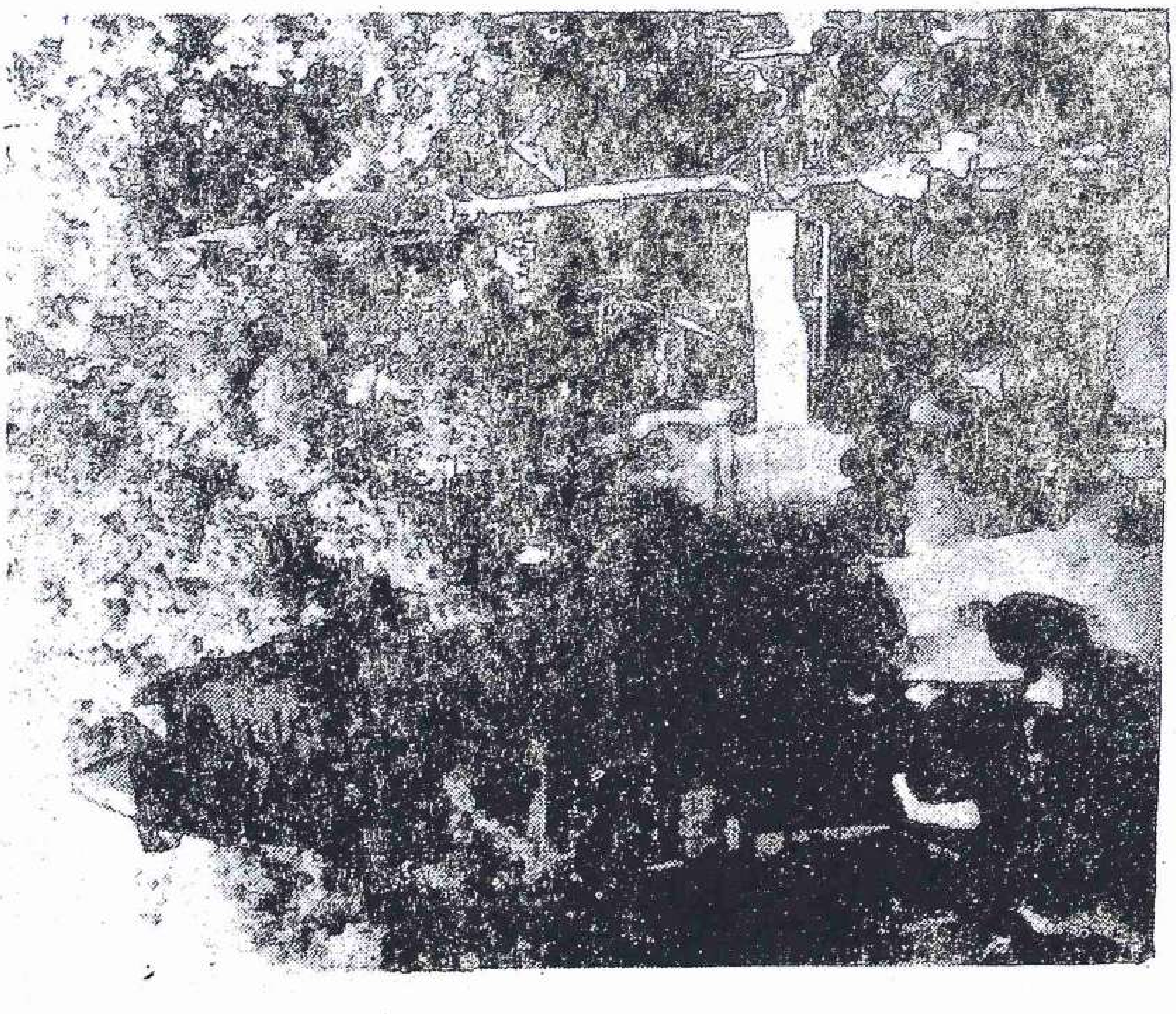

جلوس یوم عمر مبارک کا ایک الم انگیز منظر

۸ محرم الحرام کو جلوس محفلِ حیدری میں انجمنِ اتحادِ مومنین جارچہ کی ضریحِ مبارک

علامہ اقبال آستانۂ شہید کربلا

حضرت حسین علیہ السلام پر

خونِ او تفسیر ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

اردو فارسی ادب کی تاریخ میں علامہ اقبال (مرحوم) کی شخصیت ایک ستون کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کا مجموعہ کلام آج بھی دنیائے ادب میں لافانی اہمیت کا حامل ہے۔

علامہ اقبال جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب امیر علی المرتضیٰ علیہ السلام کے عشق کا اظہار فرماتے رہے ہیں وہاں سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام سے بھی والہانہ عشق کے دعویدار ہیں اور آپ کی حیاتِ طیبہ کو زندگی کی معراج قرار دیتے ہیں۔ دشتِ کربلا میں اثباتِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے آپ کی سرفروشانہ جنگ اور قربانی مردانِ حق کے واسطے تا قیامت مشعلِ راہ ہے۔ انہیں امام عالی مقام کی ذات مسودہ صفات سے بے پناہ محبت تھی۔ چنانچہ انہوں نے اسی محبت کی شدت سے مجبور ہو کر اکثر و بیشتر اپنی وارفتگی کا اظہار بھی کیا ہے۔

جس طرح مجھ کو شہیدِ کربلا سے پیار ہے
حق تعالیٰ کو یتیموں کی دعا سے پیار ہے (اقبال)

ڈاکٹر صاحب کی سعی پیہم، طلبِ صادق، اخلاصِ عمل، عشق حقیقی اور بے لوث قربانی جیسی اعلیٰ اقدار سے خاص لگاؤ رہا ہے۔ لہٰذا ان خصوصیات سے مزین ذات ان کے لیے قابلِ صد ستائش ہے۔ انہوں نے ان تمام قدروں کو آپ کی

شخصیت میں بطریق احسن نمایاں پایا۔ چنانچہ آپ کے عشق کو سرمایۂ حیات قرار دے کر عقیدت کے وہ پھول نچھاور کیے جو رہتی دنیا تک تازہ اور خوشبودار رہیں گے۔

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق صبرِ حسینؑ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

آئیے اب ہم علامہ موصوف کے کلام سے ان کی حضرت امام حسین علیہ السلام سے انتہائی محبت کا اندازہ لگانے کی کوشش کریں۔ وہ فرماتے ہیں :۔

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر　　معنی ذبح عظیم آمد پسر
بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

حقیقت ابدی ہے مقامِ شبیریؑ
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہِ دلگیری

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق صبرِ حسینؑ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

ایک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری　　میراثِ مسلمانی سرمایۂ شبیری

جس طرح مجھکو شہیدِ کربلا سے پیار ہے
حق تعالےٰ کو یتیموں کی دعا سے پیار ہے

جس کا جی چاہے ہو یزید کے ساتھ
ہم ہیں اور دامانِ امام حسینؑ

نقش لا الہ بر صحرا نوشت　　　سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں میں
کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقیٔ کوثر مجھے

از نگاہِ خواجۂ بدر و حنین　　　فقر سلطان وارثِ جذبِ حسینؑ
موسیٰ و فرعون و شبیرؑ و یزید　　　ایں دو قوت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوتِ شبیری است　　　باطل آخر داغِ حسرت میری است
آں امامِ عاشقاں پورِ بتولؑ　　　سروِ آزادے ز بستانِ رسولؐ
بہرِ آں شہزادہ خیر الملل　　　دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل
دشمناں چوں ریگ صحرا لاتعداد　　　دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرؑ بگیری

در نوائے زندگی سوز از حسینؑ
اہلِ حق حریت آموز از حسینؑ

اگر پندے ز درویشے پذیری　　　ہزار امت بمیرد تو نہ میری
رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم　　　ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

تیر و سناں و خنجر و شمشیرم آرزوست
با من میا کہ مسلکِ شبیرؑم آرزوست

ریگِ عراق منتظر کشتِ حجاز تشنہ کام
خونِ حسینؑ باز دہ کوفہ و شام خویش را

اسلام کے دامن میں اور اس کے سوا کیا ہے
اک ضربِ یداللّٰہی اور ایک سجدۂ شبیریؑ

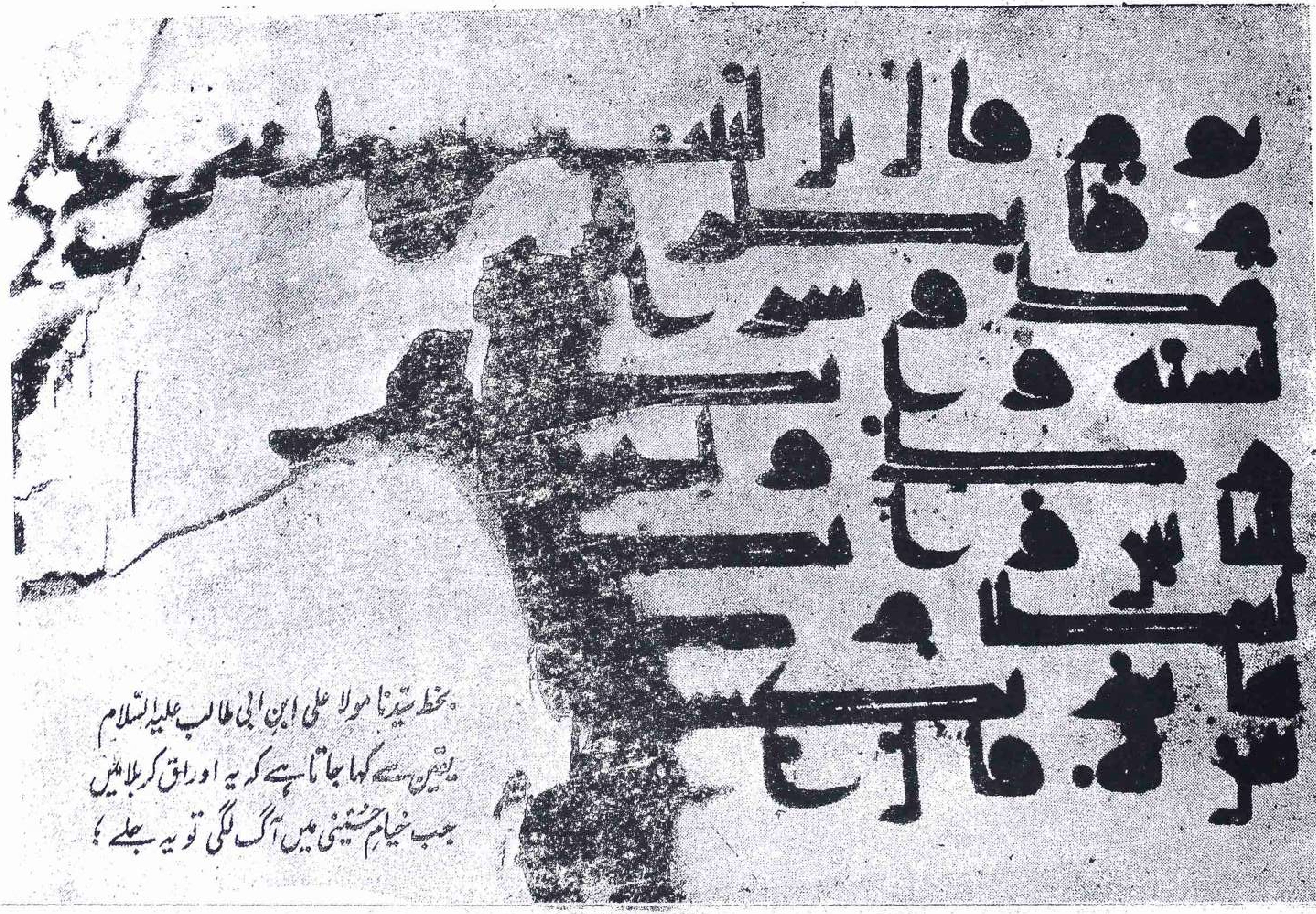

بخط سیدنا مولا علی ابن ابی طالب علیہ السلام
یقین سے کہا جاتا ہے کہ یہ اوراق کربلا میں
جب خیام حسینی میں آگ لگی تو یہ جلے!

کوفہ سے شام تک کی انقلاب انگیز مسافرت

جب دُنیوی رُعب وداب کی ترقی بھڑک اور مادی جاہ وجلال کی چمک دمک نگاہوں میں اس طرح کھب جائے کہ دماغ سے تفکر کی صلاحیت دل سے احساس کی اہلیت اور زبان سے اظہار کی جرأت یک لخت محو ہو جائے اور اس ضیاع عظیم کا حس تک باقی نہ رہے تو پھر ظلم و عدوان اور ناانصافیوں کے لئے میدان صاف ہو جاتا ہے اور ظالموں کے کھل کھیلنے کیلئے زمین ہموار ہو جاتی ہے۔ ایسے ماحول میں شر آفرینیوں کی حدوں کو مقرر کرنا اور ظلم رانیوں کی سنگینوں کا احصاء کرنا آسان نہیں۔ بڑا مشکل کام ہے۔ اس خروش کے عالم میں تو خود ظالم پر بھی کچھ ایسی محویت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ بھولے سے بھی یہ نہیں سوچتا کہ ظلم ہی انقلاب کی پرورش گاہ بھی ہوتا ہے اور مظلوم کی آماجگاہ بھی۔ ایسے میں تو بس خود اپنے لئے بیش از بیش مادی منفعت حاصل کر لینا اور اپنے آقاؤں کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھنا نصب العین ہو جاتا ہے۔ حق کو باطل اور باطل کو حق بنانا، دغا و دغل کو رواج دینا۔ حق گوئی و راست گفتاری کا گلا گھونٹنا طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے۔ غرض ناحق کوشی و خدا فراموشی کا ایک عجیب رنگ ہو جاتا ہے۔

اسلامی نظام کی نصفت آئینی اور عاقبت بینی کو دیکھتے ہوئے خیال ہوتا تھا کہ اہلِ اسلام شاید اس شاہانہ شان و شوکت اور غلامانہ ذہنیت کے دام میں نہ پھنسیں اور اس فتنہ سے محفوظ رہ سکیں مگر احتشام اندیش اور ثروت کیش، نام نہاد مسلمانوں کے رہنماؤں کے ہاتھوں یہ افسوسناک صورتِ حال یہاں بھی پیش آ کر رہی۔ اور یہ روز بد اسلام کو بھی دیکھنا ہی پڑا۔ حتیٰ کہ عام مسلمان رسولؐ کے گھرانے سے قطعاً لاعلم اور ان کے کارناموں، مجاہدوں اور سرفروشیوں سے تمام تر ناآشنا ہو گئے۔

ان حالات کی موجودگی اور ایسے ماحول کی طرح اندازی و کارسازی کے بعد ظاہر ہے کہ حسینؑ کے قتل کے نتیجے میں کسی طرح کی بے چینی کے رونما ہو جانے کا گمان بھی نہ ہو سکتا تھا چہ جائیکہ کسی قسم کی "سرکشی" کا ؟؟ بلکہ اس کے برخلاف اہلبیتؑ کو قید کر کے انکی بے حرمتی

اور ان کی قریہ بقریہ اور شہر بہ شہر تشہیر و رسوائی حصولِ مقصد کے لئے مفر نہیں مفیدِ مطلب ہی سمجھی جاسکتی تھی کیونکہ اُسکے بغیر نہ تفوق کی پیاس بُجھ سکتی تھی اور نہ تفاخر کی ہوس کو سیری ہی نصیب ہوسکتی تھی۔ بہر حال قتلِ حسینؑ کے بعد ان گھرانے کی عورتوں اور بچّوں کو اسیر کرکے دیار بہ دیار ان کی تشہیر کی گئی اور بالآخر اپنے آقا کا عندیہ پاکر اس کی خوشنودی کے لئے ان قیدیوں کا تماشا اپنے یزید کو بھی دکھانا ابنِ زیاد پر گویا لازم ہوگیا۔

اُدھر اپنے اقتدار کی نمائش کی غرض سے ان اسیروں کو شام لے جانے کیلئے شارع عام کا انتخاب کیا گیا۔ حکومت کے باجگزار جو راہ میں پڑتے تھے۔ اُن کے نام احکام جاری کئے گئے کہ شہروں کو آراستہ کریں۔ راہوں کو سجائیں، نوبتیں بجائیں، خلعتیں پہنیں، عیدیں منائیں اور جی کھول کر یزید کی فتح کا جشن برپا کریں۔ اس طرح ایک طرف تو عوام کے دلوں میں آزادیٔ ضمیر اور اظہارِ احساس کے پاداش کی دہشت اور زیادہ سما جائے گی اور دوسری طرف ان اسیرانِ کربلا کی اہانت و رسوائی کی شدّت میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ خلافتِ یزید پر عوام پسندی کی مُہر تصدیق ثبت کرنے اور اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کا اس سے بہتر عنوان بہ ظاہر ہو بھی کیا سکتا تھا۔

ہاں تو کربلا کے قیدیوں کو شام لے جانے کے لئے دو نسبتہً چھوٹے راستے چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا گیا جس کی مسافت دوسرے دو راستوں سے تقریباً دوگنی تھی اور جس پر نہ صرف حکومت کے وفاکیشوں کی آبادی زیادہ تھی۔ بلکہ جو زیادہ سے زیادہ محفوظ بھی تھے۔ اس طویل مسافت کو اختیار کرنے سے ان بے وارث قیدیوں کی صعوبتِ سفر اور شدّتِ منازل کتنی بڑھ جائیں گی اس کا

لہ سب سے چھوٹا راستہ تقریباً چھ سو میل کا تھا اسے یوں اختیار نہ کیا گیا کہ یہ صحرائی راستہ تھا اور اسمیں آبادیاں کم تھیں اور پانی مشکل سے دستیاب ہوتا تھا۔

دوسرا راستہ تقریباً آٹھ سو میل کا تھا۔ اس پر بستیاں تو بکثرت تھیں مگر ان میں بیشتر محبان اہلبیت کی آبادی تھی۔ یہ راستہ بھی آباد تھا اور بارونق بھی۔ اور اسمیں اوّل الذکر دونوں راستوں کی سی صعوبتیں اور مشکلیں بھی نہ تھیں پھر تشہیرِ اہلبیت کی شدّت کا امکان بھی بہت زیادہ تھا اسکی مسافت تقریباً چودہ سو میل تھی۔

بھلا کس کو خیال تھا ــــــ غرض دجلے کے کنارے کنارے چودہ سو میل کی اس مسافت میں کم و بیش بیس[2] منزلیں[1] طے کرنا پڑیں تب کہیں یہ قافلہ "شام" پہونچا - اس حال تباہ سے کہ آگے آگے شہداء کے سر اور پیچھے پیچھے شترانِ بے کجاوہ و عماری پر اہلِ حرم - آہ آہ " اپنے پیاروں عزیزوں - قرابتداروں اور جاں نثاروں کے سروں کے ہمہ وقت پیش نظر رہنے سے ان بے وارثوں " اور غریب الوطنوں کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی - مگر اللہ رے صبر و استقلال کہ ایک حرفِ شکوہ و شکایت زبان پر نہ آیا اور شانِ مظلومی میں کسی عنوان سے کوئی کمی نہ ہوئی - اور ذرا ان صداؤں کو تو سنیئے جو حکومت کے اشاروں پر پیہم بلند ہو رہی ہیں " ھٰذا السبایا من نبات محمد " - اور یہ بجائے خود اُن اسیروں کی نجابت و شرافت کا وہ اعلان تھا جو دشمنوں کی معرفت ہو رہا تھا - اس پر مستزاد یہ کہ اکثر منزلوں پر عوام کی طرف سے ظالموں کی مخالفت اور اسیروں کو اپنے شہر کے اندر لانے کی ممانعت اور وہ مزاحمت جس کا ظالموں کو سان و گمان تک نہ تھا -

پھر اس مخالفت اور مزاحمت میں مسلمان ہی نہیں، یہودی اور نصرانی بھی پیش پیش تھے - مثلاً منزلِ تکویت پر جہاں کے حاکم نے جھنڈا لہرانے، بگل بجانے اور شہر کو آراستہ کرنے کا حکم اس یقین دہانی کے ساتھ دیا تھا کہ، مُعاذ اللہ، ایک خارجی نے خلیفۂ وقت پر خروج کیا تھا - اُسی کا سر کاٹ کر ابن زیاد حاکم شام کے پاس بھیج رہا ہے - ایک نصرانی نے بتایا " لوگو ! یہ سر حسینؑ کا ہے " یہ سن کر نصرانی اپنے کینسوں سے نکل پڑے اور اس قوم ناہنجار کے خلاف جس نے خود ہی اپنے نبیؐ کے نواسے کو قتل کر دیا - اپنی بیزاری کا ایسا پُر قوت مظاہرہ کیا کہ ظالموں کو شہر میں جانے کی ہمت نہ ہوئی اور جب یہ قافلہ حَلَب سے گذرا تو تمام اہلِ حلب، امامؑ کے سرِ مبارک کی زیارت کو نکل پڑے اور ظالموں پر لعن و طعن کرنے لگے ظالموں کو اپنے شہر سے نکال دیا -

موصل میں بھی وہی تکویت کا ایسا سامانِ جشن مہیا اور شہر آراستہ کیا گیا تھا - اور وہی کسی خارجی کے سر کو یزید کے پاس بھیجے جانے کا بہ شدّ و مدّ اعلان ہوا تھا مگر اہلِ موصل

لہ قادسیہ[1] - بغداد[2] - تکریت[3] - موصل[4] - سنجار[5] - نصیبین[6] - عین دردہ[7] - حرّان[8] - راس عین[9] - حلب[10] - کلیسہ[11] - قنسرین[12] - معرۃ النعمان[13] - شیرز[14] - کفرتاب[15] - حماۃ[16] - حمص[17] - بعلبک[18] - عسقلان[19] - شام[20] ؁

ہی میں سے کسی نے کہا۔ "بھائیو! یہ سر حسینؑ کا ہے" اور جب یہ معلوم ہوا تو وہ لڑنے مرنے اور سرِ حسینؑ کو حاصل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مگر اشقیا کو ان کے ارادے کی اطلاع مل گئی۔ انہوں نے شہر کا رُخ ہی نہ کیا، راستہ بدل دیا۔

حرّان میں ایک یہودی نے اہلبیت کی حالت سے متاثر ہو کر کلمۂ شہادت پڑھا اور بالآخر حمایت اہلبیت میں شہید ہو گیا۔ قنسرین میں اہلِ شہر کو علم ہوا تو شہر پناہ کا دروازہ بند کر لیا اور ظالموں کو شہر میں قدم نہ رکھنے دیا۔ شَیزر کے رہنے والے بھی جانوں پر کھیل کر سربکف نکل آئے اور اپنے میں ظالموں کو دھنسنے نہ دیا۔

قلعۂ کفرتاب میں بھی لوگوں نے شہر پناہ کا دروازہ بند کر لیا اور قسم کھائی کہ حسینؑ پر پانی بند کرنے والوں کو ایک قطرہ پانی نہیں دیں گے۔ سیبوسا کے جوانوں نے پل کو توڑ دیا۔ تلواریں سونت کر نکل پڑے۔ اور گھمسان کا رن پڑا۔ حماۃ میں بھی شہر والوں نے شہر میں گھسنے نہ دیا۔

حمص میں بھی یہی ہوا اور شہر میں داخلہ ممکن نہ ہو سکا۔ اسیرانِ بلا کی کامل خموشی کے بعد بھی یزید کے شاہانہ طنطنوں کے مقابلے میں اس قسم کی مزاحمتیں اور مخالفتیں اہلِ فکر و نظر کے لئے ایک بڑا سرمایۂ غور و فکر تو خیر ہیں ہی مگر یہ باتیں ان کی حقانیت کا ثبوت اور اُن کی مظلومیت کی گواہ بلکہ فتح حق کی ایک روشن نشانی بھی ہیں۔ اور قدرتِ کاملہ کی کمال کارسازی و کارفرمائی کی اس تاریخی حقیقت کی طرف رہنمائی بھی کرتی ہیں کہ بالآخر ظلم کا سرنیچا ہوتا ہے! اور انقلاب مظالم کے تناسب کے ساتھ رونما ہوتا ہے۔ یہ درسِ عبرت بھی ملتا ہے کہ اللہ کا حکم، قہر و غلبہ اور قوّت و جبروت کو فنا کے گھاٹ اُتار کر، بڑے بڑے کرّوفر والے شاہوں اور شہنشاہوں تک کے تاج و تخت کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

بہرحال یہاں تو یہ عالم تھا کہ آئینہ بندی و آرائش کی دلکشیوں، فتح کے باجوں، اور شادیانوں کی صداؤں، چنگ و رباب کی دلفریبیوں اور دف دلنے کی سامعہ نوازیوں اور لباسِ فاخرہ میں ملبوس عامیوں کے اژدہام میں مسلمانوں کے نبیؐ کے اہلبیت کا تباہ حال قافلہ جو صبح سویرے حدودِ شہر میں داخل ہوا تھا وہ کہیں سرِ شام دربار تک پہونچ سکا۔

جب یہ قافلہ بازار سے گذرا، طلحہ کے بیٹے ابراہیم نے سیّد سجّادؑ سے پوچھا، فرزندِ حسینؑ! فتح کس کی ہوئی؟ آپؑ نے جواب میں فرمایا، جب اذان کی آواز سننا اور نماز پڑھنا تو سمجھ لینا کہ فتح کس کی ہوئی"..... پھر جب یہ قافلہ مسجدِ جامع کے قریب پہنچا تو ایک شخص نے یہ سمجھ کر کہ یہ اسیرانِ کفار ہیں ان کی تذلیل پر شکرِ خدا ادا کیا، سیّدِ سجّادؑ نے اس پیر مرد سے دریافت فرمایا "تو نے قرآن بھی پڑھا ہے؟ کیا ذوی القربیٰ کی محبت مسلمانوں پر فرض نہیں کی گئی؟ کیا اس کو اجرِ رسالتؐ قرار نہیں دیا گیا؟ کیا مسلمانوں کے مال میں ذوی القربیٰ کا پانچواں حصّہ معیّن نہیں کیا گیا؟ اور اور کیا خدا نے اُن کو بُرائی سے پاک نہیں رکھا؟ اس نے جواب دیا "بیشک ایسا ہی ہے" آپ نے فرمایا! وہ ذوی القربیٰ ہمیں تو ہیں۔ خدا کی قسم! وہ ہمیں ہیں"

اب تو وہ توبہ واستغفار کرنے اور دشمنانِ اہلبیت سے اپنی برأت کا اعلان کرنے لگا امام سے پوچھا "کیا میری توبہ قبول ہوگی؟ آپ نے فرمایا، بیشک قبول ہوگی۔ تو فی الاصل ہمیں میں سے ہے۔ یزید کو اس واقعے کا علم ہوا تو اُس نے اُس مردِ حق کو قتل کرا دیا۔ توبہ قبول ہوگئی، امامؑ کا قول سچّا ہوگیا۔

گو یہاں بہیمیّت کی سنگینی اور شیطنت کی کارستانی کا اجمالی تذکرہ بھی مقصود نہیں مگر اتنا تو بہرحال کہنا ہی ہے کہ از کوفہ تا شام غربت کی یہ مسافت ایک بڑی تبدیلی اور ایک بڑے انقلاب کا پیش خیمہ بن گئی "پیغمبرؐ سے اپنا قرض وصول کر لینے" ان کے خلاف اپنے بُغض وعناد کو بر دئے کار لانے، مظلوموں کی تحقیر وتذلیل کرنے، مقتولوں کا تماشا دیکھنے اور فخر ومُباہات کرنے کے منصوبے اور نشۂ کامرانی وسرمستی کے ولولے سب مٹ کر رہ گئے، نیست ونابود ہوگئے۔

مٹ کیسے نہ جاتے۔ جب حق گوئی کا حوصلہ اور راستبازی کا طنطنہ قدم قدم پر تبختر وتفاخر کے سر کو جھکاتا اور ذوقِ تماشا کو مجروح کرتا جا رہا تھا۔ دراصل امام حسینؑ نے اپنے مضبوط کردار سے آدمیّت کی عزّت اور عبدیت کے وقار کے نقوش کو دلوں پر ایسا جما دیا تھا۔ اور خود اپنا سر کٹا کر سربلند رہنے اور باعزّت زندگی بسر کرنے کے ایسے طریقے سکھا دیئے تھے کہ ان سے بہتر کا تصوّر امکان ہی میں نہ رہا۔ انقلاب آفرینی کیلئے امام حسینؑ کا اسمِ گرامی اور نام نامی ضرب المثل بنگیا۔ حسینؑ اور اسلام مرادف ہوگئے۔ اللہ رے آپکی شان یا حسینؑ!!

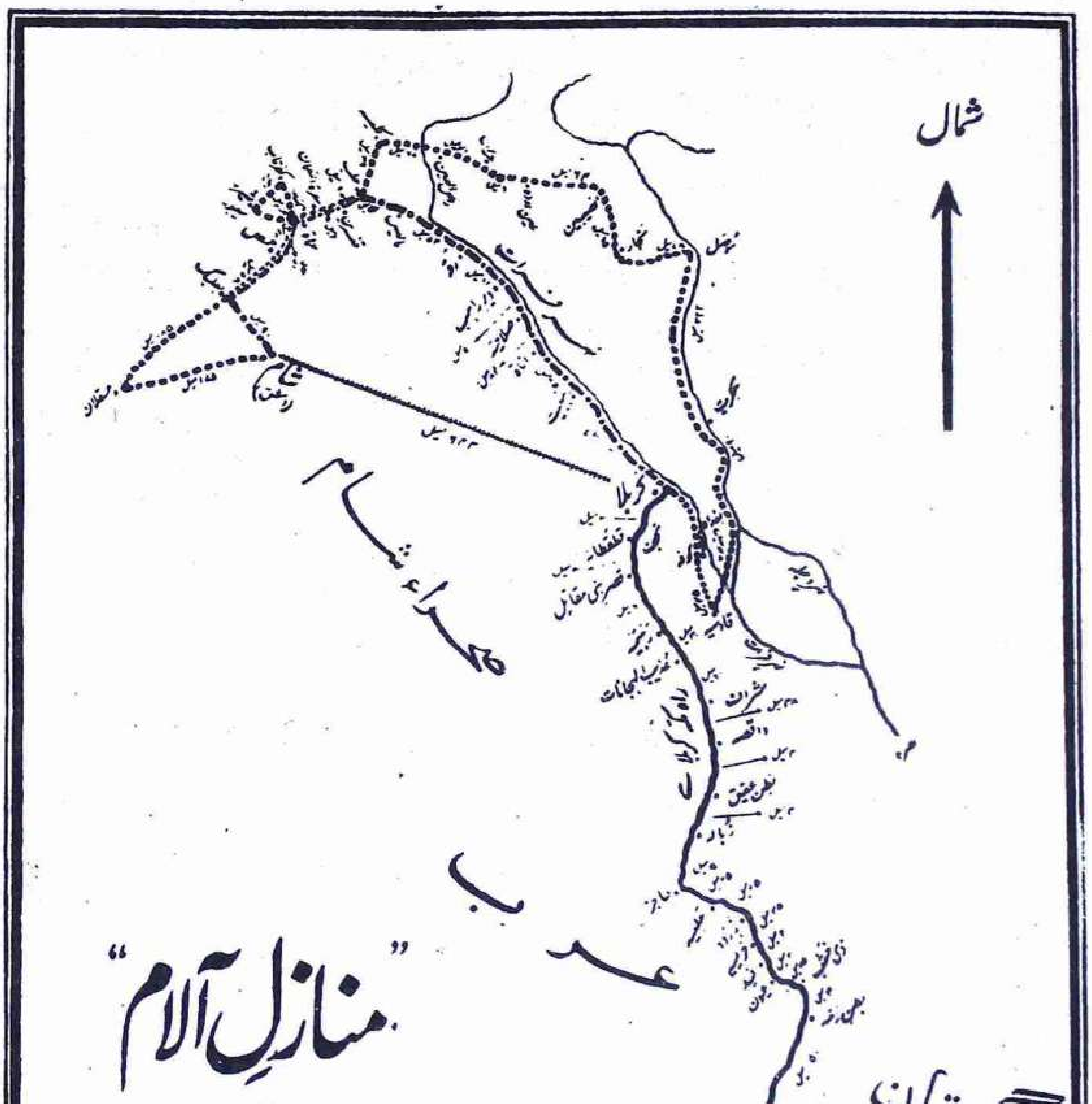
شمال
صحراء شام
کربلا
عرب
ریگستان
"منازلِ آلام"
یعنی
امام حسینؑ اور اہلبیتِ اطہارؑ کے سفر کی راہیں اور منزلیں!!
مدینے سے کربلا۔
کربلا سے شام (دمشق)
کربلا سے شام (دمشق) جانے کے وہ دو راستے
جن کو دشمنوں نے مصلحۃً اختیار نہیں کیا۔
مکہ معظمہ

ایک تاریخی حقیقت

بی بی پاک دامن

واقعاتِ کربلا کی ایک بھولی ہوئی کڑی

شہر لاہور میں نواب پیلس کے بالکل قریب ریلوے روڈ کے علاقہ میں ایک قبرستان ہے جو "بی بی پاک دامناں" کے نام سے مشہور ہے۔ اس قبرستان کے متعلق مَیں نے ایک کتاب "یادِ رفتگاں" میں تفصیلات پڑھی ہیں جس میں ہندوستان کے مشہور اولیائے کرام و صوفیائے عظام کے حالاتِ زندگی قلم بند کئے گئے ہیں۔

مذکورہ قبرستان کے متعلق ان روایتوں کی بناء پر جو لاہور اور نواح لاہور میں مشہور ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ اس جگہ امیر المومنین حضرت علیؑ کی صاحبزادی جنابِ رُقیّہؓ جو عقلات لاہور میں "بی بی حاج" کے نام سے یاد کی جاتی ہیں اور حضرت عقیل ابنِ ابی طالب کی پانچ صاحبزادیاں دفن ہیں۔ ان پانچ مخدّراتِ عصمت و طہارت کے اسماءِ گرامی حسب ذیل بتائے جاتے ہیں۔

(۱) بی بی حور (۲) بی بی نور (۳) بی بی گوہر (۴) بی بی تاج (۵) بی بی شہباز۔

اِن مخدّراتِ عصمت و طہارت کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ یہ چھے بی بیاں میدانِ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے ہمراہ موجود تھیں۔ جب نویں محرّم کو یہ یقین ہو گیا کہ عمر سعد، حضرتِ حسینؑ کی پیش کی ہوئی شرطِ صلح کو ماننے کو تیار نہیں اور صبح ایسی جنگ ہونا ضروری ہو گیا ہے جس میں حضرت امام حسین علیہ السّلام اور ان کے مٹھی بھر ساتھیوں کو یزید کے ٹڈّی دَل سے مقابلہ کر کے جامِ شہادت نوش کرنا یقینی ہے۔ تو آپ نے اِن بی بیوں سے فرمایا کہ تم اِس دشتِ بلا خیز سے کسی طرف نکل جاؤ تاکہ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر شہر بہ شہر، دیار بہ دیار نہ پھرائی جاسکو۔ اِن وفا شعار خواتین نے مصیبت کے وقت امامؑ عالیمقام کو چھوڑنا پسند نہ کیا، اور کہا کہ ہم قیامت کے دِن

سیدہ عالیہؑ کو کیا منہ دکھائیں گے ۔

حضرت امام حسینؑ نے اصرار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں ۔ بلکہ مجھے یہ حکم میرے پدرِ عالی مقدار حضرت علیؑ دے گئے ہیں ۔ اسلئے یہ مشورہ میرا نہیں بلکہ فرمانِ مرتضویؑ ہے مجبوراً اس حکم کی تعمیل میں یہ وفا کیش بی بیاں روانگی پر آمادہ ہوئیں ۔ لیکن ان مجبور بی بیوں نے مشورۃً یہ بھی پوچھا کہ ہم کو کس سمت جانا چاہیئے ۔ امامؑ نے ہندوستان چلے جانے کی رائے دی ۔ یہ بی بیاں ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتی ہوئی آخر کار لاہور پہنچیں ۔

جس طرح حضرت ختمی مرتبتؐ کی پیدائش پر آتش کدۂ ایران سرد پڑ گیا تھا، کاخ کسریٰ کے کنگورے گر گئے تھے، اور لات و ہبل سرنگوں ہو گئے تھے ۔ کچھ ایسی ہی کرامات اور خارقِ عادات چیزیں ان مخدّرات عصمت و طہارت کے ورود کے بعد لاہور میں رونما ہوئیں ۔ آتشکدے سرد ہو گئے اور اصنام سرنگوں ۔ جب لاہور کے راجہ کو ان محیّر العقول باتوں کی خبر ہوئی تو اُسنے پنڈتوں اور جوتشیوں کو بُلایا تا کہ وہ ان حیرت زدہ واقعات کے اسباب و علل پر روشنی ڈالیں ۔ ان لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ یہاں عرب سے چند بی بیاں آئی ہیں اور شاید یہ انوکھے واقعات انھیں کی آمد کا نتیجہ ہیں ۔

راجہ نے ان اجنبی خواتین کی طلبی کا حکم دیا ۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا ۔ اسکے بعد راجہ نے اپنے بیٹے کو بھیجا کہ وہ ان پردیسی عورتوں کو دربار میں حاضر کرے ۔ جب راجکمار اُن بی بیوں کے پاس پہونچا تو اُن بی بیوں نے بڑی منّت و سماجت کرتے ہوئے کہا کہ ہم غریب الوطن ہیں ۔ تمہارے شہر میں مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ ہمیں راجہ تک نہ لے جاؤ ۔ اگر ہمارا قیام یہاں تمہیں گوارہ نہیں تو ہم کہیں اور چلے جائیں گے ۔

راجکمار نے جواب دیا کہ میں مجبور ہوں اور راجہ کے حکم کی تعمیل میرے لئے ضروری ہے اس پر " بی بی حاج " نے راجکمار پر ایک ایسی غضبناک نگاہ ڈالی کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا ۔ جب ہوش آیا تو وہ بہت رویا اور بی بی صاحبہ کے قدموں پر گر کے مُعافی چاہی اور مذہب اسلام قبول کر لیا ۔ جب یہ خبر راجہ کو پہونچی تو وہ بہت گھبرایا ۔ لیکن اُن سے کوئی تعرّض نہ کیا ۔ البتّہ راجہ کے بعض بد خواہوں نے اُن بی بیوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا ۔ وہ لوگ اتنا مجبور ہوئیں کہ آخر کار

درگاہِ خداوندی میں بہ تضرّع وزاری دُعا کی، بارِالہا! ہم لوگوں کا پردہ رکھ لے اور زمین کو حکم دے کہ وہ شق ہو کر ہمیں ہمیشہ کے لئے اپنی آغوش میں لے لے۔ یہ دُعا اسی وقت مستجاب ہوئی۔ زمین میں شگاف پڑا، اور یہ عصمت مآب بی بیاں اُس میں سما گئیں۔

خاندانِ رسالتمآب کی یہ حیادار خواتین، راجہ کی طلبی پر دربار میں جانے کیلئے کسی طرح تیّار نہ ہوئیں اور جب انھیں زیادہ پریشان کیا گیا تو اسے انکا جذبۂ حیاء برداشت نہ کرسکا۔ اور انھوں نے دُعا فرمائی کہ زمین شگافتہ ہو اور ہمیں اپنے اندر لے لے۔

راجہ کا دربار، ابن زیاد اور یزید کا دربار نہ تھا۔ جہاں زینبؑ واُمّ کلثومؑ رسن بستہ کشاں کشاں لی جائی گئی تھیں۔ اور جنھوں نے وہ تمام دنیاوی ذِلّت وخواری، صبروتحمّل کے ساتھ برداشت کی۔ جو اِن کے مقابلہ میں گورنر کوفہ اور حاکم شام کے درباروں میں روا رکھی گئی۔ کہا جاسکتا ہے۔ کہ ان مخدّرات عصمت کی قوّتِ برداشت کا اندازہ کرتے ہوئے حضرت امام حسینؑ نے انھیں جناب زینبؑ وکلثومؑ سے جدا کرکے ہندوستان کی جانب روانہ فرمادیا تھا۔ وہ ان مصائب وآلام اور اس توہین وتذلیل کو برداشت کرنے کی قوّت اپنے قلب وجگر میں نہ رکھتی تھیں جو عاشور کے دن سے لے کر سال ڈیڑھ سال کے بعد قید خانے سے رہائی کے دن تک جناب زینبؑ وکلثومؑ اور دوسری ہمراہی مخدّراتِ عصمت وطہارت کو برداشت کرنا پڑی تھیں۔ کوفہ اور دمشق کے بازاروں اور درباروں میں اور کربلا سے کوفہ اور دمشق اور کربلا کے راستوں میں جن جن ذِلّتوں کا سامنا رسُول کی نواسیوں کو کرنا پڑا۔ ان کو دیکھکر لاہور کی ان پاک دامن بی بیوں کو تابِ ضبط نہ رہتی اور ان کے دِل وجگر کا کام تمام ہوجاتا۔

جب راجکمار نے جو صدقِ دل سے اِسلام قبول کرچکا تھا۔ اور جس کا نام عبداللہ رکھا جاچکا تھا یہ کرامت دیکھی تو اس نے دُنیا قطع تعلق کرکے اور ان کی قبریں بناکر جاروب کشی کی خدمت کو اپنی زندگی کا واحد مقصد قرار دے لیا ـــــ راجہ نے اپنے بیٹے کی ان باتوں پر کوئی بازپرس نہیں کی بلکہ ان پاک بی بیوں کی قبروں کے مجاور کو کچھ آراضی بھی عطا کردی۔

راجکمار عبداللہ نے اس اعتبار سے سنیاس نہیں لیا تھا جو ہندو دھرم میں رائج ہے بلکہ لَا رُھبَانِیَۃَ فِی الْاِسْلَامِ کے حکم کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے اپنا نکاح کیا اور ازدواجی زندگی بسر کی اور اسکے

کئی اولادیں بھی ہوئیں یہ راجکمار عبداللہ زمانۂ مابعد میں "بابا خاکی" کے نام سے مشہور رہا۔

صدیوں کے بعد جب سلطان محمود غزنوی نے راجہ جے پال کو شکست دی۔ اور لاہور میں قدم رکھا۔ اور خاندان رسالتمآب ﷺ کی ان عصمت مآب بی بیوں کا تذکرہ سنا تو عقیدت و خلوص کی بناء پر اس نے اس خانقاہ کی پختہ چہار دیواری بنوائی، اور چند دالان تعمیر کرائے۔ پھر صدیوں کے بعد جب شہنشاہِ اکبر کا عہد آیا تو اس خانقاہ میں کچھ اور عمارتوں کا اضافہ ہوگیا۔ اور اسی زمانے سے یہ خانقاہ قبرستان قرار دی گئی۔

سابق کے بادشاہوں اور حکمرانوں نے اس خانقاہ کو جس قدر زمینیں بطور معافی دی تھیں۔ ان میں اکبرِ اعظم نے چار چاہات مزروعہ کا اور اضافہ کیا۔

بابا خاکی کا مزار خانقاہ کی ڈیوڑھی کے اندر واقع ہے جس کا انتقال ۱۱۰ھ ہجری میں ہوا تھا۔ اس قبرستان میں بی بی حلیمہ المعروف بہ بی بی تنوری کی قبر بھی واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بی بی حلیمہ بھی ان مظلوم سیدانیوں کے ساتھ آئی تھیں جو لاہور آکر پیوند خاک بن گئی۔ بی بی حلیمہ اپنی ان خوزادیوں کے لئے کھانا تیار کرتی تھیں، اسی مناسبت سے ان کا لقب بی بی تنوری پڑا۔ لاہور کے تمام نانبائی آجتک بی بی حلیمہ کو اپنا پیشوا خیال کرتے ہیں اور جب کام پر بیٹھتے ہیں۔ تو برکت و کامیابی کے لحاظ سے بی بی تنوری کا نام لے کر کام شروع کرتے ہیں۔

خانقاہ میں ان پاکدامن بی بیوں کا سالانہ عرس ہوتا ہے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ روایت کس حد تک حقیقت پر مبنی ہے اور اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ اسی طرح "ایوان" میں بھی بہت سی روائتیں مشہور ہیں۔ یہاں جگہ جگہ سینکڑوں مزار بنے ہوئے ہیں۔ جو کسی نہ کسی امام زادے کی طرف منسوب ہیں۔ خود "بی بی پاکدامن" کے مزار کی روایت اپنی حیثیت کی واحد روایت نہیں ہے۔ کیونکہ جناب شیث علیہ السّلام کی قبر مبارک فیض آباد (اودھ) میں واقع ہے۔ درگاہ جوگی پورہ کے متعلق جو روایت مشہور ہے اس سے ہندوپاک کا ہر ہر فرد شیعہ واقف ہے۔ اور جذبۂ عقیدت و نیازمندی میں انکی پیشانیاں آستانے پر خم نظر آتی ہیں ؛

سرِ اقدس حضرت اِمام حسینؑ علیہ السّلام کی کہانی

تاریخ کی زبانی !

حضرت اِمام حسینؓ کی شہادت کے بعد انکا سرِ اقدس کہاں دفن کیا گیا ؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو بیشک تشنۂ تحقیق ہے تاہم اس موضوع پر مختصر روشنی ڈالی جاسکتی ہے تاریخ کربلا کا مطالعہ بتاتا ہے کہ حضرت امام مظلوم کے سرِ اقدس کے دفن کرنے کے بارے میں بڑے اِختلافات ہیں ۔ مختلف علماء نے اس سلسلہ میں اپنی مختلف آراء کا اظہار کیا ہے کسی کا کہنا ہے کہ واقعۂ شہادت کے بعد بہت جگہ چکر کھانے کے بعد سرِ اقدس کو وَالیٔ عسقلان نے عسقلان میں دفن کردیا تھا ۔ کسی کا خیال ہے کہ امام حسینؓ کا سَرشام روانہ کیا گیا تو راستہ ہی میں ایک حسینیؓ پروانے نے کسی صورت سے حاصل کرکے مسجدِ کوفہ میں دفن کیا تھا لیکن جب " بنی عبّاس " برسرِ اقتدار آئے تو انھوں نے شام میں قبر کھود کر اسے عسقلان میں سپردِ خاک کیا تھا اور یہ ایک طویل عرصہ تک عسقلان ہی میں دفن رہا مگر ایک روایت کے مطابق عسقلان کے باسیوں نے ممکنہ خطرے کے پیشِ نظر سرِ اقدس کو مِصر منتقل کردیا تھا ۔

علاّمہ ہمدانی اِس سلسلہ میں رقمطراز ہیں کہ سرِ اقدس کو جنّت البقیع میں حضرت فاطمہؓ زہرأ کے مزار کے قریب دفن کیا گیا اِس سلسلہ میں بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ جب اہلبیتِ امام حسینؓ ، یزید کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور یزید نے انھیں شام کے تنگ وتاریک قید خانے سے رہا کیا تھا ۔ اور اہلبیتؓ کو مدینہ روانہ ہونے کی اجازت دی تو عمر بن سعد کے ہاتھوں سرِ اقدس ، حاکمِ مدینہ کے پاس بھیج دیا تھا اور کہلا بھیجا تھا کہ میں سَر کے متعلق کوئی حکم نہیں دے سکتا اور اسی طرح سرِ مبارک کو مدینہ کے قبرستان " جنّت البقیع " میں سپردِ خاک کیا گیا ۔ ایک روایت میں ہے کہ یزید نے سَرِ مبارک کو داخلِ خزانہ کردیا تھا ۔ ایک دِن منصور بن جمہور نامی ایک شخص

یزید کے دربار میں آیا جب وہ بیت المال میں داخل ہوا تو اسے ایک صندوق دکھایا گیا اور بھر بتایا گیا کہ بنی اُمیہ کے پاس اس سے قیمتی کوئی اور شئے نہیں جب اس نے صندوق کھول کر دیکھا تو اسمیں حضرت امام حسینؑ کا سرِ مبارک تھا۔ اس نے ایک غلام کو حکم دیا، کپڑا لایا گیا، اس نے اسمیں لپیٹ کر دمشق کے "باب الفرادیس" میں دفن کرا دیا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ سرِ امامِ مظلوم تین دن تک دمشق میں لٹکا رہا۔ لیکن جب سلیمان بن عبدالملک کا زمانہ آیا تو اس نے یزید پلید کے بیت المال سے سرِ اقدس نکلوا کر دفن کرا دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق عمر بن عبدالعزیز کا دورِ حکومت جب آیا تو انھوں نے پتہ لگایا کہ حضرت امام حسینؑ کا سرِ اقدس کہاں دفن ہے۔ معلوم ہونے پر انھوں نے قبر کھدوائی اور سرِ مبارک اپنے قبضہ میں کر لیا۔

علامہ شیخ شلیجنی کا خیال ہے کہ فرقۂ امامیہ کے مطابق سرِ اطہر چالیس دن بعد جسم سے ملا کر کربلاءِ معلّی میں دفن کر دیا گیا ہے۔ علامہ کی تحریر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا سرِ مبارک چالیس دن کے بعد جسم سے ملا کر دفن کیا گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق سرِ مبارک کو قافلۂ امام حسینؑ کے پاس رکھا گیا اور بعد میں دفن کیا گیا۔ یہ تحقیق اسطرح مکمل ہو جاتی ہے کہ جب حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام اور اُنکے قافلے کے افراد کوفہ و شام میں مصیبتیں اُٹھانے کے بعد واپس مدینہ روانہ ہوئے تھے تو اُسوقت امام زین العابدینؑ کے ہمراہ سرِ اقدس بھی تھا۔ اور آپ نے ہی جسمِ اطہر سے ملا کر سرِ مبارک کو کربلائے معلّی میں دفن کرا دیا تھا۔ "ناسخ التواریخ" کے مطابق حضرت علی بن الحسینؑ، امام حسینؑ کا سرِ اقدس لائے تھے۔ اور خود ہی سپردِ خاک کیا۔ امام زین العابدینؑ کا چالیس دن میں شام جانا اور وہاں سے واپس آجانا ممکن نہیں اس لئے کہ عراق سے دمشق جانے کیلئے دو ہی راستے تھے۔ ایک مسافت پورے چوبیس دن، جبکہ دوسری مسافت میں چالیس دن لگتے تھے لیکن اگر علامہ شیخ شلیجنی یہ کہتے کہ سرِ اقدس چالیسویں دن سپردِ خاک ہوا تو تسلیم کیا جا سکتا تھا کیونکہ اہلبیتؑ ایک سال تک قیدخانہ شام میں رہے اس سلسلہ میں زمخشری کی روایت سامنے ہے انکا کہنا ہے کہ قیدخانہ شام سے رہائی کے بعد چالیسویں کو کربلا پہونچے تو اس وقت امام زین العابدینؑ کیساتھ امامِ مظلوم کا سرِ اقدس بھی تھا اور اُسے آپنے کربلا میں جسم سے ملحق کر کے دفن کر دیا۔

سفیرِ ــــــــ آلِ محمدؐ

حضرت مسلم بن عقیل

فرمان رسالت دربارہ مسلم

کتاب آمالی میں حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ ایک دن جناب امیر علیہ السلام نے خدمت رسالت مآب میں عرض کی یا رسول اللہ انک لتحب عقیلاً یا رسولؐ اللہ آپ عقیل کو بے شک دوست رکھتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ واللہ میں عقیل کو دو محبتوں کے سبب دوست رکھتا ہوں۔ ایک تو خود ان کو محبت ہے دوسری مجھے عقیل سے محبت اس وجہ سے ہے کہ ان کا بیٹا مسلم میرے فرزند کی محبت میں قتل کیا جائے گا۔

مومنین کی آنکھیں ہمیشہ اس کی مصیبت پر اشکبار رہیں گی اور ملائکہ مقربین اس پر صلوات بھیجا کریں گے۔ یہ فرما کر حضورؐ پاک اس شدت سے روئے کہ آنسو مبارک ریش اقدس کو تر کر کے سینۂ اطہر پر گرنے لگے۔

حالات جناب مسلمؑ

حضرت مسلم جناب عقیل کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت خلافت ثانیہ کے عہد میں ہوئی۔ اوائل عمر کا زمانہ خاموشی میں بسر ہوا۔ ملکی حالات اور سیاسی کاروبار سے کوئی سروکار نہ تھا۔ جناب امیر المومنین کی صاحبزادی اور حضرت عباس کی ہمشیرہ آپ سے منسوب تھیں۔

آپ کی ذات والاصفات دیگر اہل بیت نبوت اور خانوادۂ رسالت کی طرح

مکارم اخلاق اور محاسن واطوار کا مجموعہ تھی۔ کوفہ کی سفارت اور کوفیوں کے پے درپے اصرار پر جناب امام کی نظر انتخاب نے جناب مسلم کو فرائض وکالت انجام دینے پر منتخب فرمایا۔ اپنے قدموں پر کھڑا ہونے، اپنے خاندان اور گھر والوں سے علیحدہ رہنے کٹھن منزلیں و دشوار گذار راہوں کو طے کرنے تنہا کوفہ جو ظالمین کے قبضے میں تھا۔ وارد ہونے پر کبھی اعتراض نہ ہوا۔ بلکہ فرمان امامت اور حکم امیر شریعت لطیب خاطر منظور کیا۔ اور اولی الامر کے امر کی تعمیل میں غفلت و کوتاہی کو راہ نہ دی۔

ورود کوفہ

سفیر حسینؑ مکہ سے روانہ ہوئے منزلوں کو طے کرتے ہوئے کوفہ میں وارد ہوئے مختار بن عبیدہ ثقفی اور بروایت سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان میں فروکش ہوئے آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر اہل کوفہ جوق در جوق حاضر ہوکر بیعت کرنے لگے چند ہی روز میں اٹھارہ ہزار کوفیوں نے دست جناب مسلمؑ پر فرزند رسولؐ کی بیعت کرلی۔ اور جس قدر خطوط خدمت امام میں اہل اسلام کوفہ نے تحریر کئے تھے وقتی طور پر اس کی تعمیل کردی۔ اور جناب مسلم مطمئن ہوگئے۔ لوگوں کا جوش وخروش، ولولہ ونصرت اور اظہار مودت اس انداز سے تھا کہ جناب مسلم نے حضرت امام کی خدمت اقدس میں خط تحریر کیا کہ حسب الحکم میں کوفہ میں وارد ہوا۔ جو کچھ کہ اہل کوفہ نے تحریر کیا ہے درست معلوم ہوتا ہے۔ میرے ورود سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل مسرور ہوتا ہے چند ہی روز میں کثیر تعداد بیعت کرچکی ہے۔ لہٰذا آپ جلد ہی کوفہ میں آنے کی کوشش فرماویں اور بعجلت اہل کوفہ کو سرفراز فرماویں۔

یاد رہے جو خط جناب مسلم نے حضرت امام کو تحریر فرمایا تھا وہ کوفہ کی ایک باوقار مجلس میں عمائد کوفہ اور رؤسا کے گروہ میں پڑھ کے سنا دیا تھا جس پر لوگوں نے اظہار مسرت کیا اور اس قدر خوش ہوئے کہ آنکھوں سے شدت فرحت سے آنسو گرنے لگے۔ ۱۱ ذیقعد کو حضرت عابس بن شبیب کے ہاتھ یہ مکتوب روانہ کیا۔

آلِ معاویہ و ہوا خواہان حکومت یزیدی ایجنٹوں کو حضرت مسلم بن عقیل کا ورود ناگوار گذرا۔

کوفہ میں ابنِ زیاد کا تقرر

مسلم بن سعید خضری، عمارہ بن سعد بن ابی وقاص نے یزید حاکم شام کو لکھا کہ مسلم بن عقیل یہاں فوج جمع کر رہے ہیں۔ اور کوفہ ہاتھ سے جایا چاہتا ہے۔ اگر بچانا منظور ہے۔ تو کسی ایسے شخص کو مقرر کریں جو سخت دل دشمن کش اور جابر حاکم ہو۔ امیر معاویہ کے دلبر بنی امیہ کے چشم و چراغ جگر خوروے لونے یزید نے ارکان دولت سے مشورہ کرنے کے بعد عبید اللہ بن زیاد کو والی کوفہ مقرر کیا اور حکم دیا کہ مسلم بن عقیل کو گرفتار کر کے قتل کر دو۔

ابن زیاد بد نہاد قبل ازیں والی بصرہ تھا حکم حاکم پہنچتے ہی کوفہ کی تیاری کی بعجلت تمام و بکل اہتمام وارد کوفہ ہوا۔ فرزند رسولؐ کی آمد بھی متوقع تھی۔ اہل کوفہ تاحال اپنے قول و قرار کے پابند تھے۔ امام معصوم کے انتظار میں گھڑیاں بے قراری سے کاٹ رہے تھے۔ ابن زیاد رات کے وقت داخل کوفہ ہوا۔ لوگوں کو دھوکہ ہوا۔ مرحبا بابن رسول اللہ کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ابن زیاد دارالامارہ میں داخل ہوا۔ جب ابن زیاد پر لوگوں کی نظر پڑی۔ حیران رہ گئے۔ اور جوش و خروش جاتا رہا۔ اس وقت تک اہل کوفہ ثابت قدم تھے۔ اور آمد امام کے خواہشمند یزید کے گورنر جابر و ظالم حکمران کے جابر و سنگ دل عامل نے صبح ہوتے ہی عمائد کوفہ شیوخ قبائل و سرکردہ لوگوں کو دربار میں طلب کیا۔ پہلے تو تخویف آمیز باتوں، دھمکیوں، دھونس سے ان کے ہوش و حواس پراگندہ کئے پھر ہر ایک کو حکم دیا کہ اپنے اپنے محلے اور قبیلوں میں جس جس کی رائے مخالف حکومت پائیں ان کی فہرست پیش کریں ورنہ وظیفہ بند جاگیریں ضبط اور چھپانے والا کتنا ہی معزز و مقتدر کیوں نہ ہو قتل کیا جائے گا۔ اور اس کا گھر بار لوٹ لیا جائے گا۔

اہل کوفہ کی بزدلی اور بیوفائی

حاکم ظالم کے اس خوفناک ظلم سے اہل کوفہ کے حوصلے پست ہو گئے نصرت امام اور رفاقت حق کا ولولہ دب گیا۔ ایمانی جذبہ سرد ہوا ایمان و عزت بچانے کی خاطر حمایت اہل بیت نبوت سے ہاتھ کھینچ لئے۔ اٹھارہ ہزار ہاتھ جو بیعت کا فریضہ ادا کر چکے تھے سوائے چند ایک ہاتھوں کے باقی سب اشرفیوں کی تھیلیوں، جاگیروں اور سیم و زر کے خزانوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جو آنکھیں آمد امامؑ اور ورود ہادی کی منتظر تھیں یکایک دارالامارہ کی طرف پھر گئیں۔ بشارت جنت پر ظالم دیوتا کا تصور طاغوتی طاقتوں کا تسلط جان و مال کا خوف اور جاگیروں کی ہوس۔ جاہ و منصب کی طمع غالب آنے لگی۔ ہاتھ بڑھانے والوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور دیدار کے خواہش مندوں نے مصلحت دنیا کے تحت منہ پھیر لیا اور جو دروازے افراد اہل بیت کے لئے صبح و شام کھلے رہتے تھے دفعتاً بند ہو گئے۔ جن کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے لئے اشراف کوفہ ایک دوسرے پر سبقت کرنا چاہتے تھے۔ وہی مہمان آج کوفہ کی گلی گلی اور گھر گھر پھرتا ہے کوئی پناہ نہیں دیتا۔ بھوکا ہے۔ کوئی کھانا نہیں کھلاتا۔ شب بسر کرنے کی التجا کرتا ہے ہر کوئی مکان کا دروازہ بند کر لیتا ہے۔ حتیٰ کہ کاسۂ آب کے لئے کوفیوں کے دل تنگ ہو گئے۔ بھرے کوفیوں سے ایک مومنہ عورت طوعہ کو جرأت ہوئی اور نمائندہ حسینؑ کا دل و جان سے احترام کیا۔ شام کا وقت تھا۔ محلوں کی ناکہ بندی ہو چکی تھی۔ کوفہ کے گلی کوچوں میں منادی کرائی جا چکی تھی۔ اہل کوفہ مصیبت میں نہ پڑو۔ یزید کا لشکر کثیر سر پر آن پہنچا ہے۔ ابن زیاد نے قسم کھائی ہے۔ جو شخص مسلم بن عقیل کو پناہ دیگا یا حمایت کرے گا۔ اس کو عبرت ناک سزا دی جائے گی۔ اس کا گھر لوٹ لیا جائے گا۔ نافرمانوں کو سرتابی کا مزہ چکھایا جائے گا۔ رؤسا کوفہ نے بھی جاگیروں کے لالچ اور تعزیر کے خوف سے کروٹ بدل لی اور لوگوں کو آل محمدؐ سے روگردانی اور یزید و ابن زیاد کی حمایت میں تقریریں شروع کر دیں۔ کثیر ابن شہاب، معین بن نمیر کو محلوں اور گھروں کی تلاشی پر مامور کر دیا گیا۔ اور لوگوں کو جناب مسلم کی نصرت سے باز رکھنے کے لئے سرگرم کیا گیا۔ یہ صدائیں اہل کوفہ کے دلوں پر بجلیاں بن کر گریں۔ یہاں تک خوف و ہراس کی آندھی چلی کہ عورتیں اپنے

بیٹوں بھائیوں کے ہاتھ پکڑ کر گھر کھینچ لے جاتی اور کہتیں کہ لشکر شام آ پہنچا ہے۔ تم مفت میں کیوں جان گنواتے ہو۔ انجام کار جناب مسلم تنہا رہ گئے۔ اور ایک ضعیفہ طوعہ نے اپنے مکان میں شب بسر کرنے کی اجازت دے دی۔

غرض کہ کوفیوں کی بے وفائی اور ابن زیاد کی تخویف تحریص کی کامیاب چالوں نے کوفہ پر تسلط جما لیا۔

طوعہ کے بیٹے نے ابن زیاد کو خبر دی کہ مسلم ہمارے گھر میں ہیں۔ ابن زیاد نے محمدؐ بن اشعث، عمر ابن عبید اللہ سلمی کو جناب مسلم کی گرفتاری پر معمور کر دیا گیا اور عمر ابن حریث کو فوج جمع کرنے کا حکم دیا۔

حضرت مسلم طوعہ کے گھر میں ہنوز نماز صبح پڑھ کر ابھی جا نماز پر ہی تشریف رکھتے تھے کہ دشمن سر پر آن پہنچے، فوراً اٹھ کر دو رکعت نماز پڑھی۔ ہتھیار لگائے۔ جہاد پر کمر باندھی، "اور باہر نکل کر آمادۂ قتال ہوئے"۔

جناب مسلم کی شجاعت

جناب مسلم کو یقین تھا کہ چچا علیؑ کی نگرانی میں اکیلا ہوں۔ اپنے بیگانے ہو گئے ہیں۔ گھر والوں سے جدا ہوں جہاں ظلم و ستم کی بجلیاں چمک رہی ہیں۔ خوف و ہراس کی گھٹا چھا چکی ہو۔ بے وفائی کے تیز جھکڑ حوصلے پست کر چکے ہوں۔ ایسی حالت میں عام انسان کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں اعضا شل اور اعصاب بے حس۔ لڑنا تو کجا انسان چلنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ لیکن قبیلہ ہاشم کے فرزند عبد المطلب کے چشم و چراغ نے ہاشمی شجاعت کا وہ نمونہ پیش کیا اور خون ابو طالب کے ہونے وہ گرمجوشی دکھائی کہ آغاز حرب ہی میں ڈیڑھ سو بہادروں کے سر گردنوں سے جدا ہو کر کوفہ کی گلیوں گرنے لگے۔ جب ہاشمی تلوار کی یہ تیزی بے وفا اہل دغا کوفیوں نے دیکھی تو دغا چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگے۔

محمد بن اشعث جعدہ ملعونہ کا بھائی۔ اس دستہ کا سردار تھا۔ جو جناب مسلم کو گرفتار کرنے کے لئے آیا تھا۔ یہ باقندہ خاندان کا فرد تھا۔ ہاشمی مجاہد سے پالا پڑا۔ بھپرے ہوئے

شیر کی گرج سن کر اور دلیرانہ حملوں کو آنکھوں سے دیکھ کر گھبرا گیا اور فوراً عبداللہ بن زیاد کو کمک کے لئے دوبارہ تازہ دم فوج بھیجنے کے لئے کہلوا بھیجا۔

ابن زیاد نے جواب میں کہلوا بھیجا کہ ثقلتك امك۔ تیری ماں تیرے ماتم میں صف بچھائے۔ تیرے پاس سات سو سوار ہیں۔ اور مسلم اکیلا شخص ہے۔ وہ بھی تو گرفتار نہیں کر سکتا۔ ابن اشعث نے جواب بھیجا کہ اے ابن زیاد جس کے مقابلے کے لئے تو نے ہمیں روانہ کیا ہے۔ تو کیا سمجھتا ہے کہ کوفہ کا کوئی سبزی فروش دکاندار ہے۔ وہ پیشہ شجاعت، بطالت کی کچھار کا شیر ببر ہے۔ ہاشمی خون اس کی رگوں میں گردش کر رہا ہے۔ اس کے نعرۂ تکبیر کی صدا سے نامردی سورماؤں کے کلیجے پھٹے جا رہے ہیں۔ اس کے غازیانہ حملے سے اہل کوفہ یوں بھاگ رہے ہیں جیسے شیر کے حملے سے صحرائی جانور فرار کرتے ہیں۔ جلد ہی کمک ارسال کر۔ ابن زیاد نے مزید فوج بھیجی۔ لیکن پانچ سو کی یہ جماعت بھی عقیل کے فرزند نے درہم برہم کر دی۔ قریب آنے کا حوصلہ کسے تھا۔؟ موت منہ کھولے کھڑی تھی۔ اور تلوار تھی کہ کوفیوں کا خون پیئے جا رہی تھی۔ لیکن تا ہنوز تشنہ تھی۔ اس پانچ سو میں بھی کچھ لقمۂ اجل بنے اور کچھ گلی کوچوں میں پناہ گزین ہوئے۔ سامنے تو صرف پچاس آدمی رہ گئے۔

اشعث کا بیٹا لڑائی میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مزید فوجی امداد ملنے پر بھی فرزند عقیلؑ سفیر حسینؑ پر قابو نہ پا سکا۔ آخر ابن زیاد کے حکم کے مطابق مکارانہ چال چلی گئی دور سے پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ ایک گڑھا کھودا گیا جس کا منہ خس و خاشاک سے بھر دیا گیا۔ چاروں طرف سے حملہ شروع ہو گیا۔ کچھ کوٹھوں پر کچھ گلی اور مکانوں سے، چھپ کر پتھر برسانے لگے۔

ہاشمی مجاہد تیروں اور پتھروں کی برسات میں گھر گیا۔ بدن زخمی ہو گیا۔ نیزے اور تلواریں ناری سواروں کے ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ آخر کار شیر عقیل لڑتے لڑتے اس گڑھے میں گر پڑا۔ جو اعداء نے ازراہ مکر و فریب راستے میں کھود رکھا تھا۔ چاروں طرف سے ملعون ٹوٹ پڑے۔ اور داماد علیؑ وکیل امام اپنے بلانے والے میزبانوں کے ہاتھوں

گرفتار ہو گیا۔ کئی روز کا فاقہ، دھوپ کی شدت، گرمی کی حدت، اندرونی، بیرونی، زخموں کی کثرت، پیاس کا غلبہ، لڑائی کی تھکان، غریب کوفہ، مسافر مدینہ نڈھال ہو گیا۔ شیر اسلام جناب مسلم کو گرفتار کر کے دارالامارہ میں ابن زیاد کے سامنے پیش کر دیا۔ ہماری جانیں تیری شجاعت اور تیرے استقلال پہ قربان، ضعف کے سبب دیوار کے سہارے پشت لگا کر کھڑے ہو گئے۔

فرمایا کہ پیاسا ہوں۔ مجھے پانی پلاؤ۔ ایک شخص کاسہ آب لے آیا۔ پینا چاہا، دہن اقدس سے خون اس قدر گرا کہ پیالہ لبریز ہو گیا۔ آہ سرد کھینچی اور فرمایا کہ دنیا کا آب و دانہ میری قسمت میں نہیں رہا۔ دارالامارہ بلا کر مارنے والے اشقیاء سے بھرا ہوا ہے۔ خلق تماشائی ہے ابو طالب کا پوتا۔ ہاشمی قبیلہ کا فرزند زنجیروں میں جکڑا ہوا۔ ابن زیاد کے سامنے حاضر ہے۔

کسی جی حضوری ملعون نے پوچھا مسلم! آپ نے امیر کو سلام کیوں نہیں کیا۔ فرمایا واللہ مالی امیر سوی الحسین۔ خدا کی قسم سوائے حسین ابن علی کے میرا کوئی امیر نہیں۔

جناب مسلم نے وصیت کے لئے مہلت چاہی۔ عمر سعد نے بڑھ کر کہا کہ مجھے

جناب نے فرمایا کہ پہلی وصیت تو یہ ہے میں یہاں کوفہ میں آ کر سات سو درہم کا قرض دار ہو چکا ہوں۔ میری زرہ فروخت کر کے قرض ادا کر دینا۔

دوسری وصیت یہ ہے کہ میری لاش ابن زیاد سے لے کر دفن کر دینا۔ اور میری لاش کی ہتک نہ کرنا میری حرمت ضائع نہ کرنا۔

تیسری وصیت یہ ہے کہ کوفہ آتے ہی میں اپنے آقا جناب امام حسینؑ کو خط روانہ کر چکا ہوں کہ اہل کوفہ آپ کی تشریف آوری کے لئے بے چین ہیں۔ جلد آویں ممکن ہے۔ وہ روانہ ہو چکے ہیں۔ اور کوفہ کا قصد ہو۔ کوئی آدمی بھیج کر ان کو منع کر دیں تاکہ میری طرح وہ کوفیوں کے مکر و فریب سے قتل نہ کئے جائیں۔

وصیتوں پر کیا عمل ہونا تھا۔ وہ تو خون حسینؑ کے پیاسے تھے۔ وہی تو بنی امیہ کے مطلوب تھے۔ آخر کار ملاعین کوفہ جناب مسلم کو قلعہ کی چھت پر لے گئے۔ اور بلندی سے

منہ کے بل گرا دیا۔ تمام استخوان چور چور ہو گئے۔ ابھی کچھ جان باقی ہے کہ ایک لعین نے سر اقدس کاٹ لیا۔ اور جسم مقدس کو رسی سے باندھ کر کوفہ کے بازاروں میں کھینچتے پھرے یہی سلوک جناب ہانی کی لاش کے ساتھ کیا۔ قبیلہ مذحج کے لوگوں سے دیکھا نہ گیا تلواریں کھینچ لیں۔ کشت و خون کے بعد لاش ان سے چھین لی غسل و کفن کے بعد جنازہ پڑھ کر متصل مسجد کوفہ دفن کیا۔

نتائج

۱۔ اہل کوفہ نے غداری، بے وفائی، دغابازی، بزدلی، حرص دنیا کا پورا پورا ثبوت دیا۔

۲۔ ابن زیاد ملعون . . . . کی مکارانہ چالیں اور سیاسی حربے کارگر ثابت ہوئے۔

۳۔ بنی امیہ کو صرف حکومت کی بقاء اور استحکام مطلوب تھا۔ دین شریعت، تقویٰ، خوف خدا سے کوئی سرورنہ تھا بلکہ اسلام کو مٹانے، قرآن کو جلانے، روح پیغمبر کو ستانے میں انہیں بڑا مزہ حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ جناب مسلم نے استقلال، پامردی اور شجاعت کا وہ نمونہ پیش کیا کہ کوفہ کی فضا میں تاریخ وفا پر دائمی نقش ابھارا۔ اگر جناب مسلم چاہتے تو راہِ فرار اختیار کر کے جان بچا لیتے۔ ابن زیاد سے معافی مانگ کر باعزت بری ہو جاتے۔ مگر سفیر نے فرمانِ امام کی پوری طرح تعمیل کی۔ سینکڑوں ناریوں کی موت کے گھاٹ اتارا اور ہزاروں کوفیوں کو ماتم اشقیاء میں چھوڑ کر جام شہادت نوش کیا۔ اور قلعہ کی چھت پر زخمی انگلی کے ساتھ فضاء کوفہ پر نقش وفا ثبت کیا۔

اسمائے گرامی شہدائے کربلا

نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبر شمار	اسمائے گرامی
۱	نعیم بن عجلان	۱۹	عمار بن حسان
۲	عمران ابن کعب	۲۰	عبدالرحمٰن بن مسعود
۳	حنظلہ بن عمر	۲۱	عبداللہ ابن احمد
۴	قاصد بن زہیر	۲۲	مسلم بن کثیر
۵	مقسط بن عبداللہ	۲۳	زہیر ابن سلیم
۶	کنانہ بن عتیق	۲۴	عبداللہ بن یزید
۷	عمرو بن ضبغہ	۲۵	عبید اللہ ابن یزید
۸	عامر بن مسلم	۲۶	سیف ابن مالک
۹	سالم مولائی عمر	۲۷	ادہم بن امیہ
۱۰	سیف بن عبداللہ	۲۸	جندب ابن حجر
۱۱	عمرو ابن عبداللہ الجندی	۲۹	جنادہ ابن کعب
۱۲	عبدالرحمٰن بن عبداللہ	۳۰	عمر بن جنادہ
۱۳	نعمان	۳۱	سالم ابن عمرو
۱۴	سوار	۳۲	قاسم حبیب الازدی
۱۵	زاہر مولائے عمرو	۳۳	بکر بن حی
۱۶	حیلہ بن علی الشیبانی	۳۴	جوین ابن مالک الیتمی
۱۷	مسعود ابن حجاج	۳۵	امیہ ابن سعد
۱۸	زہیر بن بشیر الخثعمی	۳۶	عبداللہ ابن بشر

نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبر شمار	اسمائے گرامی
۳۷	بشر بن عمرو	۵۹	سعد ابن حنظلہ
۳۸	حجاج بن بدر	۶۰	عمیر ابن عبداللہ
۳۹	عائذ ابن مجمع	۶۱	ابوثمامہ صیدادی
۴۰	اسلم ابن عمرو	۶۲	سعید ابن عبداللہ
۴۱	قارب ابن عبداللہ دئلی	۶۳	شوذب مولیٰ شاکر
۴۲	منجح ابن سہم	۶۴	عابس ابن ابی شبیب
۴۳	سعد ابن حرث	۶۵	ابوالشعثاء البہدی
۴۴	نصر ابن ابی نیزر	۶۶	عمرو ابن خالد صیدادی
۴۵	عبداللہ ابن عمیر	۶۷	جابر ابن حارث
۴۶	حُر ابن یزید	۶۸	سعد مولیٰ عمرو ابن خالد
۴۷	بریر ابن خضیر	۶۹	مجمع ابن عبداللہ
۴۸	نافع بن ہلال	۷۰	ابوعمرہ حنظلی
۴۹	مسلم ابن عوسجہ	۷۱	جون مولیٰ ابوذر
۵۰	حبیب ابن مظاہر	۷۲	حجاج ابن مسروق
۵۱	سعد ابن عبیداللہ	۷۳	عمرو ابن قرظۃ
۵۲	زہیر ابن قین	۷۴	سوید ابن عمرو
۵۳	عبداللہ ابن عروہ غفاری	۷۵	عبداللہ ابن مسلم بن عقیل
۵۴	عبدالرحمٰن ابن عروہ غفاری	۷۶	محمد بن عبداللہ
۵۵	حنظلہ ابن اسعد شبامی	۷۷	عون بن عبداللہ
۵۶	وہب ابن عبداللہ	۷۸	عبدالرحمٰن بن عقیل
۵۷	عمرو ابن خالد ازدی	۷۹	جعفر ابن عقیل
۵۸	خالد ابن عمرو	۸۰	عبداللہ بن عقیل

نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبر شمار	اسمائے گرامی
۸۱	قاسم ابن حسنؑ	۸۶	محمد اصغر ابن علیؑ
۸۲	عبداللہ ابن حسنؑ	۸۷	عباس ابن علیؑ
۸۳	عبداللہ ابن علیؑ	۸۸	علی اکبر ابن حسینؑ
۸۴	جعفر ابن علیؑ	۸۹	علی اصغر ابن حسینؑ
۸۵	عثمان ابن علیؑ	۹۰	امام حسینؑ ابن علیؑ ابن ابیطالبؑ

نوٹ:- ان میں کچھ اصحاب ایسے ہیں جو جنگ مغلوبہ میں شہید ہوئے اور بقیہ باذن امامؑ بعد قتال شہید ہوئے۔

مخدرات عصمت اطہار جو کربلا میں موجود تھیں

۱	جناب ثانیٔ زہرا حضرت زینبؑ	۱۴	دختر عثمان ابن علیؑ
۲	حضرت ام کلثوم	۱۵	زوجہ جعفر بن عقیل
۳	ام لیلیٰ مادر علی اکبر	۱۶	زوجہ موسیٰ بن عقیل
۴	رباب مادر علی اصغر	۱۷	فاطمہ کبریٰ دختر امام حسینؑ
۵	فضہ	۱۸	زوجہ عبدالرحمٰن بن عقیل
۶	زوجہ جناب مسلمؑ	۱۹	زوجہ سعد غلام جناب امیرالمومنین
۷	زوجہ حضرت عباسؑ	۲۰	زوجہ بریر ہمدانی
۸	عاتکہ بنت مسلمؑ	۲۱	زوجہ جنادہ بن کعب
۹	سکینہ بنت الحسینؑ	۲۲	زوجہ عبداللہ ابن امیر
۱۰	رقیہ بنت مسلم	۲۳	مادر وہب
۱۱	زوجہ امام حسنؑ	۲۴	زوجہ وہب
۱۲	زوجہ عثمان ابن علیؑ	۲۵	مادر عمر ابن جنادہ
۱۳	زوجہ عون ابن علیؑ	۲۶	مادر قارب بن عبداللہ

دکن کے قدیم قبائل میں عزاداری

شہادتِ عظمیٰ کی بازگشت اگر متمدن اور علم سے بہرہ ور دنیا میں سنائی دیتی ہے تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ جب تک حق و صداقت کا نام باقی ہے کربلا کی حق نمائی اور صداقت خیزی کے تذکرے ہوتے رہیں گے۔ مگر حق کی یہ رسائی یقیناً حیرت انگیز ہے کہ ہندوستان کی قدیم اقوام جو جنوبی ہند کے پہاڑوں اور جنگلوں میں زمانہ قبل تاریخ کی سی زندگی بسر کر رہی ہیں وہ بھی اس واقعہ سے آگاہ ہیں اور اس کی یاد مناتی ہیں۔ جوشؔ نے کہا تھا ؎

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

مگر کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ انسان جو بیداری سے بے خبر ہیں وہ بھی حسینؑ کی قربانی کی عظمت سے آگاہ ہیں اور پکار رہے ہیں کہ "ہمارے ہیں حسینؑ"۔

حیدرآباد دکن میں قدیم قبائل کی تعداد کا اندازہ حسب ذیل اعداد شمار سے ہو سکتا ہے۔

بھیل - ۱۸۰۲۱ گونڈ - ۱۴۲۵۲۲ پاردی - ۴۸۰۶
ارکالایا (کیکاڑی) - ۴۵۷۷۱ لمباڑے - ۴۰۴۶۱۶

یہ قبائل دکن کے ان ضلعوں میں آباد ہیں جہاں گھنے جنگل اور پہاڑیاں، چشمے اور دریا ہیں۔ عادل آباد، ورنگل اور اورنگ آباد ان کے خاص مرکز ہیں۔ مشرقی گھاٹ کا دہن بھی ان کی جولانگاہ ہے۔ ان میں سے ہر قبیلے کی رہائش، لباس طرزِ معاشرت اور ذریعۂ معاش کے مسائل بذاتِ خود تفصیل طلب موضوع ہیں۔

کربلا کے واقعہ سے ان کے عقیدے کا اندازہ اس روایت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو ضلع ورنگل میں متعدد بار میں نے سنی ہے۔ کسی پہاڑ پر ان اقوام قدیمہ کا کوئی پرانا قلعہ ہے جس کا ایک دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے اس کے لئے مشہور ہے کہ جیسے ہی محرم کا چاند فلک پر نمودار ہوتا ہے یہ قفل خود بخود کھل جاتا ہے۔ اور عشرۂ محرم کے بعد وہاں کے مجاور اُسے پھر بند کر دیتے ہیں۔

دکن میں عَلم رکھنے یا عَلم سجانے کو "**علم بٹھانا**" کہتے ہیں۔ اور عزاخانہ یا اماباڑے کو عاشورخانہ۔ ان قبائل میں کسی دھات لوہے تانبے یا چاندی کے علم تو میں نے دیکھے نہیں، مگر معلوم ہوا کہ بعض مقامات پر پرانی صنعت گری کے چند نمونے موجود ہیں۔ ورنہ عام طور پر یہ لوگ ناڑ وغیرہ کے بڑے پتے کا علم بناتے ہیں۔ جس جھونپڑی میں یہ علم بٹھاتے جاتے ہیں وہ اسی کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ اس میں سال بھر اور کوئی تقریب منعقد نہیں ہوتی۔

قطب شاہی سلطنت کے ہر گاؤں اور چھوٹے سے چھوٹے موضع میں بھی ایک عاشورخانہ اور اس کے ساتھ کچھ زمین بطور نذر وقف تھی۔ آصف جاہی سلطنت نے بھی ان اوقاف کو برقرار رکھا۔ اور اب بھی ہندوستانی حملے تک یہ برقرار تھے۔ غالباً اس رواج سے متاثر ہو کر ان فرزندانِ صحرا نے بھی اپنی متحرک اور غیر متحرک آبادیوں میں ایک گھر مراسمِ عزا کے لئے مخصوص کر دیا۔

مجھے سب سے زیادہ دلچسپی ان مختلف قبائل کے مرثیوں اور نوحوں سے تھی اور عوامی ادب کے ایک طالب علم کے لئے یہ ایک فطری چیز تھی۔ افسوس ہے کہ اکثر مجھے اچھا ترجمان نہ ملنے کی وجہ سے ان نامانوس زبانوں سے یہ نظمیں صرف سن ہی لینے پر اکتفا کرنی پڑی اور میں اس کے مفہوم سے پوری طرح واقف نہ ہو سکا۔ بڑی کدوکاوش کے بعد چند ایسی نظموں کا اردو ترجمہ میں قلمبند کر سکا جن کا مفہوم اور صحت سے مجھے پورا اطمینان ہو چکا تھا۔

سب سے پہلی نظم جسے نوحہ کہنا چاہیئے۔ پاردی قوم کی ہے جو ان اقوام میں

سب سے کم تعداد ہیں اور جن کا ذریعہ معاش چڑیماری اور جنگلی پھلوں کی تجارت ہے، اپنے اسی ذریعہ معاش کی بدولت وہ شہری اور دیہاتی آبادی سے زیادہ مانوس ہیں ایک بڈھے پادری نے مجھ سے اس نظم کا مفہوم اپنی شکستہ اور دکنی اردو میں بیان کیا۔ میرے ایک ہندو جاگیردار دوست جو خود ترقی پسند اور تعلیم یافتہ ہیں، میرے ساتھ تھے۔ میری ابتدائی گفتگو سن کے وہ یہ خیال کرنے لگے کہ میں اس سن رسیدہ انسان سے مذاق کر رہا ہوں۔ مگر جب اس بڈھے نے میرے شوق کو دیکھتے ہوئے آمادگی ظاہر کی اور پرسوز لہجہ میں نوحہ پڑھنا شروع کیا اور ٹھہر ٹھہر کر مطلب بھی بیان کرنے لگا تو وہ بھی آبدیدہ ہوگیا۔

یہ نوحہ مکالمہ کی شکل میں تھا جس کو میں نے اپنے الفاظ میں یوں نوٹ کیا تھا:۔

پادریوں کا نوحہ

چھوٹا بھائی:۔ چلو بڑے بھیا چڑیاں پکڑنے چلیں۔ اب کی میں دو بیسی ہریل پکڑوں گا۔ بہت سے طوطے بھی اور فاختائیں بھی جو البیلی اور الہڑ لڑکیوں کی طرح کوکتی ہیں۔

بڑا بھائی:۔ نہیں بھائی ہم شکار کے لئے نہیں جا سکتے۔ تم کو معلوم نہیں محرم آگیا ہے۔

چھوٹا بھائی:۔ محرم آگیا ہے؟ ارے تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ میں کالی کفنی پہنوں گا۔ تاڑ کا بڑا سا پتہ ڈھونڈ کے اس کا اونچا سا علم بناؤں گا اور ماتم کروں گا۔

یا علی دولہا یا علی دولہا یا علی دولہا

یہ حیدرآباد کا عام رواج ہے کہ محرم کے چالیس دن ہر شہر اور ہر گاؤں میں بچے اور بڑے علم لے کر گشت کرتے ہیں اور یا علیؑ دولہا کے نعرے لگاتے ہیں۔ اس بڈھے پادری نے مجھے فاتحہ کی دعا بھی بتلائی جو یہ لوگ پڑھتے ہیں۔ کچھ جنگلی پھل ایک پتے میں رکھے جاتے ہیں، اور عود اور لوبان جلاتے ہیں اور یہ دعا پڑھتے ہیں۔

"عود عود دان میں پیران میدان میں فاتحہ عباس علی کی قبول ہو!"

دوسری نظم گونڈی زبان کی تھی۔ گونڈ تعداد کے لحاظ سے ان اقوام میں لمباڑوں کے بعد سب سے زیادہ ہیں۔ گونڈ قوم کی ایک ضعیف العمر عورت نے بڑی مشکل سے اور بہت زیادہ افہام و تفہیم کے بعد وہ نظم سنائی جو عام طور پر محرم میں پڑھی جاتی ہے۔ حسن اتفاق سے ترجمان گونڈ دی زبان سے اچھی طرح واقف تھا اور اس نے بہ مشکل اس عورت کو اس بات کا یقین دلایا کہ اس نظم کو سننے میں میرا کوئی سرکاری یا قانونی مقصد نہیں ہے۔

گونڈوں کا نوحہ

"مہمان آگیا ہے بھائیو مہمان آگیا ہے" کھانے پکاؤ، پھل چن کے لاؤ۔

مگر یہ عجیب طرح کا مہمان ہے۔

ہم کھانا پکاتے ہیں۔ ہم پھل چن کے لاتے ہیں۔ مگر یہ خود کچھ نہیں کھاتا۔ ہم کو کھلا دیتا ہے۔

مہمان آگیا ہے لوگو مہمان آگیا ہے لوگو، کپڑے لے کے آؤ، پگڑی لے کے آؤ۔

مگر یہ عجیب طرح کا مہمان ہے۔

ہم کپڑے لاتے ہیں۔ ہم پگڑی لاتے ہیں، مگر یہ خود نہیں پہنتا ہم ہی کو پہنا دیتا ہے۔

بڑا دیالو۔ بڑا سخی بڑا بے نیاز ہے۔

ہر سال یہ مہمان آتا ہے مگر بچوں اور عورتوں کو ساتھ نہیں لاتا؟ ارے ٹھیک تو ہے اس کے بچے تو ندی کے کنارے مار ڈالے گئے! ٹوٹ جائیں وہ کنارے جو ننھے بچوں کو بھی کاٹ دیتی ہیں۔ ارے سچ تو ہے۔ اس کی عورتیں تو قید خانے میں ہیں۔ ٹوٹ جائیں وہ سلاخیں جو بوڑھی عورتوں کو بھی قید کر لیتی ہیں۔

بڑا دکھیارا مہمان ہے۔ اس کے لئے اونچے اونچے پیڑوں سے پتیاں توڑ کے چٹائی بناؤ۔ زرد زرد ترو ڑ کے پھول کی ترکاری اور سانبھر کا نرم نرم گوشت پکاؤ۔ ہرے ہرے کپڑے اور کالا کالا شملہ لاؤ۔

یہ نہ آئے تو کالے کالے بادل برسنا چھوڑ دیں۔
یہ نہ آئے تو ہرے ہرے پتے سوکھ جائیں
یہ نہ آئے تو جھرنے بہنا بند ہو جائیں
یہ نہ آئے تو زور زور کے جھکڑ چلیں اور جھونپڑیاں اڑ جائیں۔
مہمان آگیا ہے یارو۔ مہمان آگیا ہے یارو!"

مجھے سب سے زیادہ جس نظم نے متاثر کیا وہ لمباڑوں کا نوحہ تھا۔ عوامی شاعری اور لوک گیت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ ایک شاہکار ہے۔ اس میں عوامی جذبات جس حسن وخوبی سے ادا کئے گئے ہیں، وہ جدید شاعری کے رجحانات سے قریب تر ہیں۔ اس نظم سے آگاہی کا واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔

شکار کے سلسلے میں ایک رات لمباڑوں کی بستی میں گذارنا پڑی۔ یہ بانسوں اور بلیوں سے بنی ہوئی ایک جھونپڑی تھی جو مہمان خانہ کہلاتی تھی۔ سلیقہ، کاریگری اور خوش نمائی کو دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔ سردی کا یہ عالم تھا، دو دو کمبل اوڑھے گئے قریب ہی آگ جل رہی تھی، مگر جسم یخ ہوا جاتا تھا۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ اپنے میزبان سے گفتگو کروں جو ہاتھ میں بھری ہوئی بندوق لئے ہوئے دروازے کے پاس بیٹھا تھا۔ گفتگو تھوڑی دیر بعد اس منزل پر آ گئی۔

"کیوں بھائی! تمہارے ہاں محرم ہوتا ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ کیا ہم برہمن ہیں؟"

"تو کیا ہوتا ہے محرم میں؟"

"عاشور خانہ میں علم بیٹھتے ہیں۔ نوحے پڑھے جاتے ہیں۔"

"کوئی نوحہ یاد ہو تو ہمیں بھی سناؤ۔"

"میری بیٹی اور میرے بیٹے کو بڑا اچھا نوحہ یاد ہے، صبح کو جب گاؤں میں تم کو لے کر جاؤں گا تو سنوا دوں گا۔"

یہ وہ انسان تھا جس کی سب گاؤں والے عزت کرتے تھے اس لئے کہ ایک دفعہ اس پر ایک شیر نے حملہ کیا۔ مقابلہ ہوا۔ شیر نے اس کو کافی زخمی کر دیا، مگر اس نے

شیر کو ختم کر دیا۔ اس کے سینے اور پیٹ پر زخموں کے اتنے نشان تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔
پہاڑ سے سورج نکلنے کا منظر دیکھنے کے بعد جب ہم اس قبائلی گاؤں کے اندر گئے تو ان جنگلی باشندوں نے انتہائی خلوص سے ہمارا استقبال کیا۔ تازہ تازہ مکھن اور جوار کی روٹی کا ناشتہ کسی دربار کی دعوت سے زیادہ لذیذ اور عزیز معلوم ہو رہا تھا۔ ناشتہ کے بعد جن کا تذکرہ کیا گیا تھا وہ بھائی بہن پاس بیٹھ گئے اور نوحہ پڑھنا شروع کیا۔ ہمارے ایک ساتھی نے جن سے ترجمانی کی خواہش کی گئی تھی۔ ساتھ ساتھ ترجمہ کرنا چاہا، مگر میں نے منع کر دیا۔ مجھے وہ سادگی وہ لحن وہ عقیدت اتنی پسند آرہی تھی کہ میں ایک دفعہ مسلسل آخر تک نوحہ سننا چاہتا تھا۔ نوحہ سننے کے بعد جستہ جستہ اس کو دہرایا گیا اور میں نے اپنی ڈائری میں اس کا ترجمہ نوٹ کیا۔

پہاڑوں کا نوحہ :-

"عرب کی شہزادی کا لال تیرے تیروں سے چھلنی ہو گیا۔"

یہ تیر بہادر ہاتھوں کے چلائے ہوئے نہ تھے، یہ بزدل کمانوں سے نکلے ہوئے تیر تھے۔

دیہاتوں میں رہنے والے ایک دوسرے کی آڑ میں چھپ رہے تھے۔

یہ جو دیہاتیوں میں "چاوش" عرب پھرا کرتے ہیں، ان ہی چاوشوں نے یہ تیر چلائے تھے۔

جو دیہات میں روپیہ وصول کرنے آتے ہیں، جو جنگل میں شکار کرنے آتے ہیں۔

اپنے کھانے کے لئے نہیں "بشیر الدولہ" کے لئے "آسمان جاہ" کے لئے۔

عرب کی شہزادی کا لال تیروں سے چھلنی ہو گیا۔ اس لئے کہ اس کے پاس تیر تھے۔ کمان نہ تھی۔ وہ بہادر نہ تھا وہ تو ایسے بہادر باپ کا بیٹا تھا جس کے نام کا گنڈا پہنا جاتا ہے۔ اس کا نام لے کر تیر چھوڑو، بندوق چلاؤ تو صاف نشانہ اڑ جاتا ہے۔ وہ تو اس لئے تیروں سے چھلنی ہو گیا کہ اس کی گود میں چھ مہینے کا بچہ تھا، خون میں ڈوبا ہوا۔ اس کے کاندھے پر جوان بیٹے کی لاش تھی۔ اس کے دامن سے پیاسی اور زخمی بچے لپٹے ہوئے تھے۔ اس کی ستم رسیدہ عورتیں پکار رہی تھیں اور ہزاروں بھیڑیے اس پر تیر چلا رہے تھے ان پہاڑوں کے اس پار جہاں سے یہ

کالے کالے بادل آتے ہیں۔

عرب کی شہزادی کا لال تیروں سے چھلنی ہو گیا۔"

یہ ہیں انسانی دلوں سے نکلے ہوئے وہ نغمے جو مصنوعی نشر و اشاعت کی چمک سے آلودہ نہیں۔ وہ غم حسینؑ جس کے لئے جوشؔ نے کہا تھا

عباس نامور کے لہو سے دُھلا ہوا

اب بھی حسینیت کا علم ہے کھلا ہوا

اس غم کی میٹھی میٹھی لہریں ان پرسوز نغموں میں اس طرح اٹھتی ہیں، جیسے کوئی دل کی رگوں کو چھو رہا ہو۔ ان کی غم کی کیفیات کو دیکھ کے جنوبی ہند کی بلبل مسز سروجنی نائیڈو پکار اٹھی تھیں ؎

برہنہ پا سیاہ پوش چشم سفید اشکبار ۔۔۔ تیری مصیبتوں پہ آہ روتی ہے خلق زار زار

ہائے حسینؑ بے وطن، ہائے حسینؑ بے کفن

یہ غم سلطنتوں، بادشاہوں، امیروں اور کج کلاہوں کا غم نہیں ہے جو ان کے اثر و نفوذ کے ساتھ ختم ہو جائے۔ یہ حق پرست عوام کا جذبہ ہے جو صدہا سال کے مظالم و استبداد سے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور یہی وہ نقوش قدم ہیں جو ان کے لئے مستقبل کی رہنمائی کرتے ہیں علامہ اقبال نے اپنے مخصوص انداز میں یوں فرمایا تھا ؎

شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت ۔۔۔ سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت

تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز ۔۔۔ زندہ از تکبیر او ایماں ہنوز

بنگالی، ملتانی، پنجابی، سندھی، بلوچی، مکرانی اور دوسری پاکستانی زبانوں میں بھی ایسے ہی شہ پارے موجود ہیں، جو عوام کے خونِ دل کی تخلیق کہلائے جانے کے مستحق ہیں اب یہ ہم پاکستانی ادیبوں کا کام ہے کہ ان کی تلاش میں صحرا نوردی پر کمر بستہ ہوں۔

شجاعتِ عبّاس علیہ السلام

شجاعت بفتح شین بہادری اور دلیری و جوانمردی کو کہتے ہیں حضرت امیر المومنین کی بہادری و دلیری محتاجِ تعارف نہیں ایسے شجاع باپ کا بیٹا حضرت عباسؑ ہے۔
عباس عبس مصدر سے ہے۔ عبس کے معنی تیوری چڑھاتُرش رو ہونا چیں بجبیں ہونا۔ عباس بروزن شداد درندشیر کو کہتے ہیں۔ امیر المومنینؑ نے شجاعت وسطوت وصولت دعبوسیت کی وجہ سے اس بیٹے کا نام عباسؑ رکھا ہوگا۔

صاحب معالی السبطین نے تحریر فرمایا ہے۔ جب حضرت عباس میدان میں اُترے تھے تو دشمنوں کے بدن خوف سے کانپتے تھے۔ جسم کے جوڑ ڈر سے پھڑکتے تھے۔ ایک شعر لکھا ہے ؎

عبست وجوہ القوم خوف الموت
والعباس فیہم ضاحک متبسم

یعنی دشمنوں کے منہ موت کے خوف سے بگڑ جاتے اور عباس اس وقت متبسم ہوتے تھے۔

باپ کے زمانے میں شجاعت

طریحی مرحوم نے تحریر فرمایا ہے امیر المومنینؑ کی موجودگی میں عباسؑ شریک جنگ ہوتے تھے اور بڑے بڑے بہادروں کو پچھاڑ دیتے تھے۔ معالی السبطین جنگ صفین میں جب امام حسینؑ نے معاویہ کی فوج سے دریائے فرات کا گھاٹ چھڑایا تو عباسؑ بحیثیت مددگار امام حسینؑ کے ہمراہ تھے ابوالاعور کو شکست دے کر ہٹایا۔

معالی السبطین

صفین کا ایک واقعہ

جنگ صفین میں ایک نوجوان شہزادہ نقاب پوش میدان جنگ میں اترا۔ بڑے بڑے شجاعوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ معاویہ کے لشکری خوف سے میدان چھوڑ گئے معاویہ نے ابن شعثا نامی ایک فوجی سے کہا کہ تم مقابلے میں جاؤ۔ کہا میں دس ہزار کے مقابلے میں اکیلا لڑ سکتا ہوں اس لڑکے کے مقابلے میں کیسے جاؤں۔ میرے سات لڑکے موجود ہیں کوئی ایک اس کا سر لے آئے گا۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے ساتوں میدان میں اترے۔ اس نوجوان لڑکے نے سب کو جہنم پہنچا دیا۔ غصہ میں ابن شعثا خود میدان میں اترا کہ خود جا کر اس لڑکے کے ماں باپ کو اس کے غم میں سوگوار بناتا ہوں۔ دو ایک جھڑپ ہونے کے بعد اس لڑکے نے ابن شعثا کو ہم وزن دو ٹکڑوں میں کاٹ دیا۔ دونوں طرف کے لشکر حیران رہ گئے۔ اتنے میں حضرت علی نے آواز دے کر بلایا نقاب اٹھایا تو سب نے دیکھا کہ قمر بنی ہاشم جناب عباس تھے۔ کبریت احمر۔ معالی البطین۔

ابن زیاد کی امان

شجاعت عباسیہ کی یہ حد تھی کہ نام سن کر بہادروں کے جوڑ کانپتے تھے اور دل آب آب ہو جاتے۔ بدن کے بال کھڑے ہو جاتے۔ معالی البطین اسی وجہ سے ابن زیاد نے امان لکھ کر دی کہ شاید عباس علیحدہ ہو جائے تو لشکر ابن زیاد کا خوف گھٹ جائے اور جنگ لڑ سکیں۔

صرف پانی لینے گیا

شجاعت عباس کے لئے اتنا کافی ہے کہ جناب امام علیہ السلام نے جنگ کی اجازت نہیں دی بلکہ حکم دیا کہ جاؤ پانی لے آؤ۔ صرف ایک نیزہ لے جانے دو۔ گویا علم۔ نیزہ مشک تین چیزوں سے عباس کو مصروف کر دیا۔ معالی البطین۔

فرات کے کنارے :-

چار ہزار یا چھ ہزار بلکہ دس ہزار بحوالہ اسرار الشہادت دریائے فرات پر شامی متعین تھے بہ تحریر کبریت احمر چھ حملے کر کے ان سے کنارہ دریا چھڑا دیا۔

بیس اصحاب :-

لشکر امام کے بیس آدمی دشمنوں کے گھیرے میں آ گئے۔ اکیلے جناب عباس نے حملہ کیا اور ان سب کو بخیریت دشمن کا گھیرا توڑ کر نکال لایا۔ کبریت احمر۔

ایک ہاتھ سے جنگ :-

جب دایاں ہاتھ شہید ہو گیا تو بائیں ہاتھ میں تلوار لے کر ایسا حملہ کیا ایک سو اسی ایسے پہلوانوں کو قتل کیا جو ہزار ہزار بلکہ دو دو ہزار کا مقابلے کرنے والے تھے۔

معالی السبطین

شجاعت کی حد :-

جب بائیں ہاتھ سے ۱۸۰ ملاعین کو قتل فرمایا تو عبداللہ ابن یزید شیبانی نے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری کہ وہ ہاتھ مع تلوار ہوا میں اڑا لیکن جناب عباس نے ہوا سے تلوار کو منہ کے ساتھ پکڑا اور دشمنوں پر حملہ کیا۔ کبریت احمر

تعداد مقتولین :-

صاحب منتصل محدث حاذق ابن جمہور بحرانی نے تحریر کیا ہے کہ حضرت عباس نے ۲۵ ہزار ملاعین کو کیفر کردار کو پہنچایا۔ تمام شہدا نے ۲۵ ہزار کو قتل کیا۔ امام حسین علیہ السلام نے بہ نفس نفیس ۳ لاکھ ۳۰ ہزار قتل کئے۔ تمام لشکر عمر ابن سعد ۴ لاکھ ۶۰ ہزار تھا۔ جو ملاعین بچ گئے ان کی تعداد ۸۰ ہزار تھی۔

اسرار الشہادت دربندی

دربار یزید میں تقریر زینب :-

حقیر کے نزدیک یہ بعید نہیں ہے۔ کیونکہ علامہ بیرجندی نے کبریت احمر میں لکھا ہے کہ جب شام پہنچے تو ایک ملعون نے یزید عنید سے کہا کہ حسینؑ آیا تھوڑے اصحاب کے ساتھ ہم نے جب حملہ کیا تو وہ ایک دوسرے کی پناہ میں آڑ لیتے تھے۔ جناب زینب نے فرمایا، اے کذاب تیری ماں تیرے غم میں روئے میرے بھائی حسینؑ کی تلوار نے کوفہ کا کوئی گھر نہیں چھوڑا کہ جس گھر سے رونے چیخنے کی آواز نہ آرہی ہو۔ اور وہ سب میرے بھائی سے قتل ہوئے۔

اولاد عباس کی شجاعت :-

جناب عباس کی شہادت کے بعد جب امام حسینؑ پر حملہ ہوا تو اس وقت مولائے مظلوم کو عباس یاد آیا اس پر آپ نے استغاثہ فرمایا تو حضرت عباس کے دو فرزند محمد ابن عباس اور قاسم ابن عباس نے اپنے آپ کو مولا کے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تمہارے باپ کی شہادت کافی ہے۔ کہا نہیں جی ہم بھی آپ پر قربان ہوں گے۔ چنانچہ دونوں میدان میں اترے ایک نے دو سو پچاس ملاعین کو قتل کیا اور دوسرے نے آٹھ سو بیس ملاعین کو قتل کیا۔ کبریت احمر

جناب سید شمشاد حسین رضوی ۔ ایم اے ایل ایل بی کراچی

پاکستانی جنگی قیدی اور ذکرِ حسینؑ

پاکستانی جنگی قیدی کی حیثیت سے راقم الحروف کو ہندوستان کے جنگی قیدی کیمپ میں یوں تو بہت سے واقعات پیش آئے مگر میں محرم اور ذکرِ حسینؑ سے متعلق اپنے مشاہدات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جو قارئین کے لئے باعث دلچسپی ہوں گے میں پاکستانی شہری نظر بند کی حیثیت سے کیمپ نمبر ۳۳ رڑکی کینٹ ضلع (سہارنپور یو پی) میں فروری ۱۹۷۲ء کو ڈھاکہ سے ہندوستانی فوج اور انٹرنیشنل ریڈ کراس کی اس یقین دہانی پر منتقل کیا گیا تھا کہ دس دن کے عرصہ میں ہم شہری نظر بندوں کو پاکستان پہنچا دیا جائے گا۔ مگر ہندوستانی کیمپوں میں پہنچ کر ہم کو حکومت ہند کے عزائم کا پتہ چلا کہ وہ حکومت پاکستان سے مختلف نوعیت کی سیاسی مراعات کی خواہاں ہے۔ جس کے بغیر ہماری رہائی ممکن نہیں ہے۔ میں کیمپ نمبر ۳۳ کے جس بلاک میں نظر بند تھا۔ اس میں تقریباً ساڑھے پانچ سو پاکستانی شہری مع عورتوں بچوں کے ۳ بارکوں میں تھے اور ایک بیرک میں تقریباً تین سو پاکستانی فوجی سپاہی (بشمول نائک اور حولدار وغیرہ) تھے جن کا تعلق مختلف یونٹوں سے تھا۔ جو شہری نظر بند بغیر اہل عیال کے تھے وہ علیحدہ بیرک میں رہتے تھے اور جو حضرات اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ تھے وہ سب علیحدہ ایک بیرک میں رہتے تھے مگر بلاک سب کا ایک ہی تھا اسی کمپاؤنڈ کے اندر ساری بیرکیں تھیں لہٰذا ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور ایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔ بلاک اتنا کشادہ ہوتا تھا کہ اس میں آٹھ، نو سو آدمی باآسانی رہتے تھے کھیل کود کے لئے دو تین میدان اس کے اندر تھے۔ جس میں لوگ فٹبال، ہاکی، کرکٹ، والی بال وغیرہ کھیلتے تھے اسی بلاک کے ایک طرف فرش صاف کر کے چھوٹی سی چاردیواری

اٹھا کر نماز پڑھنے کے لئے جگہ محفوظ کر لی تھی۔ جہاں پانچوں وقت اذان ہوتی اور باجماعت نماز پڑھی جاتی تھی۔ کیمپ کے چاروں طرف کئی کئی خاردار تاروں کی باڑھ تھی اور ہر دس قدم پر مسلح سنتری اور ہر کونے پر اونچا دیدبان تھا جس پر سرچ لائٹ فٹ تھی۔ جو کئی میل تک باآسانی روشنی پھیلا سکتی تھی۔ اور اس دیدبان پر مشین گن نصب تھی اور ہر وقت پہریدار موجود رہتا تھا۔ اس کے علاوہ غروب آفتاب کے بعد فوج کے سدھائے ہوئے شکاری کتے کیمپ کے چاروں طرف پہرہ دینے کے لئے چھوڑ دیئے جاتے تھے کہ اگر کوئی فوجی یا شہری نظر بند فرار ہونے کی کوشش کرے اور سنتری کی گولی سے بچ جائے تو ان شکاری کتوں سے نہ بچ سکے۔ پورے ہندوستان میں ۹۳ ہزار پاکستانی فوجیوں اور شہری نظر بندوں کے لئے اسی طرح کے تقریباً ۹۵ کیمپ قائم تھے۔ یہ سارے کیمپ ہندوستانی فوج کی چھاؤنیوں اور فوجی بیرکوں میں تھے۔ یہ تفصیل اس لئے لکھی ہے کہ تاکہ قارئین کو کیمپ کے ماحول کا اندازہ ہو سکے۔ کیونکہ آگے جو کچھ میں لکھنا چاہتا ہوں اس ماحول کی روشنی میں اسے سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔ اس کیمپ میں آکر ہمیں حکومت ہند کے عزائم کا پتہ چلا کہ یہ ہمیں اتنی آسانی سے پاکستان پہنچانے پر راضی نہیں ہے لہٰذا طرح طرح کی پریشانیاں لاحق ہوئیں اور عجیب عجیب وسوسے پیدا ہونا شروع ہوئے۔ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ جب مسلمان پر مصیبت پڑتی ہے تو وہ اپنے اللہ کے سامنے ہی جھک کر توبہ استغفار کر کے نجات کا طالب ہوتا ہے۔ اور جب پھر اچھے دن آتے ہیں تو اپنی پرانی روش پر لوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ۔

سکھ میں ہوتا ہے حافظ بے کار
دکھ میں اللہ یاد آتا ہے

چنانچہ اس کیمپ میں بھی لوگوں نے ان مصیبت کے دنوں میں توبہ استغفار کرنا اور نمازیں پڑھنا شروع کیں۔ کچھ لوگوں نے ڈاڑھیاں بھی بڑھا لیں۔ چند حضرات نے اسی بلاک کے اندر تبلیغی جماعت کی بھی تشکیل کی اور صبح آٹھ بجے جب کیمپ کے تمام لوگوں کی گنتی ختم ہو جاتی تو اس تبلیغی جماعت کے افراد ان بے نمازی حضرات کے پاس

حاکران کو نماز پڑھنے اور باجماعت نماز میں شرکت کی دعوت دینے۔ اسی میں سے کچھ حضرات بعد نماز عشاء اسی میدان میں جمع ہو کر اللہ ہو ہو اللہ کے گھنٹوں نعرے لگاتے رہتے۔ جس پر شروع شروع میں تو ہندوستانی فوجی افراد نے اعتراض کیا مگر جب انہیں بتایا کہ یہ ہماری عبادت ہے اور اس سے تمہاری ڈسپلن میں کوئی فرق نہیں پڑتا تو انہوں نے بھی اس پابندی نہیں لگائی۔ تھوڑی تفصیل اس ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ جس بلاک میں راقم الحروف تھا اس میں پاکستانی شہری نظر بندوں کی تعداد جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ تقریباً ساڑھے پانچ سو کے قریب تھی اس تعداد میں سے راقم الحروف کے مکتبۂ فکر کے فوجی بھائی بیس تھے۔ جس میں ایک حوالدار اور دو نائب تھے اور دو خاندان شہری نظر بندوں کے تھے جس میں ایک صاحب کسی فیکٹری میں دربان تھے اور دوسرے ڈرائیور تھے یعنی شہری نظر بند متجملہ عورتیں اور بچے بارہ افراد پر مشتمل تھے۔ ۱۳ویں فرد یہ کمترین تھا جو کہ تنہا اس قید و بند کی مصیبت سے دوچار تھا۔ (خدا کا شکر ہے کہ میرے اہل و عیال کراچی میں بخیریت تھے)

اس بلاک کی ۹ سو نفوس کی آبادی میں ۳۲ افراد پر مشتمل محبانِ اہلبیتؑ کی نہایت مختصر تعداد تھی۔ پاکستانی فوجی ضابطہ کی مجبوریوں کے عوض اظہار خیال نہ کر سکتے تھے۔ لہٰذا فکری محاذ پر راقم الحروف ہی اس بلاک میں تنہا فرد تھا۔ میرا طور و طریقہ اور رکھ رکھاؤ دیگر شہری نظر بندوں اور فوجیوں کے ساتھ کچھ اس قسم کا تھا کہ لوگ بہت خیال رکھتے تھے اور عزت کرتے تھے۔ ہندوستانی حکومت کی ذہنیت کا اندازہ مجھے لگ چکا تھا کہ یہاں سے رہائی اتنی جلدی ممکن نہیں ہے لہٰذا مسافرت کا خیال ترک کر کے اپنی جگہ پر پوری نماز پڑھتا تھا اور اپنی رہائی کی دعا کرتا تھا۔ برعکس اس کے ملاؤں نے اپنے خود ساختہ فتووں کے تحت نمازیں قصر پڑھنا شروع کر دیں تھیں اور پونے دو سال تک قصر نمازیں پڑھتے رہے حالانکہ پاکستانی علماء نے ریڈیو پاکستان کے ذریعہ مطلع بھی کیا تھا کہ لوگ قصر نمازوں کے بجائے پوری نمازیں پڑھیں۔ مگر یہاں چند ملاؤں کی انا کا مسئلہ تھا۔ اسی باعث اس بلاک میں اور بلکہ تقریباً ہر بلاک میں کئی گروپ قائم ہو گئے ایک گروپ پاکستانی علماء کے فتووں اور حکومت کے مشورے کے باعث پوری نمازیں پڑھنے کے حق میں

تھا۔ اور دوسرا گروپ قصر نمازیں پڑھنے والوں اور حکومت پاکستان پر معاندانہ تنقید کرنے والوں کا تھا۔ تیسرا گروپ بریلوی اور دیوبندی مکتبہ فکر کے تحت جلسہ عید میلاد النبیؐ کے وقت پیدا ہو گیا تھا۔ اس گروپ بندی میں یہ کمترین سب کے مباحثوں اور مشوروں میں شامل کیا جاتا۔ اور اپنی معلومات کے مطابق مختلف مکاتب فکر کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس سے ایک طبقہ مطمئن اور دوسرا غیر مطمئن ہو کر یہ سمجھتا کہ اس بلاک میں بے افراتفری اور باہمی کشمکش میرے وجود سے ہے حالانکہ کشمکش ان کے فکری اختلافات کی وجہ سے تھی۔ اس کا ایک فرد واحد سے کیا تعلق ہو سکتا تھا قارئین کے لئے شائد یہ باعث تعجب ہو کہ شہری نظر بندوں میں ایک طبقہ ان بے کار اور نکھٹو قسم کے افراد کا بھی تھا۔ جو جیل کی مفت کی روٹیوں کو آزادی کی محنت سے ملنے والے رزق پر ترجیح دیتا تھا۔ اور لامحدود مدت تک اس طرح کی نظر بندی کی زندگی پر رضامند ہی نہیں بلکہ بے حد خوش تھا۔ اس قسم کے لوگ آج بھی آپ کو پاکستانی جیلوں میں ملیں گے۔ جو جیل خانے کو اپنے لئے گوشۂ عافیت سمجھتے ہیں۔ اور وہاں مستقل طور پر رہنے کے لئے تیار ہیں یہ گروہ روزہ، نماز توبہ استغفار اور رہائی کی دعا کے بجائے آپس میں لڑائی جھگڑے اور گھٹیا درجے کے کاموں کی طرف زیادہ رہتا ہے۔ جو کہ شریفوں کے لئے ہر لحاظ سے باعث زحمت ہوتا۔ ان حالات سے متاثر ہو کر میں نے ایک طویل نظم لکھی تھی۔ جس کا ایک شعر اس طبقے کی کسی حد تک عکاسی کرتا ہے۔ ؎

لفنگے مناتے ہیں ہر روز عید
شریفوں کی جاہے مٹی پلید

لفنگوں کا یہ گروہ نمازیوں اور شریفوں کا مذاق اڑانا اور اپنے لفنگے پن کی وکالت میں طرح طرح کی توجیہیں پیش کرتا۔ مثال کے طور پر جب نمازی نماز پڑھنے اور توبہ استغفار کر کے خدا کے حضور پشیمان ہو کر اس قید سے رہائی کے لئے دعا گو ہونے کو کہتے تو یہ لوگ ان کو جواب دیتے۔

اس کفرستان کی زمین پر آپ پانچ وقت سجدے کرتے ہیں۔ اذانیں دیتے ہیں۔

تلاوت کرتے ہیں۔ جہاں پہلے سنکھ بجتے تھے، اور بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ لہٰذا یہ زمین خدا سے دعا کرتی ہے کہ ان نمازیوں و مؤذنوں اور قاریوں کو یہاں اسے خدا عرصہ دراز تک قید رکھ تاکہ تیرا نام لیا جاتا رہے۔ ظاہر ہے اس استدلال پر ہر نمازی چراغ پا ہوتا تھا غرض یہ کہ نہ بے نمازیوں کا گروہ توبہ واستغفار اور اعمال وصالح کی طرف راغب ہوتا تھا اور نہ ملاؤں کا گروہ انہیں درگزر کرنے پر آمادہ ہوتا تھا۔ دونوں گروپ ایک دوسرے کو اس مصیبت میں مبتلا رہنے کا باعث سمجھتے تھے۔ اس ماحول میں راقم الحروف کی پوزیشن بہت نازک تھی۔ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میرے ہر طور طریقے کے باعث ہر شخص میری عزت کرتا تھا۔ مگر مولویوں کا یہ گروپ اپنی باہمی گفتگو میں حسب عادت میری تشیع کی وجہ سے آنکھیں بھوئیں ضرور چڑھاتا تھا۔ اور اکثر یہ بھی سنا گیا تھا کہ بلاک میں گروپ بندی اور اس میں کشیدگی میری پیدا کردہ ہے۔ حالانکہ ایک فرد واحد کی حیثیت سے مجھے اپنی عزت و آبرو بچا کر رہنا خود مشکل ہو رہا تھا۔

ایک بات اور بتاتا چلوں کہ کیمپ کی فوجی انتظامیہ کی طرف سے مہینے میں ایک یا دو بار بلاک کے اندر ہی میدان میں پردہ لگا کر ہندوستانی فلم بھی دکھائی جاتی تھی۔ مجھے فلمیں دیکھنے کا یوں بھی شوق نہیں ہے۔ اور پھر ان حالات میں اپنے اہل وعیال سے دور ہونے کے باعث اور بھی اس طرف دل مائل نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا جس دن میدان میں فلم دکھائی جاتی اور کمرے کے تمام لوگ فلم دیکھنے چلے جاتے تو میں اپنے کمرے کے سامنے ٹہلا کرتا تھا۔ اور اس دن عشاء کی نماز میں نمازیوں کی تعداد ضرور گنتا تھا۔ جو مشکل سے صرف پندرہ سولہ آدمی ہوتے تھے۔ باقی سارے نمازی اس دن کی نماز چھوڑ کر فلم دیکھنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ دوسرے دن جب مولوی صاحبان ان کو لعنت ملامت کرتے تو، اس میں کے اکثر منہ پھٹ یہ کہہ دیتے کہ نماز تو ہم قضا بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اگر فلم چھوڑ دیں تو پھر دوبارہ دیکھنے کو کہاں ملے گی۔؟ اس ماحول اور فکری ناپختگی کو اگر اتنی تفصیل سے نہ بیان کرتا تو جو کچھ میں آگے لکھنا چاہتا ہوں اسے پورے طور پر سمجھنے میں مشکل ہوتی۔

ماہ محرم کی آمد میں پندرہ سولہ دن باقی تھے، میں بہت پریشان تھا کہ آخر حسینؑ کا

ماتم اس کیمپ اور اس ماحول میں کیسے ممکن ہوگا۔ طرح طرح کے خیالات آتے اسکیمیں ذہن میں آئیں مگر نظر بندی کیمپ کا ماحول اس کے ضوابط و قواعد کی وجہ سے نتائج خاطر خواہ نہ نکلتے نظر آتے تھے۔ عزائے حسینؑ کے لئے جناب سیدہ کی حسرت اور ان کا سرور کائناتؐ سے بے چین ہو کر یہ دریافت کرنا کہ۔

بابا جب آپؐ نہ ہوں گے، ابوالحسنؑ نہ ہوں گے میں بھی نہ ہوں گی تو میرے مظلوم بیٹے حسینؑ کی صف ماتم کون بچھائے گا۔؟ اس پر جناب سرور کائناتؐ کا یہ فرمانا! بیٹی رنجیدہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم پیدا کر دے گا جس کے بچے حسینؑ کا ماتم کریں گے۔ عورتیں اہل حرم کی مصیبت پر اشکبار ہوں گی۔ نوجوان حسینؑ کے نوجوانوں کا غم کریں گے۔ اور تیرے حسینؑ کی صف ماتم بچھانے والے قیامت تک کم نہ ہوں گے۔

جناب سیدہؑ اور سرور کائناتؐ کی یہ گفتگو میرے ذہن میں تھی۔ اور اندر سے دل گواہی دے رہا تھا کہ مظلوم کربلا کی صف ماتم بچھانے کی کوئی سبیل ضرور پیدا ہوگی۔ دو چار دن بعد میرے کمرے کے ایک آدمی نے مجھے بتایا کہ سامنے والی بیرک میں پاکستانی فوجی محرم کے لئے ایک چبوترا بنا رہے ہیں۔ بظاہر یہ اطلاع بہت معمولی سی بات تھی۔ مگر میرے لئے بہت اہم خبر تھی۔ دوسرے دن میں نے چپکے چپکے ان فوجیوں سے پوچھا کہ کیا پروگرام ہے۔؟ ان لوگوں نے کہا کہ فوجی ہونے کی حیثیت سے ان پر بہت سی پابندیاں ہیں۔ مگر شہری نظر بندوں پر جنیوا کنونشن کے تحت کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور میں (راقم الحروف) یہ کام زیادہ آسانی اور خوبصورتی سے انجام دے سکتا ہوں۔ میں تو پہلے ہی اس کے لئے بہت متفکر تھا۔ اب میرے ارادوں کو اور بھی تقویت پہنچی چنانچہ میں نے فوجیوں کو تسلی دی کہ تم لوگ یہ کام مجھ پر چھوڑ دو۔ اللہ مدد کرنے والا ہے عزاداری کے سلسلے میں میں پابندیوں سے گھبرانے والا نہیں ہوں۔ البتہ تم لوگ کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے تم قانون کی زد میں آ سکو دوسرے دن جب بلاک کمانڈر آیا تو اس سے مشورہ کیا اور اس کی اجازت طلب کی۔

ہمارے بلاک کمانڈر ایک صوبیدار سرائیکی تھے جو بہت ہی بانونی اور جوشیلے آدمی تھے۔

پاکستان بننے کے بعد ہجرت کر کے ہندوستان چلے گئے تھے۔ میں نے سردار جی سے کہا کہ سردار جی دو تین دن بعد محرم کا چاند نکلے گا۔ اگر ہم لوگ اپنے وطن میں ہوتے جو کچھ ممکن ہوتا اس سلسلے میں کرتے۔ مگر اس نظر بندی کیمپ میں صرف یہی ممکن ہے کہ ہم سامنے والی بیرک میں دو چار کمبل بچھا کر ذکرِ حسینؓ دو چار گھنٹے ماتم کر لیا کریں۔ سردار جی نے مجھ سے دریافت کیا کیا اس بلاک میں ماتم کرنے والے لوگ بھی ہیں۔

ایک تو یہ ناچیز آپ کے سامنے ہے۔ دو چار اور شہری نظر بند اور بیس فوجی ہیں۔ میں نے سردار جی کو بتایا۔ فوجیوں کا نام سن کر سردار جی چونکے اور پھر بولے، واہگورو دی سوں ہم امام حسینؓ کا تابعدار ہے۔ مگر فوجیوں کا معاملہ ٹھیک نہیں ہے۔ ویسے ہم ماتمی لوگ کی بہت عزت کرتا ہے۔ جب ادھر تمہارے پاکستان میں تھا۔ اس وقت میں جوان تھا اسوقت بھی بہت عزت کرتا تھا۔ پھر ادھر چلا آیا۔ ادھر بھی میرے دل میں تم لوگ کی اسی طرح عزت ہے ہم ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں گیا ہے۔ ہر جگہ حسینؓ کا ماتم ہوتا ہے۔ ہم لوگ کو کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ مگر ہم نے دیکھا ہے کہ تمہارا ملّا بھائی ہی تم لوگ سے جھگڑا کرتا ہے ادھر ہندوستان میں تمہارے پاکستان سے ماتمی لوگ کی تعداد بہت زیادہ ہے تم اس سے پہلے کبھی ہندوستان میں آیا ہے۔؟ مجھ سے یہ بات سردار جی نے نجانے کیوں دریافت کی۔ میں نے سردار جی کو بتایا کہ میرا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ اور تمہاری طرح میں بھی تقسیم ہند کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان چلا گیا تھا۔ لکھنؤ کا نام سن کر سردار جی چونک پڑے اور کہنے لگے۔

ارے یار تمہارے لکھنؤ میں تو ملّا لوگ ہمیشہ تم لوگ سے لڑائی جھگڑا کرتا ہے برا نہ مانو تو ایک بات بولے گا۔ یہ کانگریس گورنمنٹ ہندوستان کے ملّا لوگوں کو بیوقوف بناتی ہے تم لوگ کو آپس میں ایسا لڑاتی ہے کہ تم لوگ آپس کا میل جول بھول کر لڑائی کرنے لگتے ہو۔ اپنے بڑوں سے سنا تھا کہ ملّا لوگ میں آپس میں بہت اکائی ہوتا ہے۔ مگر یار تم لوگ تو ہم لوگ سے زیادہ بیوقوف معلوم ہوتا ہے۔ سردار جی موج میں آ کر سچی بات کہہ رہے تھے۔ ان کے اس اظہار حقیقت اور مسلمانوں کے عدم اتحاد کے باعث میں دل میں شرمندہ ہو رہا تھا۔

مگر میں سردار جی سے ذکر حسینؑ کے انعقاد کے لئے اجازت حاصل کرنے کے لئے بیقرار تھا۔ لہٰذا گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے پھر ان سے دریافت کیا۔ تو سردار جی! پرسوں سے ہم لوگ یہ سلسلہ شروع کر دیں۔ تاکہ مظلوم امامؑ اور کربلا کے قیدیوں کی مصیبت یاد کر کے ہم اپنی مصیبتوں پر قابو پا سکیں۔ سردار جی چونکہ ہماری گفتگو سے موڈ میں آ چکے تھے انہوں نے بتایا۔! رضوی صاحب! بی بی فاطمہؑ کے بیٹے کی مصیبت یاد کرنے اور سننے کے لئے میں کیسے منع کر سکتا ہوں۔ جب واہگورو نے اس کے لئے منع نہیں کیا ہے۔ پھر خود ہی جوش میں آ کر بولے' ! تم لوگ حسینؑ حسینؑ ہی تو کرو گے۔ کون سا اندر اجی کا سنگھاسن چھیننے جا رہے ہو۔ خوب حسینؑ حسینؑ کرو۔ مگر بھائی ذرا ڈسپلن سے اور ایک بات اور سنو! یہ جو فوجی لوگ کو تم اپنے دل میں ملا رہے ہو! یہ لوگ کوئی گڑ بڑ تو نہیں کرے گا۔ سردار جی نے اپنی تشویش کا اظہار پاکستانی فوجیوں کے متعلق کیا۔

سردار جی! آپ میرے اوپر بھروسہ کریں۔ ہم لوگ حسینؑ کے نام لیوا ہیں۔ ہم لوگ قاعدہ، قانون، ڈسپلن کو سمجھتے ہیں۔ اور اس پر صحیح طور سے عمل کریں گے۔ اور آپ کو شکایت کا کوئی موقعہ نہیں دیں گے۔ میں نے سردار جی کو اطمینان دلایا۔ سردار جی کو جب میری طرف سے بالکل اطمینان ہو گیا تو کہنے لگے۔ رضوی صاحب ایک بات بتاؤں آپ کو اپنے متعلق۔ میرے بچے پیدا ہونے کے تھوڑے عرصے بعد مر جایا کرتے تھے۔ اس طرح میرے تین بچے مرے۔ جن دنوں میں الٰہ آباد میں تھا۔ تو میری پتنی (سردارنی) نے میرے پڑوسی ایک سید (شاہ صاحب) صاحب کی بیوی سے ذکر کیا۔ شاہ صاحب کی بیوی میری بیوی کو اپنے ساتھ محرم کی نو تاریخ کو الٰہ آباد میں ایک تعزیہ خانے میں لے گئی وہاں تعزیہ کے سامنے میری پتنی رات بھر لوبان دیتی رہی۔ اور سویرے پرشاد وغیرہ چڑھا کر چلی آئی۔ واہگورو کی کرپا سے میرے ہاں رندھیر ہوا۔ اور بالکل ٹھیک ٹھاک رہا۔ اس سمے میرا لڑکا (رندھیر) ملٹری اسکول جالندھر میں پڑھتا ہے۔ مگر میری پتنی ہر سال محرم کی نو تاریخ کو کسی بھی قریبی تعزیہ خانے میں جا کر رات بھر تعزیے کے سامنے کھڑی رہتی ہے۔ لوبان سلگاتی ہے۔ پرشاد چڑھاتی ہے اور دو چار گھٹیا بتاشے وہاں سے لے آتی ہے۔ اور اپنے پاس رکھے رہتی ہے۔ جب رندھیر

چھٹی پر گھر آتا ہے تو اس کو کھلا کر پرانتھنا کرتی ہے کہ امام صاحب۔! یہ بچہ آپ کی کرپا سے جیا ہے اس کی کرپا کی ضرورت ہے۔ یہ کہتے کہتے سردار جی کا سر عقیدت سے جھک گیا میں خود بھی متاثر ہوا۔ اس قسم کی باتیں حالانکہ عام ہیں۔ لیکن خاص طور سے ہندوستان اور پاکستان کے دیہاتوں میں جس عقیدت و احترام سے واقعہ کربلا کی یاد منائی جاتی ہے۔ وہ قابل تعریف ہے۔ سردار جی کی طرف سے منظوری ملنے کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں اور فوجیوں کو یقین دلایا کہ چاندرات سے ہم لوگ نہایت احترام اور ڈسپلن کے ساتھ مجلس و ماتم کا اہتمام کریں گے۔

دوسرے دن جب مولویوں کے گروپ کو پتہ چلا کہ ذکر حسینؑ کا انتظام ہو گیا ہے اور چاندرات سے عشرہ تک باقاعدہ مجالس اور ماتم کا انعقاد ہوگا۔ تو میرے پاس چار پانچ ملاؤں کا ایک وفد پہنچا اور مجھ سے کہنے لگا۔

رضوی صاحب! ہم لوگ آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ ماشاءاللہ تعلیم یافتہ اور حقیقت اسلام سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اچھائی برائی میں سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ اور اپنے کردار اور رکھ رکھاؤ کی وجہ سے سب لوگوں کی نظروں میں قابل عزت ہیں۔

میں نے ان کی بات کاٹتے ہوئے مؤدبانہ طور پر عرض کیا۔

میں ایک گنہگار اور بے مایہ شخص ہوں یہ آپ کی عزت افزائی ہے کہ آپ مجھ جیسے کمترین کو کسی لائق سمجھتے ہیں۔ میری حقیقت پسندی اور انکساری کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ بولے۔

دیکھیئے! مشرقی پاکستان ہم سب سے علیحدہ ہو گیا۔ ہم اس مصیبت میں بھی گرفتار ہوئے۔ اور خدا جانے اب گناہوں کی پاداش میں کب تک۔ اس جگہ مقید رہیں گے۔ ان تمام مصیبتوں اور پریشانیوں کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے احکام خداوندی کو بھلا دیا ہے۔ فسق و فجور اور لہو لعب میں پڑ گئے تھے۔ اور شرک بدعات کو اپنی زندگی میں اتنا عام کر لیا تھا کہ اسلام کی روح فنا ہو گئی تھی۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اب ہم اپنے گناہوں سے شرمسار ہو کر خدا کے حضور صدق دل سے توبہ و استغفار کریں۔ تاکہ ہم کو اس قید سے رہائی نصیب ہو۔ اس وفد کے سب سے ذی علم مولوی نے مجھ سے فرمایا۔ میں نے

اسی عجز و انکساری سے ان کی تائید کرتے ہوئے عرض کیا۔ مولوی صاحب! میں آپ سے پوری طرح متفق ہوں۔ مسلمانوں نے خدا اور رسولؐ کے احکامات ترک کر دیئے اور حرص دنیا کو فکر عقبیٰ پر ترجیح دی۔ ذاتی مفاد اور تنگ نظری کا شکار ہو کر اقوام عالم میں رسوا ہو گئے ہم کو واقعی اپنی کوتاہیوں پر پشیمان ہونا چاہیئے۔ اور اپنی خامیوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر حکم خدا اور فرمانِ رسولؐ پر عمل کر کے اپنی عظمتِ رفتہ کو واپس لانا چاہیئے تاکہ دنیا میں مثالی نظام قائم ہو سکے۔

سبحان اللہ، ماشاءاللہ! جی خوش کر دیا۔ آپ نے! ان مولوی صاحب نے فرمایا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

یہی تو میں کہنا چاہتا ہوں جو ابھی آپ نے فرمایا ہے۔ ہم لوگوں نے اڑتی اڑتی خبر سنی ضرور تھی۔ مگر یقین نہیں آرہا تھا کہ کل سے اس بلاک میں آپ کے زیرِ اہتمام ماتم وعزاداری کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ اگر یہ شرک و بدعت یہاں شروع ہو گئی تو ہم لوگ بہت عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اور پھر ہماری رہائی بہت مشکل ہو جائے گی۔ آپ سمجھدار اور تعلیم یافتہ آدمی ہیں۔ لہٰذا یہاں ایسی بات نہیں ہونا چاہیئے۔ البتہ ہم لوگ نمازیں پڑھ کر، روزے رکھ کر اور قرآن شریف پڑھ کر شہیدان کربلا کی روح کو بخشیں گے۔ مولوی صاحب نے وفد کی شکل میں آنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ میں نے اسی انکساری سے ان کو جواب دیا۔

جناب عالی! میں نے پہلے ہی عرض کیا ہے کہ اگر مسلمان سرورِ کائناتؐ خاتم المرسلین کے احکامات اور اقوال کو اپناتے تو کبھی ذلیل و رسوا نہ ہوتے۔ جس سے رسول کریمؐ نے محبت کرنے کو کہا اس سے محبت کرتے اور جس سے دور رہنے کو کہا تھا اس سے نفرت کرتے تو خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کے علاوہ ہمارا ایک مقام بھی ہوتا۔ آپ کی توجہ مبذول کراؤں (مولوی صاحب) خاتم المرسلین نے حجۃ الوداع کے موقع پر کہا تھا کہ مسلمانوں! میں تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ تم جب تک ان سے متمسک رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ حتیٰ کہ میرے پاس حوض کوثر پر نہ پہنچ جاؤ۔ ان میں

سے ایک تو اللہ کا کتاب ہے۔ اور دوسرے میرے اہلبیتؑ ہیں اور پھر اسی حجۃ الوداع کے موقعے پر ہی علیؑ کو اپنے ہاتھوں پر بلند کر کے یہ بھی کہا تھا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ اور جو اس سے محبت کرے گا۔ وہ میری محبت پائے گا۔ اور جو میری محبت پائے گا وہ خدا کی خوشنودی اور محبت حاصل کرے گا۔ اس پر دیگر صحابیوں کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بھی حضرت علیؑ کو مبارکباد پیش کی تھی۔ اب آپ یہ بتایئے کہ آپ نماز پڑھیں گے۔ روزے رکھیں گے۔ قرآن شریف پڑھیں گے مگر اہلبیتؑ سے مودت کا اظہار عملی طور پر نہیں کریں گے۔ تو احکام رسولؐ کی کس طرح تکمیل ہوگی اور آپ سچے مسلمان اور عاشق رسولؐ کس طرح بن سکیں گے۔ مثال کے طور پر ایک طبیب کسی مریض کو نسخے میں ایک شربت اور چند گولیاں تجویز کرتا۔ مریض صرف شربت پیتا ہے۔ مگر گولیوں سے اجتناب کرتا ہے۔ اس کا مرض اسی طرح قائم رہتا ہے کیونکہ طبیب کی تجویز کے مطابق اس نے مکمل نسخہ استعمال نہیں کیا۔ اب آپ بتایئے کہ مریض اس نسخے یا طبیب کی تشخیص پر اعتراض کرتا ہے تو اسے صحیح الدماغ تو نہیں کہا جا سکتا ہے۔ نماز، روزے اور تلاوت قرآن تو آپ کرنا چاہتے ہیں مگر اہلبیتؑ کے مصائب کا ذکر اور نواسہ رسولؐ کی یادگار قائم کرنے پر معترض ہیں تو احکام رسولؐ کی پیروی کہاں ہوئی۔ اور اہلبیت سے محبت کا دعویٰ کہاں تک درست ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب! آپ نے گزشتہ ہفتے کیمپ کمانڈر سے خواہش ظاہر کی تھی کہ آپ چند لوگوں کو اس رڑکی کیمپ سے قریب حضرت صابر کے مزار، کلیر شریف جانے اور زیارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ اگر ہم نواسہ رسولؐ کے روضہ کی زیارت کرنا چاہتے تو آپ اعتراض کرتے ہیں۔ مگر کلیر شریف کی زیارت کو آپ مقدم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تمام صوفیائے کرام حضرت معین الدین چشتیؒ اجمیری، نظام الدین اولیاؒ، داتا گنج بخشؒ، بابا فرید گنج شکرؒ، مولانا رومؒ اور لعل شہباز قلندرؒ وغیرہ حضرت علیؑ کو ولایت اور تصوف کا مخرج و منبع سمجھتے ہیں۔ اور اہلبیتؑ اطہار کی پائے خاک کو اپنی آنکھوں کے لیے سرمۂ بصیرت سمجھتے ہیں۔ مگر آپ معترض ہوتے ہیں۔ تعجب کا مقام ہے۔ اگر ہم اہلبیت کے مصائب میں شریک ہو کر

علیؓ اور فاطمہؓ کو پریس دیکھ رسول اللہ کی پیشن گوئی کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں تو آپ کے چشم ابرو پر بل آتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے۔؟ میں نے ان کے اعتراضات پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جس سے وہ لاجواب ہو کر یہ کہتے ہوئے میرے پاس سے اٹھ کر اور وفد کے لوگوں کو لے کر چلے گئے کہ۔!

ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ ہمیں لاجواب کر دیں گے۔ ان سے بات کرنا فضول ہوا۔ بہتر ہے بلاک کمانڈر سردار جی سے یا پھر کیمپ کمانڈر صاحب سے بات کی جائے۔

میری باتوں سے خفا ہو کر وہ بلاک کمانڈر سردار جی کے پاس گئے اور جو کچھ گفتگو ہوئی وہ ان کے ایک شریک کار کے متوسط سے مجھ تک پہنچی وہ من وعن قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش کی جا رہی ہے۔

میں نے پہلے ہی اوپر تحریر کیا ہے کہ سردار جی ہندوستانی فوج میں صوبیدار تھے جو سپاہی سے ترقی کرتے کرتے اس درجے تک پہنچے تھے۔ اور بہت ہی معمولی تعلیم یافتہ تھے۔ سیدھی اور دو ٹوک بات کرنا انہوں نے فوج میں سیکھا تھا اس وفد سے جو گفتگو ہوئی وہ بھی بالکل صاف اور دو ٹوک تھی۔ اس وفد نے سردار جی سے ذکر حسینؑ اور ماتم بند کرانے کے سلسلے میں جب اپنے خیالات کا اظہار کیا تو جو کچھ سردار جی نے ان سے کہا وہ آپ بھی سن لیں۔

آپ لوگ جو ماتم اور امام حسینؑ کی کتھا (ذکر) کے خلاف ہیں تو کیا آپ لوگ کسی دوسرے دل کے ہیں۔ (دل یعنی گروہ)

ہم سب مسلمان ہیں مگر ہم لوگ ماتم۔ تعزیہ اور علم وغیرہ کو برا سمجھتے ہیں۔ اس وفد کے سب سے ذی علم ملا نے فرمایا۔

دیکھو بھائی! ہم اتنا بھید بھاؤ نہیں سمجھتا ہے۔ سیدھی بات بتاؤ؟ وہ لوگ حسینؑ کا ماتم کرنا چاہتا ہے، کتھا کرنا مانگتا ہے۔ وہ لوگ حسینؑ دل میں ہے۔ تم لوگ حسینؑ کا ماتم، تعزیہ اور حسینؑ کی کتھا نہیں مانگتا ہے اور اس کے خلاف ہے۔ تو کیا تم لوگ یزید کے دل میں ہے۔؟ سردار جی نے فوجیوں کے انداز میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی

والا فیصلہ کرتے ہوئے دوٹوک بات کہہ دی ۔ اس سوال پر انہوں نے جھرجھری سی لی۔ مگر ایک سکھ کی بات سمجھ کر پی گئے اور مزید وضاحت فرمائی ۔

سردار جی! ہم لوگ سب مسلمان ہیں۔ مگر اپنا اپنا طریقہ الگ الگ ہے ہم لوگ یزید کے دَل میں نہیں ہیں۔ ہم لوگ بھی حسینؑ کو مانتے ہیں مگر ایسے نہیں جیسے یہ لوگ ۔"

سردار جی! اس وضاحت سے مطمئن نہیں ہوئے۔ انہوں نے اپنے سوال کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

دیکھو بھائی! ہم سیدھی بات جانتے ہیں۔ ہندوستانی فوج نے پاکستانی فوج سے لڑائی کی۔ پاکستانی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ہم نے ان کو قیدی بنا لیا۔ ہم لوگ ہندوستانی فوجی ہیں۔ جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اور سدا رہیں گے۔ اسی طرح ہم سیدھی بات جانتے ہیں۔ ایک حسینی دَل ہے جو حسینؑ کا غم کرتا ہے۔ دوسرا دَل غم نہیں کرتا ہے یا غم کرنے کو برا سمجھتا ہے۔ اور منع کرتا ہے بلکہ خوش ہوتا ہے تو وہ تو حسینی دَل میں شامل نہیں ہو سکتا ہے تو ہم تو اسے یزیدی کا دَل سمجھیں گے۔ سردار جی اپنے فیصلے پر اڑے ہوئے تھے ظاہر ہے اب اس وقت اس وفد کا سردار جی سے گفتگو کرنا بے کار تھا لہٰذا وہ لوگ آگ بگولہ ہو کر وہاں سے کھسک گئے۔ اور چلتے چلتے ان مولوی صاحب (وفد کے سربراہ) نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ کل صبح جب کیمپ کمانڈر صاحب آئیں گے تو ہم لوگ ان کے سامنے پیش ہوں گے ۔

دوسرے دن صبح کیمپ کمانڈر کے بجائے ایک راجپوت کیپٹن صاحب تشریف لائے اور بلاک کے تمام لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ کیمپ کمانڈر صاحب چند مصروفیات کی وجہ سے نہ آسکے۔ انہوں نے اپنی جگہ مجھے بھیجا ہے۔ اگر کسی کو کوئی تکلیف ہو تو پیش کرے۔ میں اسے حتیٰ الامکان دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ سنتے ہی چار پانچ آدمیوں نے ان مولوی صاحب کے اشارے پر ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ کیپٹن صاحب نے ان آدمیوں کو آگے آنے کو کہا تاکہ اطمینان سے ان کی تکالیف سنی جاسکیں ان آدمیوں میں مولوی صاحب سب سے آگے تھے۔ مولوی صاحب آگے پہنچ کر جب اپنی سانس

درست کر چکے تو کیپٹن صاحب سے کہنے لگے۔

بلاک کمانڈر صوبیدار صاحب نے کیمپ کے اندر کچھ لوگوں کو ماتم کرنے اور مجالس کرنے کی اجازت دیدی ہے۔ اور کل سے یہ سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ ہم نے صوبیدار صاحب کو اس سلسلے میں اپنا اعتراض بھی بتایا۔ مگر انہوں نے ہماری بات سنی ہی نہیں۔ صاحب ہم آپ کے کان میں ایک بات ڈالے دیتے ہیں کہ اگر اس بلاک میں آپ نے یہ سب کچھ کرنے کی اجازت دیدی تو آپس میں جھگڑے فساد کی نوبت آجائے گی پھر آپ ہم لوگوں کو الزام مت دیجئے گا۔

مولوی صاحب سے یہ باتیں سن کر کیپٹن صاحب کا چہرہ ایکدم سرخ ہو گیا۔ مجمع میں سے کچھ اور لوگ بھی بولنے لگے تھے۔ مگر کیپٹن نے ان کو سختی سے ڈانٹا۔ مولوی صاحب کو گھور کر دیکھا۔ اور "اڈیٹ" کہتے ہوئے گویا ہوئے۔

مولوی صاحب! سنئے! او تم لوگ بھی سنو! (مجمع کی طرف مخاطب ہو کر) ہم فوجی آدمی ہیں پالیٹکس نہیں جانتے ہیں اور نہ پالیٹکس کرتے ہیں۔ میں راجپوت ہوں اور گوالیار کا رہنے والا ہوں۔ ہمارے یہاں گوالیار کا مہاراجہ ہندو ہے۔ اور مسلمانوں کی تعداد پوری اسٹیٹ میں مشکل سے پانچ فیصد ہوگی۔ ہمارے گوالیار میں بھی محرم ہوتا ہے۔ پہلی محرم سے دس محرم تک اسٹیٹ کی طرف سے مجلس ہوتی ہے۔ تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ جگہ جگہ سبیلیں ہندو مسلمان سب لگاتے ہیں۔ سینکڑوں ماتم کرنے والوں کو باہر سے بلایا جاتا ہے۔ سب کو دس دن تک اسٹیٹ سے کھانا خرچہ دیا جاتا ہے اور جب تعزیہ اٹھتا ہے تو پہلے مہاراجہ تعزیے کو کندھا لگاتے ہیں۔ ادھر مہاراجہ کے محل میں تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ علم رکھے جاتے ہیں۔ اور اس جگہ کے فرش کو مہارانی انکی کنیائیں اور داسیاں اپنے بالوں سے صاف کرتی ہیں۔ گوالیار میں یہ صدیوں سے ہوتا چلا آیا ہے۔ زیادہ تعداد ہندوؤں کی ہے۔ مسلمان مشکل سے چار پانچ فیصد ہوں گے مگر آج تک وہاں کسی مسلمان نے اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ سب لوگ مل جل کر محرم مناتے ہیں۔ تم لوگ سب مسلمان ہو ایک ملک کے رہنے والے ہو تو اس پر کیوں اعتراض کرتے ہو

یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ دوسری بات اور سنو! ہماری بھارت گورنمنٹ کی طرف سے ہمارے ملک میں ہر شخص کو مذہبی آزادی ہے۔ خواہ وہ کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو۔ ہمارے بھارت میں ہر جگہ محرم ہوتا ہے۔ ماتم اور مجلسیں ہوتی ہیں تعزیہ اور علم کا جلوس نکلتا ہے۔ ہماری گورنمنٹ نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی ہے تو ہم یہاں کس طرح پابندی لگا سکتے ہیں۔ یہ کیمپ بھارت دیش سے باہر تو نہیں ہے رہ گئی بات جھگڑے فساد کی تو کان کھول کر سن لو کہ میں شریف آدمی کے لئے بہت شریف ہوں اور بدمعاش کے لئے بہت سخت ہے اگر کسی نے کیمپ کا ڈسپلن توڑنے کی کوشش کی تو اسے ایسی سزا ملے گی کہ تمام عمر یاد رہے گی۔ تم لوگ شہری نظربند ہو شرافت سے رہو بھگوان سے پرارتھنا کرو کہ پاکستان اور بھارت میں کوئی فیصلہ ہو جائے۔ اور تم لوگ اپنے اپنے گھر جا سکو۔ یہ اعلان فرمانے کے بعد ملٹری کے عام قاعدے کے مطابق کیپٹن صاحب نے مجمع کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا سمجھ گئے۔ کوئی شک و شبہ تو نہیں رہا کوئی اور سوال تو نہیں ہے۔ مجمع پر سکوت طاری ہو چکا تھا۔ کیپٹن صاحب نے اپنا فیصلہ سنا کر صوبیدار صاحب (سردار جی) سے کچھ آہستہ آہستہ کہا اور چلے گئے۔ کیپٹن صاحب کے جاتے ہی مجمع میں پھر کھچڑی پکنے لگی۔ بعض لوگ کیپٹن صاحب کے فیصلے کی تعریف کر رہے تھے۔ بعض آنکھیں بھوئیں چڑھائے ہوئے زیر لب گالیاں دے رہے تھے۔

مجھے جب مکمل اطمینان ہو گیا کہ کیمپ کمانڈر اور بلاک کمانڈر کی طرف سے اجازت مل گئی ہے تو محرم کے لئے ایسے انتظامات کئے جائیں کہ سارے انتظامات آسانی سے مکمل بھی ہو جائیں اور کیمپ کے ضوابط کے تحت بھی ہوں۔ لہٰذا باہمی مشورے سے یہ طے ہوا کہ کسی ایک جگہ کو مرکزی طور سے منتخب کر لیا جائے۔ اور تمام بلاکوں کے شہریوں اور فوجیوں کو اس مرکزی جگہ پر شریک ہونے کے لئے اجازت طلب کی جائے تاکہ مؤثر انداز سے عزاداری ہو سکے۔ لہٰذا کیمپ کمانڈر سے بصد عجز و انکسار گزارش کی گئی کہ ہمارے پروگرام کے مطابق شام کو چار سے چھ بجے تک کے لئے تمام بلاکوں کے اہل عزاء کو ایک مرکزی جگہ جمع ہو کر مجلس و ماتم کرنے کی اجازت دیدی جائے

چونکہ سات بجے شام کو گنتی کے بعد ہر بلاک کا دروازہ مقفل کر دیا جاتا تھا۔ پھر ایک بلاک سے دوسرے بلاک تک کسی کا آنا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا گنتی سے پہلے ہی فارغ ہونا ضروری تھا۔ ہماری یہ درخواست بھی منظور ہو گئی۔ ہمارے بلاک کے برابر ہی پاکستانی فوج کے افسران کا بھی بلاک تھا۔ جس میں چار پانچ افسران اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقید تھے کچھ افسران تنہا رہتے تھے۔ چنانچہ ایک کیپٹن صاحب کا کمرہ مجلس کے لئے منتخب کیا گیا۔ اور سات بجے شام کے بعد کے لئے (جبکہ ہر بلاک مقفل ہو جاتا) ہر بلاک کا ایک ایک کمرہ بلاک کی مجالس کے لئے منتخب ہوا۔ تاکہ ہر بلاک والے انفرادی طور پر بھی دس گیارہ بجے رات تک مجلس و ماتم کر سکیں۔ کیمپ میں ہماری ضروریات کی خریداری کے لئے ایک کینٹین تھی۔ جس کا ٹھیکیدار ایک مارواڑی ہندو تھا۔ ان لالہ جی سے فرمائش کر کے علم کے پنجے تعزیے کا کاغذ، بانس، کپڑا، موم بتیاں وغیرہ منگوا کر علم و تعزیہ تیار کیا گیا۔ اور عزاداری کا سامان بنایا گیا۔ چاند رات کو خیر ہم لوگوں نے انفرادی طور سے اپنے بلاکوں کے اندر ہی مجلس و ماتم کا اہتمام کیا۔ دوسرے دن یعنی محرم کو ساڑھے تین بجے دن کو ہندوستانی فوج کا ایک سپاہی ہر بلاک کے اندر جا کر ہر بیرک میں اور ہر کمرے میں آواز دے آیا کہ ٹھیک چار بجے سامنے والے بلاک میں مجلس ہو گی جس کسی کو جانا ہو وہ چار بجے سے پانچ منٹ پہلے گیٹ پر جمع ہو جائے "تاکہ ہم اسکو مجلس کے لئے اس بلاک میں لے جائیں۔ اس اعلان نے تو ان لوگوں پہ جلتی آگ پر تیل کا کام کیا جو شروع سے ہی ذکر حسین کو بند کرانے کے درپے تھے۔ البتہ میں نے اپنے دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اور کبھی کبھی ان ملاؤں کے چہروں کا رنگ دیکھنے کے لئے آہستہ سے کہہ دیتا۔

" پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے "

مجلس میں لوگوں کو جمع کرنے کا سلسلہ تو ہو گیا۔ مگر ذاکری کا مسئلہ اب بھی حل طلب تھا۔ کیوں کہ فن ذاکری سے ہم میں سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔ مگر یہ مسئلہ بھی ہم ہی کو حل کرنا تھا۔ چنانچہ ایک صاحب نے مجھ سے ہی فرمائش کی میرے واسطے یہ فرمائش بالکل اچانک اور غیر متوقع تھی۔ اس سے پہلے مجلس کبھی پڑھنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا تھا

واقعات کربلا اور فضائل و مصائب اہل بیتؑ اتنے واضح ہیں کہ ہر پڑھا لکھا شخص ان سے واقف ہے۔ فن خطابت علیحدہ چیز ہے۔ بہر حال اس ہیچمدان کو اس زندان خانے میں ذاکر حسینؑ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ مجھ جیسے کم علم اور بے سواد شخص کے لئے یہ بات آج بھی معمہ بنی ہوئی ہے کہ سامعین میں اس قدر عمدہ ذوق سماعت اور مصائب میں اس قدر رقت و گریہ کیونکر ممکن ہوسکا۔

ساتویں محرم اور عشرہ کو اسی بلاک کے اندر جلوس علم برآمد ہوا جس میں لوگوں نے دل کھول کر ماتم کیا۔ زنجیریں، چھریاں اور قمع دستیاب ہونا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا بلیڈ سے ہمارے نوجوانوں نے اپنے آپ کو ماتم کر کے لہو لہان کر لیا۔ اس جلوس علم اور ماتم کو دوسرے بلاکوں کے دوسرے لوگوں کے علاوہ مفسد ملاؤں کا وہ گروہ بھی دیکھتا رہا۔ جو کیمپ میں مجلس کو ماتم بند کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھا۔ ہمیں بلیڈ سے ماتم کرتے اور لہولہان ہوتے دیکھ کر ہندوستانی سپاہیوں کا تبصرہ بھی آپ سن لیں۔ جو ایک دوسرے سے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ میرے خیال سے یہ گفتگو ان کے تجربے کا نچوڑ اور ان کے دل کی آواز تھی۔ وہ کہہ رہے تھے۔

سردار جی! یہ عجیب قوم ہے۔ جب یہ لوگ اپنا خون اس طرح بہانے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتے ہیں تو بھلا ہم لوگوں کا خون بہانا ان کے لئے کون سا مشکل کام ہے۔ ان لوگوں سے لڑنا واقعی ہم لوگوں کے بس کا نہیں۔ تعجب ہے ان لوگوں نے ہتھیار کیسے ڈال دیئے۔؟ اس پر دوسرے سنتری نے جواب دیا۔ ارے مورکھ انہوں نے ہتھیار کب ڈالے؟ وہ تو راج نیتک (سیاست) تھی۔ اگر ان کے بنگالی بھائی ہماری سہائتا نہ کرتے تو ہم پوربی پاکستان کی دھرتی پر پاؤں بھی نہیں دھر سکتے تھے۔ وہ تو بھگوان کی کرپا سے ہم لوگ وجیئی ہو گئے۔ تم لوگ دیکھتے نہیں ہو دو سال یہ ہماری قید میں بھی رہ کر ہم سے نہیں ڈرتے ہیں اب بھی باگھ کی طرح آنکھیں پھاڑ کر ہم کو گھورتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یہ بدلہ تو ہم کو چکا ہی ہوگا۔ بھگوان سے پراتھنا کرو۔ اب بدھ کرو ورنہ اب کی ہم لوگوں پر بڑی بپتا پڑے گی۔ سنتری جی نے اپنے ساتھیوں کے سامنے اپنے خدشہ

کا اظہار کیا۔
ہمارے کیمپ کا اثر دوسرے کیمپ پر بھی پڑا دوسرے کیمپ کے لوگوں نے بھی اسی طرح مجالس وجلوس اور علم کا اہتمام کیا۔ اور دونوں کیمپوں میں شب عاشورہ کو رات بھر مجالس و ماتم کا سلسلہ جاری رہا۔ عاشورہ کی شام کو فاقہ کشی اور شام غریباں کی مجلس ہوئی۔ رات کو ہم لوگوں نے ریڈیو پاکستان سے علامہ رشید ترابی مرحوم و مغفور کی مجلس شام غریباں سنی جس میں انہوں نے اس سال پاکستانی جنگی قیدیوں کے لئے دعا کی تھی۔ اور صبر و ہمت سے کام لینے کی تلقین کی تھی۔ اس کا مجموعی طور پر ہم سب پر بہت اچھا اثر ہوا۔ ہمارے عزم و استقلال میں استقامت پیدا ہوئی۔

تھوڑے دنوں بعد سیاسی تصفیہ ہو گیا۔ اور جنگی قیدیوں کو پاکستان جانے کی اجازت مل گئی۔ اپنی روانگی سے ایک دن قبل میں نے ان مفسد بلاؤں سے کہا دیکھئے! محمدؐ و آل محمدؐ کے صدقے میں ہم زندان سے رہا ہو کر اپنے وطن عزیز کو جائیں گے۔ میرا یہ یقین کامل ہے کہ مظلوم کربلا کے طفیل ہماری مصیبتیں ختم ہوئی ہیں۔ اب تو آپ کے ذہن میں بصیرت پیدا ہونا چاہیئے۔ یاد رکھو! محمدؐ و آل محمدؐ کا مخالف اور مظلوم کربلا کے ذکر کا دشمن کبھی سرخرو نہیں ہو سکتا ہے۔ چاہے دنیا ہو یا عقبیٰ وہ کھسیانے ہو گئے۔ میری نظم کا آخری دعائیہ شعر تھا۔

ہو دیدارِ یارب وطن پاک کا
تجھے واسطہ پنجتن پاک کا!

ہماری دعائیں قبول ہو گئیں۔ ہم بخیرت تمام اپنا علم اونچا کئے ہوئے دشمن کی قید میں بھی رہے اور مظلوم کربلا کا پیغام اور شام کے قیدیوں کا غم ہمارے لئے مشعل راہ بنا رہا۔ اور اپنی سوہنی دھرتی پر پہنچ کر بھی تعلیمات محمدؐ و آل محمدؐ کو اپنی زندگی کا جزو بنایا ہوا ہے۔ ہم نے دشمن کی قید میں بھی عباسؑ کا علم بلند رکھا اور اپنے وطن میں بھی عہد کئے ہوئے ہیں کہ ذکر حسینؑ اور لشکر حسینی کے باوفا سپہ سالار کے علم کو قیامت تک بلند رکھیں گے۔ یہی سرور کائناتؐ کی پیشن گوئی بھی ہے اور جناب سیدہؑ کی دعا بھی۔

میدانِ کربلا میں اولادِ امام حسنؑ کی قربانیاں

واقعات کربلا کے سلسلہ میں بعض وقائع ایسے ہیں جن کو عقل سلیم تسلیم کرنے سے ہارب رہتی ہے۔ اب یہ اعتراض کہ ایسے واقعات کتب تواریخ میں کیسے آگئے تو اس کا سبب بظاہر یہ ہے کہ چونکہ سلاطین بنی امیہ نے ہمیشہ اور سلاطین بنی عباس نے آخر دور میں برابر اس کی سعی جاری رکھی کہ کسی نہ کسی طرح ان واقعات و حقائق پر پردہ ڈالا جائے اور اہل بیت علیہم السلام کی منزلتوں کو کم کر کے دکھایا جائے اور صحیح واقعات کو غلط ثابت کیا جائے، یہاں تک کہ حیرت دہلوی جیسے شخصوں نے شہادتِ حسینی سے ہی انکار کر دیا اور لکھ دیا کہ واقعہ کربلا ہوا ہی نہیں۔ پس اس کے مقابلہ میں موالیان و دوستداران اہل بیت کے لئے جن کو اکثر مواقع پر تقیہ سے بھی کام لینا پڑا ہے۔ رطب و یابس روایتوں کا ذکر کرنا ضروری ہو گیا۔ یہی سبب ہے کہ بعض روایتوں میں عبداللہ ابن حسنؑ سہ سالہ کا ذکر بھی آگیا ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، اپنی جگہ پر یہ صحیح ہے کہ ایک سہ سالہ صاحبزادہ جن کا اسم گرامی عبداللہ تھا، شہید ہوئے ہیں مگر جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے وہ ابن حسن نہیں ابن عباس تھے، بہرحال اولاد امام حسن میں دو کا شہید ہونا تو تقریباً مسلمات سے ہے اور دونوں نے بڑی شاندار جنگ بھی کی ہے

جناب قاسم کی شہادت تو مشہور ہی ہے۔ طریقہ رخصت میں اختلاف ہو مگر، شہادت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بعض علمائے اعلام عقد جناب قاسم کے قائل نہیں ہیں مگر بہرحال روایتیں اس کے متعلق ضرور موجود ہیں۔

جناب قاسم سیزدہ سالہ کہے جاتے ہیں۔ مستند روایتوں میں ہے کہ اجازت جہاد نہ پا سکے تو نہایت مغموم و محزون سر جھکائے ہوئے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ اس وقت

دفعتہ خیال آیا کہ والد ماجد امام حسن نے ایک تعویذ بازو پہ باندھا تھا اور مادر گرامی، سے فرمایا تھا کہ جب سب سے زیادہ سخت وقت پڑے تو اسے کام میں لانا۔ جناب قاسم کا بیان ہے کہ اس دس سالہ مدت میں جب سے امام حسن کا انتقال ہوا ہے اس سے زیادہ کوئی سخت وقت ہم پر نہیں پڑا۔ اس لئے آج اسے دیکھنا چاہیئے۔ تعویذ کو کھولا، دیکھا۔ چہرہ بالیدہ ہوا، امنگیں بڑھیں۔ ماں کے پاس خوشخبری پہنچانے گئے۔

اس میں جناب قاسم سے وصیت تھی کہ "جب تمہارے چچا پر سخت وقت پڑے اور وہ نرغۂ اعدا میں گھرے ہوں۔ تو تم اپنی جان ان پر نثار و فدا کر دینا"۔

کیا کہنا اس مسرت کا جو اس وقت جناب قاسم اور ان کی مادر گرامی جناب ام فروہ کو ہوئی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ جناب ام فروہ نے مبارک باد دی۔ بیٹا جاؤ اب تم کو اجازت مل جائے گی۔

جناب قاسم اس مبارک تحریر کو بتیابانہ حضرت امام حسینؑ کی خدمت مبارک میں لائے اور پیش کیا۔ حضرت نے اسے دیکھا۔ بھائی کا خط پہچانا، بوسہ دیا۔ آنکھوں سے لگایا۔ وہیں سے روایت ملتی ہے، کہ

فرمایا قاسم تم اپنے باپ کی وصیت پر عمل کرنے کو تیار ہو، تو میں بھی اب اس وصیت پر عمل کروں جو مجھ سے میرے بھائی نے کی تھی اس کے بعد حضرت بیت الشرف میں تشریف لے گئے اور اہتمام خاص سے واقعہ عقد قاسم پیش آیا۔

مجھے اسے تفصیل کے ساتھ لکھنا نہیں۔ عرض تو یہ کرنا ہے کہ اس کے بعد بھی کس خوشی سے ام فروہ جیسی ماں اور فاطمہ یا رقیہ جیسی بیوی نے جناب قاسم کو شہادت کے لئے رخصت کیا۔ امام حسین نے اہتمام فرمایا۔ خود گھوڑے پر سوار کیا۔ جناب قاسم میدان کارزار میں آئے رجز پڑھی اور مقابلہ شروع کیا۔ ازرق شامی ملعون کے جب چار دل ناہنجار بیٹے فی النار ہو چکے تو فطرتاً اسے غیظ آنا ہی تھا بس یہ ایک خاص موقع نظر آتا ہے کہ امام حسین نے دست دعا بلند فرمائے مگر اس لئے نہیں کہ قاسم بچ جائیں ورنہ بھیجتے ہی کاہے کو، بلکہ دعا یہ تھی کہ اس مغرور و ناہنجار پر قاسم کو کامیابی ہو چنانچہ ایسا ہی

ہوا۔ ادھر دعا ختم ہوئی اور ادھر وہ شقی ازرق فی النار ہوا۔ اور جناب قاسم نے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا۔

اس کے بعد جناب قاسم کس مسرت سے چچا کے پاس آئے ہوں گے۔ ناظرین خود غور کر سکتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا۔ العطش، العطش۔ جس کا جواب امام حسین نے انگشتری مبارک عطا فرما کر دیا اور فرمایا۔ اسے منہ میں رکھ کر چوسو! اب تم کو پیاس نہ لگے گی چنانچہ پھر جناب قاسم میدان جنگ میں واپس آئے اور پھر مبارز طلبی کی مگر اب کس میں ہمت تھی کہ مقابلہ کرتا اور جہنم میں جاتا۔ اس لئے یکبارگی پوری فوج نے حملہ کر دیا اور اس طرح جناب قاسم فوج میں گھر گئے اور روایت میں ہے۔ فقطوہ ارباً اربا۔ جناب قاسم جب گرنے لگے تو چچا کو پکارا اور امام علیہ السلام چلے مگر قبل اس کے کہ حسین نعش قاسم تک پہنچیں۔ نعش مبارک پامال ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی۔

قابل صد ستائش ہیں جناب ام فروہ مادر جناب قاسمؑ کہ خود جناب قاسم کو برضا و رغبت بھیجا ہی نہیں بلکہ با اصرار تمام اجازت دلوائی اور پھر نوحہ و ماتم بھی نہیں۔ بلکہ صبر و استقلال سے کام لیا۔

جناب قاسم ابن حسن کے بعد جناب احمد بن الحسن جن کا دوسرا نام ...... ہے اور جن کی عمر تقریباً سولہ سال بتائی جاتی ہے۔ خدمت امام میں حاضر ہو کر اجازت کے طلب گار ہوئے۔ آپ پر جناب قاسم کی شہادت کا بڑا اثر تھا۔ نہایت حزن و ملال کی حالت میں حاضر ہوئے۔ حضرت امام حسین کو فطرتاً یہ خیال ہونا چاہیئے تھا اور رہا ہو گا کہ بھائی کی ایک اولاد تو شہید ہو ہی چکی، اب دوسرے کو کیسے اجازت دیں۔ لیکن حضرت احمد ابن حسن کا یہ احتجاج کام آیا کہ

مولا چھوٹے بھائی کو تو اجازت دی گئی اور مجھے محروم کیا جا رہا ہے؟

حضرت امام حسین نے اجازت دی اور رخصت کیا۔ احمد بن حسن میدان میں تشریف لائے اور دلیرانہ رجز کے چند اشعار پڑھے، داد مردانگی دی اور پہلے ہی حملہ میں اسی سے زیادہ اشقیاء کو فنا فی النار کیا۔ پھر خوشی خوشی خدمت امام علیہ السلام میں حاضر ہوئے اور

عرض کیا کہ تھوڑا سا پانی مل جاتا تو میں دشمنان خدا اور رسول پر غالب آجاتا۔

جناب امام حسین نے فرمایا۔ میرے پیارے بھتیجے تھوڑا صبر کرو۔ تم بہت جلد اپنے دادا سے ملو گے اور وہ ایسا سیراب کریں گے کہ پھر کبھی پیاسے نہیں ہو گے۔

حضرت احمد بن الحسن پھر میدان کارزار میں واپس آئے اور پھر رجز پڑھ کر حملہ کیا ایک جماعت کثیر کو واصل جہنم کیا۔ تیسرا حملہ بھی ایسی شان سے کیا۔ یہاں تک کہ اشقیا نے مل کر ایکبارگی حملہ کر دیا اور چاروں طرف سے گھیر لیا اور جناب احمد اپنے بھائی جناب قاسم سے جنت میں جا ملے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام پر مزید غم والم کا پہاڑ پھٹ پڑا۔ جناب احمد کی نعش مبارک کو بھی حضرت امام حسین علیہ السلام قتل گاہ سے اٹھا کر لائے اور سابق شہیدوں کی نعشوں کی طرح خیمہ میں پہنچایا۔

صحیح روایات سے انہی دو صاحبزادوں اولاد امام حسن کا میدان کربلا میں شہید ہونا ثابت ہوتا ہے جسے معتبر کہا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

سرزمین ہند
میں
معجزاتِ حضرت امام حسین علیہ السلام

بھارت کے صوبہ مدھیہ پردیش میں ایک شہر ہے۔ جس کو جاورہ کہتے ہیں۔ آج سے تقریباً چورانوے سال قبل وہاں ایک ایسا واقعہ ہوا تھا۔ جس کو سوائے معجزات کے اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ ۱۳۰۲ھ میں محرم کی آٹھویں تاریخ کو یہ معجزہ ہوا تھا۔ اس کی پوری تفصیل معجزہ مولا مشکل کشا شائع کردہ افتخار بک ڈپو میں درج ہے۔ مختصراً یہ ہوا تھا کہ راون کا سر جسے جلوس کی صورت میں ہندو قومیں رام لیلا کے موقع پر نکالتی ہیں۔ ایک ایسے راستے سے گزرنے والا تھا۔ جہاں اس علاقے کے مسلمانوں نے تعزیہ بناکر لب سڑک رکھا تھا۔ یہ تعزیہ ٹھوس لکڑی کا تقریباً ۳۰ فٹ اونچا تھا۔ اور دوسو آدمی مل کر اسے اٹھاتے تھے۔ جب راون کا سر قریب تعزیہ پہنچا تو معجزانہ طور پر یہ وزنی تعزیہ اپنے مقام سے بغیر کسی سہارے کے اتنا بلند ہوگیا کہ ہندوؤں کے جلوس کا کوئی نشان (جھنڈا) اس کو نہیں چھو سکتا تھا۔ اس واقعہ کو پورے شہر کے مسلمانوں نے دیکھا اور ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ نہ تو کھانا ہی کھایا، نہ پانی پیا اور گریہ وزاری میں مصروف ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے وہ تمام تعزیے جو شہر بھر میں بنائے جاتے تھے۔ دریا میں جاکر ٹھنڈے کردیئے۔

دوسرے دن کی صبح کو ایک اور معجزہ ہوا۔ شہر جاورہ سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی تھی۔ اس کے عقب میں ایک گاؤں تھا۔۔!

جس کو روجھانہ کہتے تھے۔ وہاں جاروب کشوں کی بستی تھی۔ جو علی الصبح جادرہ جاکر اپنے روزمرہ کے فرائض ادا کرتی تھی۔ چنانچہ یہ لوگ جب اپنے گھروں سے چلے تو انہوں نے دیکھا کہ شہر کے تمام تعزیے جو مسلمانوں نے ایک دن قبل ٹھنڈے کر دیئے تھے اور دریا برد کر دیئے تھے پوری شان و شوکت کے ساتھ ایک پہاڑی پر موجود ہیں۔ جاروب کشوں کا یہ گروہ اس منظر سے حیرت میں مبتلا ہو کر جادرہ پہنچا اور یہ خبر سنائی۔ لوگ دوڑ کر اس مقام پر پہنچے تو وہاں کوئی تعزیہ نہ تھا۔ البتہ اس پہاڑی کی مٹی سے نہایت خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ جس سے تمام علاقہ مہکا ہوا تھا۔

اس معجزے کے بعد اس مقام سے معجزات کا ظہور آج تک جاری ہے اس مقام کو حسینؑ ٹیکری کہتے ہیں۔ اور اب وہاں کربلا کے نقشے کے مطابق روضۂ حضرت امام حسین علیہ السلام اور روضۂ حضرت عباس علمدار تعمیر ہو چکا ہے۔ زائرین کے قیام کے لئے ایک ایک کمرے کے کوارٹر بنے ہوئے ہیں۔ جن کی تعداد ۱۹۴۴ء میں پچاس تھی۔ ان کوارٹروں میں دور دور سے زائرین آ کر قیام کیا کرتے تھے۔ لیکن ۱۳۱۲ھ میں وہاں یہ سب کچھ نہیں تھا بلکہ ٹیکری یعنی پہاڑی کے دامن میں کچھ درویش قسم کے لوگ پڑے رہتے تھے۔ اور وہی زائرین کو اس کوہ مقدس کی زیارت کراتے تھے۔

زیارت کو آنے والوں میں سے ایک سیٹھ جن کا نام الاد ینا لاڈک تھا۔ انہوں نے اپنی مراد آنے پر وہاں تعمیراتی سلسلہ کا آغاز کیا۔ اور پندرہ تیس سال میں یہ تعمیر مکمل ہوئی۔ سیٹھ موصوف کی قبر روضۂ امام حسینؑ کے احاطے کے باہر ایک گوشے میں اب بھی موجود ہے۔

راقم الحروف نے جب ہوش سنبھالا تو حسینؑ ٹیکری پر ہر روز زائرین کا ایک ہجوم دیکھا۔ افریقہ تک سے لوگ اپنی مرادیں مانگنے وہاں آتے تھے یہ میرے سامنے کا ذکر ہے کہ افریقہ کا ایک بہت بڑا سیٹھ وہاں اس طرح آیا

کہ اس کی دونوں ٹانگیں گھٹنوں تک آگ میں جل کر ناکارہ ہو گئی تھیں چربی نکلی ہوئی تھی۔ اور زخم خراب ہو چکے تھے اس کو سٹریچر پر ڈال کر لایا گیا تھا۔ سیٹھ کی زبانی جو واقعات معلوم ہوئے وہ یہ تھے کہ افریقہ میں ایک قبائلی جادوگر جس کو وِچ ڈاکٹر کہا جاتا تھا۔ آگ پر چلا کرتا تھا۔ اور جو آدمی اس کا دامن پکڑ لیتا تھا۔ اس کو آگ نقصان نہیں پہنچاتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ وِچ ڈاکٹر کا دامن پکڑنے والے کا دامن کوئی پکڑ لے تو وہ بھی محفوظ ہی رہتا تھا۔

ایسے میں ایک مظاہرے میں سیٹھ موصوف بھی موجود تھا۔ اس کے دل میں نہ جانے کیا آیا کہ اس نے بھی اس کا دامن تھام لیا اور آگ میں قدم رکھ دیا۔ چاروں طرف شعلے بلند تھے لیکن ان میں ٹھنڈک تھی۔ یہ ٹھنڈک محسوس کر کے سیٹھ نے سوچا کہ یہ آگ مصنوعی ہے۔ اور ڈاکٹر کا دامن تھامنا یا نہ تھامنا برابر ہے۔ چنانچہ اس نے ڈاکٹر کا دامن چھوڑ دیا۔ بس اسی لمحہ اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ اور ٹانگیں تو فوراً سوختہ ہو گئیں اس کو صرف اتنا احساس ہے کہ اس نے بے ساختہ چیخ ماری تھی۔ اور بس۔

اس کے بعد کا واقعہ اس نے خود دوسروں سے سنا تھا کہ جب وہ خود بیہوش ہو گیا تو فوراً وِچ ڈاکٹر نے پلٹ کر اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا اور آگ کے کنارے لا کر زمین پر ڈال دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ اب سیٹھ کو کوئی اچھا نہیں کر سکتا۔ اسے لے جاؤ۔ اس کے جاننے والے اسے اٹھا کر نیروبی ہسپتال لے گئے۔ لیکن کئی مہینے وہاں علاج کرانے کے بعد کوئی فائدہ نہیں ہوا تو اسے لندن پہنچایا گیا۔ وہاں ماہر ترین ڈاکٹروں نے ٹانگیں کاٹنے کا فیصلہ کیا تو سیٹھ نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ وہ مر جائے گا۔ لیکن ٹانگیں نہیں کٹوائے گا۔ سیٹھ کا اصلی وطن بمبئی تھا۔ اور اپنی دانست میں مرنے کے لئے وہ اپنے وطن آ گیا۔ بمبئی میں کچھ لوگوں نے حسین ٹیکری جاورہ پر جانے کا مشورہ دیا اور اس

کی خواہش پر اسے وہاں پہنچا دیا گیا۔ یہ غالباً ۱۹۴۱ء کا واقعہ ہے۔ سیٹھ کا معمول یہ تھا کہ صبح اس کا اسٹریچر اس کے ملازم اٹھا کر روضۂ حضرت عباس پر لے جاتے تھے۔ وہاں ایک باولی نما کنواں تھا۔ جس کو جھالرہ کہا جاتا تھا۔ روضہ کے احاطہ کے فوراً بعد اس کی سیڑھیاں اترتی تھیں۔ اس کے پانی سے سیٹھ کے زخم دھوئے جاتے تھے اور پھر روضہ کا طواف کروا کر اس کے اسٹریچر کو روضۂ حضرت امام حسینؑ پر لے جاتے تھے وہاں عودی (یعنی روضہ پر جلائے جانے والے لوبان کی راکھ) اس کے زخموں پر چھڑک دی جاتی تھی۔ اور صحن میں اس کا اسٹریچر شام تک رکھا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ کئی مہینے تک جاری رہا اور پھر میں نے خود یہ دیکھا کہ وہ اپاہج سیٹھ اپنے قدموں سے آہستہ آہستہ چلتا ہوا جھالرے جاتا۔ اپنی ٹانگوں کو خود دھوتا۔ اور چھوٹے سرکار کے روضہ کا طواف کر کے بڑے سرکار کے روضے پر آتا۔ عودی اپنے زخموں پر جن پر انگور آنے لگتا تھا چھڑکتا اور روضے کی جالی کے پاس سر جھکا کر بیٹھ جاتا۔ یہ سلسلہ بھی چند ماہ جاری رہا۔ اور پھر ۱۹۴۱ء ہی میں وہ دن بھی آیا کہ وہ شخص جو دنیا بھر کے معالجوں سے مایوس ہو کر درِ حضرت امام حسینؑ پر گیا تھا پوری طرح صحت یاب ہو کر اپنے وطن روانہ ہو گیا۔ روانگی سے قبل اس نے ایک بہت بڑی مجلس کروائی تھی۔ جس میں ہزاروں افراد شریک ہوئے تھے۔ میرے ماموں صاحب مرحوم جناب مظفر عباس صاحب زائر نے یہ مجلس پڑھی تھی۔ اس زمانے میں وہ بیمار تھے لیکن بیماری کے باوجود مجلس پڑھنے گئے تھے۔

ایسے بہت سے واقعات اور معجزات میں نے خود مشاہدہ کئے ہیں۔ ایک واقعہ سنیئے۔

حسینی ٹیکری پر ہر شب جمعہ کو زیارت کے لئے لوگ آتے تھے اور عموماً شب جمعہ ہی کو زیارت ہوتی تھی۔ اس کی صورت یوں تھی کہ چھوٹے سرکار کے روضے پر جہاں مغرب کے بعد کسی کو جانے کا حکم نہیں دیا۔ اور وہ

بڑے سرکار کے روضے سے ایک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ فضا میں کچھ روشنیاں نظر آیا کرتی تھیں۔ ایک شب جمعہ کو نواب حسین صاحب الخیرؔ وہاں زیارت کو گئے۔ میں بھی موجود تھا۔ عشاء کے بعد چھوٹے سرکار کے روضے کی جانب جنگل میں درختوں میں سے کچھ روشنیاں اچانک نمودار ہوئیں۔ اس کو دیکھتے ہی زائرین نے درود پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ لوگ بلند آواز سے نوحے پڑھنے لگے۔ ماتم کرنے لگے۔ عجیب روح پرور کیفیت تھی جو ماحول پر طاری ہو گئی۔ نواب حسین صاحب مرحوم یہ کہنے لگے کہ جنگل کے دوسری جانب جو گاؤں ہے۔ اس کے کچھ لوگ آگ جلا رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ روشنی پیدا ہوئی ہے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ روشنی تیز ہو گئی۔ اور بلند ہونی شروع ہو گئی۔ بس تاریکی میں روشنی کا ایک بادل تھا۔ جو درختوں پر بلند ہو رہا تھا۔ خاصی بلندی پر پہنچ کر اس پر نور بادل کے دو ٹکڑے ہوئے پھر ایک ٹکڑے کے مزید دو ٹکڑے ہوئے اور تینوں نور پارے فضا میں مزید بلند ہو گئے پھر بڑے نور پارے سے دو چھوٹے نور پارے الگ ہو کر جگمگانے لگے۔ اور پانچ نور آدھے پونے گھنٹے تک چھوٹے سرکار کے روضے کی فضا میں معلق رہے۔ اور پھر اچانک غائب ہو گئے یہ معجزہ دیکھ کر سب کے دلوں پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی خود نواب حسین صاحب الخیرؔ جو پہلے اپنے شک کا اظہار کر چکے تھے دم بخود رہ گئے۔ اور رات کو تقریباً بارہ بجے جب ہم شہر واپس ہوئے اس وقت بھی انہوں نے اس واقعہ پر خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

چھوٹے سرکار کے روضے کے بیرونی دروازے کے قریب ایک چبوترہ تھا۔ اس کے پاس ایک بہت بڑا گولر کا درخت تھا۔ میں نے اس کے گولر بھی کھائے ہیں بہت ہی لذیز ہوتے تھے۔ اس درخت کے قریب ہی صحن حضرت کا بیرونی جنگلہ تھا۔ جو آہنی تھا۔ اور اس میں نکیلی سلاخیں اور پان نما نکیلی آہنی بیل بنی ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ جب ہم لوگ یعنی میں اور میرے عزیز و اقارب

جمعرات کے دن سویرے سے حسینا ٹیکری گئے۔ سبب یہ تھا کہ میری ایک چچا زاد بہن کی زبان اچانک بند ہو گئی تھی۔ اور وہ صرف ہوں ہوں کر کے اپنا مافی الضمیر بیان کر سکتی تھی۔ اس کی عمر اسوقت تقریباً اٹھارہ برس ہو گی۔ لیکن ناکتخدا تھیں اور عبادت گزار تھیں۔ اس عمر میں بھی ان کی تہجد کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی تھی۔ تمام رات اور تمام دن ہم نے تو انہیں جب بھی دیکھا جا نماز پر ہی دیکھا۔ گھر والے انہیں پیار سے بٹن صاحب کہتے تھے۔ چنانچہ بٹن صاحبہ کی زبان بند ہو گئی تھی۔ اور سارا گھر پریشان تھا۔ میری عمر تقریباً دس برس ہو گی۔ کیونکہ یہ واقعہ تقریباً چالیس سال قبل پیش آیا تھا۔ حسینا ٹیکری تک بیل گاڑی میں جانا پڑتا تھا۔ گھر کی بیل گاڑی تھی۔ اس میں سب لوگ سوار ہو گئے۔ کھانا پکانے کا کچھ سامان بھی ساتھ تھا۔ اور ملازمہ بھی ساتھ تھی پروگرام رات بھر حسینا ٹیکری رہنے کا تھا۔ اب سنیئے کہ جب تک حسینا ٹیکری کے آثار او جھل رہے بٹن صاحبہ ہوں ہوں کی آواز بلند کرتی رہیں۔ اور ادھر روضے کا گنبد عقب سے نمایاں ہوا۔ ادھر ان کی زبان کھل گئی۔ اور وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئیں کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو بالکل ٹھیک تھیں۔ بہر حال پروگرام کے مطابق سب لوگ حسینا ٹیکری پہنچے۔ دن بھر رہے اور شب کو زیارت کر کے واپس ہوئے۔

اسی دن ایک اور عجیب واقعہ بھی پیش آیا۔ جاورہ کے محلہ کلی پورہ کی رہنے والی ایک عورت جسکا نام ڈھابو تھا حسین ٹیکری لائی گئی۔ یہ عورت کافی عرصے سے بیمار تھی۔ اور ڈاکٹروں نے اسے ہسٹریا کی مریضہ قرار دیا تھا اس پر دورے پڑتے تھے۔ جن میں وہ کپڑے پھاڑ دیتی تھی۔ اور اتنی طاقتور ہو جاتی تھی کہ کئی کئی آدمی اسے پکڑتے تھے۔ لیکن وہ قابو میں نہیں آتی تھی۔ اور انہیں بچوں کی طرح اچھال کر دور پھینک دیتی تھی۔ ڈاکٹر اس کے علاج میں ناکام ہو چکے تھے۔ اس کی شادی بھی ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق کر دی گئی تھی

لیکن اس کے بعد اس کے دوروں کی شدت زیادہ ہوگئی۔ اس کا شوہر اور والد کمبل بننے کا کام کرتے تھے۔ ہمارے پڑوسی تھے۔ میرے ماموں صاحب مرحوم نے جب اس عورت کو دیکھا تو کہا کہ اس پر جن کا سایہ ہے۔ میرے ماموں صاحب مرحوم عامل تھے۔ اور انہوں نے بہت سے جن اتارے تھے۔ چنانچہ اس عورت (یعنی ڈھابو) کے سلسلے میں بھی انہوں نے کئی عمل پڑھے، چلے کھینچے لیکن کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ چنانچہ ان کے مشورے کے مطابق اسے حسین ٹیکری لایا گیا تھا۔ چھوٹے سرکار کے روضے کے باہر اس کو بٹھا دیا گیا تھا۔ اور وہ زنجیریں جن میں انہیں باندھا ہوا تھا کھول دی گئیں۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ زنجیروں میں تو وہ عورت برابر زور آزمائی کرتی رہی تھی۔ لیکن آزاد ہوتے ہی خاموشی سے روضے کی جانب سجدے میں گر پڑی۔ پھر بیٹھ کر سر کو آگے اور پیچھے تیزی سے جھٹکے دینے شروع کئے۔ اس کے سر کے بال کھلے ہوئے تھے اور منہ سے ناقابل فہم آوازیں نکل رہی تھیں۔ بالوں کا لہرانا اور اس عورت کا جھٹکے کھانا اور چیخنا مسلسل جاری تھا۔ دوپہر تک یہی صورت رہی پھر وہ اچانک کھڑی ہوئی اور صحن کے بیرونی جنگلے پر چڑھ کر نوکیلی سلاخوں پر چت لیٹ گئی جنگلے کی سلاخیں بہت نوکیلی تھیں۔ لیکن اس کے جسم میں پیوست نہیں ہوئیں اور نہ وہ گری۔ یہ منظر دیکھنے کے لئے وہاں بہت ہجوم ہوگیا۔ ان سلاخوں پر بھی وہ برابر لیٹی ہوئی جھوم رہی تھی۔ کافی دیر تک یہی صورتحال رہی۔ اس کے بعد وہ چیختی ہوئی جنگلے سے اتری اور گولر کے درخت کی طرف یہ کہتی ہوئی تیزی سے دوڑی کہ اب نہیں ماروں میں جارہا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے گولر کے درخت پر چڑھ گئی۔ اور سب سے بلند ٹہنی پر جاکر چت لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر تک اس کا جسم لرزتا رہا۔ اور پھر ساکت ہوگیا۔ نیچے اس کے عزیز واقارب کھڑے ہوئے تھے۔ اور انہیں یہ خوف تھا کہ تقریباً ۲۰ - ۲۵ فٹ کی بلندی سے اگر ڈھابو گر پڑی تو کیا ہوگا۔ درخت کی ٹہنی اس کے بوجھ سے لچک رہی تھی اور کسی بھی

لمحہ اس کے گرنے کا خدشہ تھا۔ اچانک ڈھابو نے چیخ ماری اور دونوں ہاتھوں سے درخت کی شاخیں پکڑ لیں۔ اور اپنے باپ اور شوہر کو آوازیں دینے لگی کہ مجھے نیچے اتارو۔ درخت پر کیوں چڑھا رکھا ہے۔ یہ بات سن کر سب میں کھلبلی مچ گئی اور ڈھابو کو اتارنے کے لئے کچھ لوگ اوپر چڑھے۔ بڑی دشواری سے اسے نیچے اتارا۔ حالانکہ جب وہ درخت پر چڑھی تھی تو بغیر کسی سہارے کے چند لمحوں میں اوپر پہنچ گئی تھی۔ اور اپنے شوہر اور باپ کو بھی نہیں پہچانتی تھی۔ اور جب اسے نیچے لایا گیا تو اپنے عزیزوں سے گلے مل کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی رنگت جو پہلے سرخ تھی بالکل زرد پڑ گئی تھی۔ اس کے عزیز واقارب چھوٹے سرکار کے روضے کا طواف کرا کے اپنے ساتھ لے گئے شام ہو رہی تھی ہم لوگ بھی وہاں سے بڑے سرکار کے روضے کی جانب آ گئے اور پھر شب کو گھر واپس ہو گئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ڈھابو کو اس کے بعد کوئی دورہ نہیں پڑا۔ اور وہ آرام سے اپنے گھر میں رہنے لگی۔ اور چھوٹے سرکار کے روضے کے باہر جو گولر کا درخت تھا جس پر ڈھابو چڑھی تھی اسی دن سے خشک ہونے لگا۔ اور چند روز کے اندر ہی وہ بالکل سوکھ گیا۔ یہاں تک کہ اس کو وہاں سے کاٹ کر جلا دیا گیا۔

جمیل الدین عالی صاحب
ثانی زہرا حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا
کے مزار مقدس پر

ہمارے پاکستان کے مایۂ ناز ادیب اور صحافی جناب جمیل الدین صاحب عالی نے اپنے سفر نامہ میں جو روز نامہ جنگ میں مسلسل شائع ہوا تھا اس میں دوران سفر دمشق پہنچنے پر جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا کے مزار مقدس کی زیارت سے مشرف ہوتے ہوئے جو تاثرات قلم بند کئے ہیں۔ وہ مجھ کو بہت پسند ہیں اور آپ کو بھی پسند آئیں گے۔ اس لئے یہ ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں۔ ——— (وصی خان)

پرانے محلوں سے گزرتے ہوئے ہم حضرت بی بی زینبؑ کے مزار پہنچے تو مجھے ایک دم کربلائے معلیٰ کا منظر یاد آگیا۔ کربلا میں پندرہ سال پہلے گیا ہوں اس وقت عراق کے سابق مرد آہن جنرل عبدالکریم قاسم کے انقلاب کی سالگرہ پران کا مہمان ہو کر گیا تھا۔ کربلا میں مہمان خصوصی کے طور پر رات کو دکھائی گئی تھی۔ مزار شریف بند تھا۔ ہمارے لئے کھولا گیا تھا۔ اس لئے صحن میں وہ مجمع نہیں تھا جو اب سہ پہر کو دمشق میں مزار زینبؑ پر دیکھ رہا ہوں۔ مگر وہی شان، شکوہ، حسرت، یاس، عزم و ہمت کی فضا ہے جو کربلا میں محسوس ہوئی تھی۔

مزار سامنے ایک بہت بڑی چار دیواری میں ہے مگر اس میں ابھی چلتے ہیں۔ پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ ہم نے موٹر سڑک کے ایک کنارے دوڑائی تو ایک میلہ جیسا نظر آیا۔ ایک طرف ایک احاطہ میں سینکڑوں بھیڑیں ممیا رہی ہیں۔ لوگ انہیں قربانی اور تقسیم لحم کے لئے خریدنے ہیں سڑک کے دونوں طرف ٹھیلوں والے مشروبات اور آلو چھولے اور چکن تکے بیچ رہے ہیں۔ معمولی

سستا کپڑا، گھڑیاں، غرضیکہ ایک بازار ہے جو زائرین کی ضروریات پوری کرتا رہتا ہے فقیر دوڑ کر گھیرتے نہیں مگر نظر آتے ہیں۔ آنکھوں سے اور اگر آنکھوں کی زبان فوراً نہ پڑھی جائے تو زبان سے سوال کرتے ہیں۔

دوستو! آنکھوں کی زبان کیوں نہیں پڑھی جاتی۔ ہم لوگ بلند آواز ہی کا انتظار کیوں کرتے ہیں۔ محبت کے معاملہ میں، رحم کے معاملے میں، ظلم کی تکلیف سمجھنے کے معاملہ میں انسانی ضروریات جاننے کے معاملے میں

حالانکہ آنکھوں کی زبان کیسی بے ضرر اور خوبصورت اور مختصر اور معنی خیز ہوتی ہے۔

مزار میں داخل ہوتے ہی ایک چوڑی اور پختہ گیلری شروع ہوتی ہے۔ دائیں ہاتھ کو کچھ مجتہدین کی قبریں ہیں ان کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ مختلف زبانوں کے لوگ عاشقان اہلبیت جنہوں نے یہاں دفن ہونا پسند کیا۔

عقیدت کی بہت سی شکلیں ہیں۔ ایک یہ بھی کہ موت کے بعد بھی اپنے ممدوح کے جوار میں رہیں۔

کیوں عالی صاحب کیا آپ کو کسی سے عقیدت ہے۔ ہے تو اس کا ثبوت عملی زندگی میں کیا دیتے ہو۔

اب عالی جی چپ چپ سے ہیں ... بولیں بھی تو آخر کیا بولیں

ہر بات میں سو سو پردے ہیں ... کھولیں بھی تو کیا پردے کھولیں

اب ایک وسیع پختہ صحن شروع ہو گیا۔ سامنے سبز گنبد نظر آتا ہے جس کے نیچے مزار مبارک ہے۔ صحن میں بھی دونوں طرف خاصے بڑے مجمعے لگے ہوئے ہیں۔ دائیں ہاتھ کو خواتین پردے جمائے بیٹھی ہیں۔ دائیں ہاتھ کو مرد خواتین زور زور سے بول رہی ہیں کچھ لڑائی کی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بہر حال عبادت فاتحہ یا منت نہیں معلوم ہوتی۔ بہر حال یہ عقامی ضرور ہیں۔ دور سے آتی ہیں۔ نماز اور فاتحہ پڑھتی ہیں۔ پھر سستانے بیٹھ جاتی ہیں۔ سوشل گفتگو بھی ہو جاتی ہے۔ کوئی ہرج نہیں۔

مگر بائیں ہاتھ مردوں کے چھوٹے چھوٹے مجمعے جو دیکھے وہ بلند آواز سے گفتگو

میں مصروف نہیں تھے۔ بلکہ یہ فاتحہ اور درود پڑھ رہے تھے۔ یا ٹکڑیوں میں بٹ کر کسی عالم، کسی واعظ، کسی مجتہد کی تقریر سن رہے تھے۔ خاموش متین۔

مزار میں داخل ہوتے ہوئے ایک گیلری اور گیلری کے دروازے پر لکھا ہوا۔

اللّٰہ

محمدؐ علیؑ فاطمہؑ حسنؑ حسینؑ

الٹے ہاتھ کے کونے میں ایک لکڑی کے چوکھٹے میں سیاہ کتبہ ہے۔

تنقید

تصمیم　　　　　المہندس

رضا مہدی مرتضٰے

یعنی کم از کم اس حصے میں کسی رضا مہدی انجنیئر نے محنت کی ہے۔ مہندس کو ہم صرف ریاضی داں سمجھتے ہیں۔ جبکہ مہندس انجنیئر اور آرکیٹکٹ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے

روضہ بہت خوبصورت ہے۔ سفید دھات غالباً چاندی کی نہایت مزین اور ٹھوس ضریح لگی ہوئی ہے۔ اور اوپر یعنی بالکل سامنے پٹی کے وسط میں

السلام علیکم یا زینب

مزار زینبؑ پر سوالات

روضہ چبوترے پر ہے چبوترے کے چاروں کونوں پر ہرے رنگ کے چکنے پتھر کے ستون ہیں جن کے بالائی حصے منقش بھی ہیں۔ سیدھے ہاتھ کے ستون پر ایک نام دیکھا ہے۔

طراح عباس کرباسی اصفہان

یہ تمام حصہ قیمتی قالینوں سے پٹا پڑا ہے۔ ان پر مرد عورت الگ نہیں بیٹھتے بلکہ اس وقت تو اتنا رش ہے کہ بیٹھنے کا موقع بھی نہیں۔ لوگ روضے کے قریب آتے ہیں فاتحہ پڑھتے ہیں۔ کچھ لوگ خاص طور پر عورتیں مرقد کو پاؤں کی طرف سے چومتی بھی

ہیں۔ اور الٹے پاؤں واپس ۔

یہاں تقریباً سب فاتحہ پڑھنے والوں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

اور یار و یزید کی قبر کہاں ہے کسی کو معلوم نہیں ۔

مگر میں کہنا چاہتا ہوں اس پر تو بہت بحثیں ہو چکی ہیں۔ اچھا دہرا لیتے ہیں۔ پروپوزیشن ازل سے وہی چلی آرہی ہے۔ کیا۔

یہ کہ اس دنیا کی لذتوں اور طاقت و آرام کے لئے ضمیر اور اصول کے کسی حد تک قربان کئے جاسکتے ہیں۔ مختصر الفاظ میں کیا تم یزید کے پیرو ہونا پسند کرو گے یا حسینؑ علیہ السلام کے۔

جذباتی جواب تو فوراً آئے گا مگر ؟

مگر ٹھہرو ! اس وقت میں اور آپ اکیلے ہیں۔ آپ یہ سب اکیلے پڑھ رہے ہیں۔ کوئی آپ سے ان باتوں کا پبلک جواب نہیں مانگ رہا۔ اس لئے سوچو کہ واقعی تم کیا پسند کرتے ہو۔

اگر اتباع یزید پسند ہے تو تمہاری مرضی، تم جانو، اللہ جانے، لیکن میں جانتا ہوں کہ تم اور میں اتباع یزید کا اقرار نہیں کریں گے۔ بلکہ حسینیتؑ کا نام لیں گے۔

تو پھر سوچو روز بروز ہم کس طرف جارہے ہیں۔ میں لمبے چوڑے اتقاکی باتیں نہیں کرنا۔ میں صرف یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا ہم لوگوں کو ان کے حق دے رہے ہیں کیا ہم ظلم سے گریز کرتے ہیں۔ کیا ہم دل دکھانے کو برا مانتے ہیں۔ کیا ہم۔ کیا ہم۔

ارے میاں اتنے بہت سارے سوال مت کرو۔ دونئیں کا جواب ہی نہیں ملے گا۔

تو یہ حضرت بی بی زینبؑ کا روضۂ مبارک ہے۔ ہم دلی والے بچپن میں انہیں صرف بی بی زینبؑ پکارتے تھے۔ ہمارا خاندان شیعہ نہیں مگر محرم کی مجلسیں ہمارا کلچرل ثقافتی لازمہ تھیں۔ اور کیوں نہ ہوتیں کیا حسین علیہ السلام اور حضرت زینبؑ کے افکار کسی سنی اسکول آف تھاٹ میں منع ہیں یا منع رہے ہیں۔

مجھے اپنے بچپن کی مذہبی یادوں میں حضرت بی بی زینب سے ایک خاص عقیدت

ایک خاص دلچسپی اب تک یاد ہے۔ بڑی بوڑھیاں ان کا نقشہ ایک بڑے گھریلو انداز میں پیش کیا کرتی تھیں۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ہماری اپنی ہی بزرگ تھیں جن پر ظالموں نے بڑے بڑے ظلم ڈھائے۔ جنھوں نے اپنے بھائی کی شہادت کے بعد خاندان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بچایا اور پالا۔ ایک مظلوم مگر باہمت اور شفیق و رفیق خاتون۔

میں روضۂ مبارک دیکھتے دیکھتے۔ ایک دم اپنے بچپن کی یادوں میں کھو گیا۔ میں کھڑا نوٹس لے رہا تھا مجھے اقرار ہے کہ اس وقت تک میں بالکل جذباتی نہیں تھا۔ بلکہ ہر چیز کا ایک طائرانہ سا مشاہدہ کر رہا تھا۔ میں زائر تھا بھی نہیں بلکہ صرف مسافر تھا۔ ایک سیاہ دل اترانی ہوتی عمر کا سیاح جسے وقت نے بہت ہی سرد اور خراب کر دیا تھا۔

مگر اب ایک دم مجھے اپنی ممدوح و محترم بی بی زینبؑ یاد آنے لگیں اور چشم زدن میں دربار یزید کے تمام وہ مناظر آنکھوں میں ابھرنے لگے جو میں نے طبری میں بار بار پڑھ کر تقریباً یاد کر لئے تھے۔

اور دوسرے لمحے میں تاریخ طبری کا طالب علم بھی نہیں رہا۔ شاید میں اپنے بچپن کی دلی میں چلا گیا۔ یا میرا آج کا گنہ گار ضمیر مجھے کچوکے دینے لگا۔ یا مجھے واقعی اہل بیتؑ کی محبت کی خوشبوئیں آنے لگیں۔

سبب جو کچھ بھی ہو۔ میں چپکے چپکے رونے لگا۔

آلِ محمدؐ کی محبت میں قربانی دینے والے

شہدائے ایمان

تاریخِ اسلام کا ایک معمولی سا طالبِ علم بھی ہمارے ساتھ اس نظریہ میں اتفاق کریگا کہ اسلام کی حفاظت اور نشرو اشاعت میں جہاں رسولؐ اور اہلبیتِ رسولؐ نے ہر قسم کی قربانیاں دی ہیں وہاں اُن کے نام لیواؤں نے اپنی جانیں تک نثار کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا، تاریخِ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے اعلائے کلمۃ الحق کیلیے اپنی زبانیں گدّیوں سے کھنچوائیں، اپنے ہاتھ قلم کروائے، اپنی گردنیں کٹوائیں، اپنے خون سے گارا بنوایا، دیواروں میں زندہ چننا قبول کیا اور وہ قربانیاں دیں کہ جن کے تصوّر سے آج ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن تبلیغ دین اور اظہارِ حق سے منہ نہ موڑا۔

درحقیقت یہ ایک خونچکاں داستان ہے جو ایک طرف مذہبِ شیعہ کی مظلومیت کی حکایت بیان کر رہی ہے اور دوسری طرف دنیا کو ببانگِ دہل چیلنج دے رہی ہے کہ ہمارے ہی علماء، فضلاء، رؤساء اور زعماء وہ ہیں جو باطل قوتوں سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ زیرِ خنجر، سرِ دار، بالائے نوکِ سناں اعلاءِ کلمۃ الحق کرتے رہے ہیں، ہمارے ہی سرفروش، جاں نثار سپاہی وہ ہیں کہ جنھوں نے اسلام کے چہرہ پر اپنے خون کا غازہ مل کر اسے تا قیامِ قیامت سرخرو کر دیا۔ یہ یاد رہے کہ یہ داستانِ غم صرف اُن افراد پر مشتمل ہے جن کی شہادت چوتھی صدی ہجری یا اُس کے بعد واقع ہوئی ہے، ورنہ اس کے قبل محبتِ اہلبیتؑ میں اپنا خون دینے والوں کی تعداد ناقابلِ بیان ہے، پھر بھی مختصر طور پر ۱۵۰ فدائیانِ مذہبِ حقّہ کی تاریخ کا ایک خاکہ ہے جو اس مضمون میں پیش کیا جا رہا ہے، کیونکہ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان مقدس "جانفروش ہستیوں" کے تذکرہ کو زندہ رکھیں اور محسنینِ مذہبِ حقّہ کی روشن پیشانیوں کی جاوداں ضیاؤں سے زادِ سفر حاصل کرتے رہیں:

چوتھی صدی کے شہدائے ایمان

(۱) **السیّد الامام ابو محمد الحسن الناصر الکبیر الاطروش** : آپ کا اسمِ گرامی حسن، لقب ناصر کبیر تھا۔ ایک جہاد میں زخمی ہو کر گراں گوش ہو گئے، اس لیے اطروش کے لقب سے بھی مشہور ہو گئے، آپ نے دیلم کو فتح کر کے وہاں مساجد کی تعمیر کی، پھر ۱۳ برس قیام کر کے بحرستان کا رُخ کیا، لوگ وہاں کے عامل سے خائف تھے، اتفاقاً وہ معزول ہوا اور وہاں کی حالت بدل گئی، آپ نے اہلِ دیلم کو جمع کر کے حملہ کا قصد کیا، مقامِ نوروز میں جنگ ہوئی آپ کو فتح ہوئی اور اسلام کو عزت حاصل ہوئی۔" روضہ اونی الباب کی تصریح کی بنا پر آپ کو شہید کر دیا گیا۔

(۲) **شیخ المحدثین ابو الحسن علی کلینیؒ** : آپ علامہ کلینیؒ کے ماموں اور شیوخِ روایت میں سے ہیں، آپ کو راہِ مکہ میں شہید کیا گیا۔

(۳) **علامہ شیخ حسن بن سلیمان النطاکی** : آپ مصر کے اجلۂ علماء میں سے تھے لیکن ذہبی نے آپ کے عیوب میں رافضیت کا شمار کیا اور آپ اسی جرم کی پاداش میں شہید کیے گئے۔

(۴) **حافظ بدیع الزماں احمد بن الحسینؒ** : ۳۹۸ھ میں آپ کو زہر دے کر شہید کیا گیا۔

(۵) **المتکلم ابو الحسن علی بن عبداللہؒ** : آپ کو آگ میں جلا کر شہید کیا گیا۔

(۶) **النحوی ابن ہانی محمد اندلسی** : ۳۶۳ھ میں آپ کی شہادت ہوئی۔

(۷) **ابو الفراسؒ ہمدانی** : آپ شعرائے اہلبیتؑ میں سے تھے۔ آپ کا ایک قصیدہ بہت معروف ہے جس کے مطلع کا اُردو ترجمہ یہ ہے: "حق کی بربادی اور دین کی تباہی یہ ہے کہ آلِ رسولؐ کا مال تقسیم ہوا جا رہا ہے۔" آپ نے ۳۵۷ھ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

(۸) **ابو الحسن علی بن فرات** : آپ کا شمار اعیانِ مذہب میں تھا، آپ مقتدر باللہ کے وزیر تھے اور اسی منصب پر تھے کہ شہادت پائی۔

پانچویں صدی ہجری کے شہدائے ایمان!

(۹) **الکاتب ابو الحسن التہامی** : آپ کی شاعرانہ عظمت ناقابلِ بیان ہے۔ قاہرہ کی طرف

خفیہ طور پر سفر کیا، وہاں گرفتار ہوئے اور شہادت پائی۔

(۱۰) علامہ نحو ثابت بن اسلم : آپ نے اسماعیلیہ کی رد میں کتاب تالیف کی جس کے نتیجہ میں سولی پر چڑھا دیے گئے۔

(۱۱) علامہ شیخ عبدالکریم قزوینی : آپ نے بھی جامِ شہادت نوش فرمایا۔

(۱۲) محدث ثقہ ابوالحسن احمد کندری کاتبؒ : آپ کو شہادت نصیب ہوئی۔

(۱۳) حسن بن مفضل الراجہرمزیؒ : آپ ہی نے حرم سید الشہداءؑ کی حدود کی تعمیر کی تھی آپ نے ۴۱۲ھ میں شہادت پائی۔

(۱۴) السید المرتضیٰ ذوالشرفین ابوالمعانی محمد بن محمد زید بعلوی الحسینی الحافظ : ۴۷۹ھ میں شہید ہوئے۔

چھٹی صدی ہجری کے شہدائے ایمان

(۱۵) علامہ ابوالمحاسنؒ : آپ کو روزِ عاشورہ ۵۰۲ھ میں شہید کیا گیا۔

(۱۶) الشیخ ابوعلی محمد بن حسن الفتالؒ : آپ بھی بے دردی سے شہید کیے گئے۔

(۱۷) شیخ جلیل حسین بن قطب راوندی : آپ کو عالمِ صالح، شہید کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

(۱۸) بحر الادب حسین بن علی طغرائیؒ : آپ بے نظیر شاعر، علمِ کیمیا کے استاد اور خطِ طغریٰ کے ماہر تھے، آپ کو ۵۱۳ھ میں شہید کیا گیا۔

(۱۹) الامیر کیکاوس طبریؒ۔

(۲۰) الامین الاسلام طبرسیؒ۔

(۲۱) السید مجدالدین الحسینیؒ۔

(۲۲) عزالدین ابوالقاسم یحییٰؒ۔

(۲۳) المحدث حسن بن عبدالکریم القزوینیؒ۔

(۲۴) الشیخ خلیفہؒ۔

(۲۵) المولی الشیخ حسن بن عبدالکریمؒ۔

(۲۶) الفقیہ شیخ زین الدینؒ ۔
(۲۷) الادیب ابوالحسین الفانیؒ ۔
(۲۸) الشیخ الامام جمال الدین ہمدانیؒ ۔
(۲۹) فارس المسلمین طلائع بن زریکؒ ۔
(۳۰) مجدد الدین بن الصاحب ہبۃ اللہ بن علیؒ ۔
(۳۱) محمد بن ابی العباس احمد بن ابی العباس احمد الاہیوری الامویؒ ۔

ساتویں صدی ہجری کے شہدائے ایمان

(۳۲) الشیخ الفقیہ شہاب الدین میکالیؒ ۔
(۳۳) الحافظ محمد بن یوسف مکیؒ ۔
(۳۴) الشیخ صفی بن محاسنؒ ۔
(۳۵) کمال الدین اصفہانی ۔

آٹھویں صدی ہجری کے شہدائے ایمان

(۳۶) علامہ تاج الدین آدیؒ ۔
(۳۷) السید جمال الدین محمد الاعرجؒ ۔
(۳۸) السید بدر الدین نقیب الاشرافؒ ۔
(۳۹) الشیخ حسن بن محمد الکاکینیؒ ۔
(۴۰) السید تاج الدین نصر بن صادقؒ ۔
(۴۱) السید المحقق جلال الدینؒ باغی ۔
(۴۲) السید غیاث الدینؒ ۔
(۴۳) السید الزعیم الحسنؒ بن معیہ ۔
(۴۴) الحکیم المتبحر السید شاہ فضلؒ ۔
(۴۵) الشیخ السعید محمود بن ابراہیم الشیرازیؒ ۔
(۴۶) الشیخ الامام محمد بن مکیؒ ۔

(۴۷) علی بن ابی الفضل الحلبیؒ ۔
(۴۸) الشیخ محمد شیخ کرک۔ نوح المعروف بہ بلبانؒ ۔
(۴۹) حسن بن محمد بن ابی بکر الکاکینیؒ ۔
(۵۰) علی بن ابی الفضل محمد بن الحسینؒ الحلبیؒ ۔

نویں صدی ہجری کے شہدائے ایمان

(۵۱) السید الفاضل عماد الدین محمد الشیرازیؒ ۔

دسویں صدی ہجری کے شہدائے ایمان

(۵۲) السید محمد کمونہؒ ۔
(۵۳) عادل الدریؒ ۔
(۵۴) ابوالمعالی الامیر محمد الشیرازیؒ ۔
(۵۵) العالم الجلیل السید عبدالباقیؒ ۔
(۵۶) المولیٰ محمد طالبؒ ۔
(۵۷) الامیر غیاث الدینؒ ۔
(۵۸) الشریف بن تاج الدینؒ ۔
(۵۹) مروج المذہب علامہ علی کرکیؒ ۔
(۶۰) العارف امام الدین طوسیؒ ۔
(۶۱) السید الفاضل خان میرزاؒ ۔
(۶۲) المولیٰ بناکیؒ
(۶۳) علامہ سید عبدالوہابؒ ۔
(۶۴) المحقق احمد بن نصر اللہ الہندیؒ ۔
(۶۵) الامیر ابوالحسن الفرہانیؒ ۔
(۶۶) الشیخ الامام شرف الاسلام زین الدینؒ ۔
(۶۷) السید قاضی جہان قزوینی ۔

(۶۸) الفقیہ الشریف عزالدینؒ ۔
(۶۹) الشیخ فضل اللہ الخراسانیؒ ۔
(۷۰) الفقیہ شہاب الدین الخراسانیؒ ۔
(۷۱) الشیخ ملا احمد الہندیؒ ۔

گیارہویں صدی ہجری کے شہدائے ایمان

(۷۲) قاضی سید نور اللہ شوستری شہیدِ ثالثؒ ۔
(۷۳) الامیر زین العابدین کاشیؒ ۔
(۷۴) السید محمد مومن بن دوست محمدؒ ۔
(۷۵) الخطیب سلطان حسین الاسترآبادیؒ ۔
(۷۶) الحکیم الشیخ حسین تنکابنیؒ ۔
(۷۷) الشیخ ابوالفضلؒ ۔
(۷۸) العلامۃ الشیخ علی الحرؒ ۔

بارہویں صدی ہجری کے شہدائے ایمان

(۷۹) العلامہ ابوالفتح الحائریؒ ۔
(۸۰) شیخ الاسلام میرزا مہدی الشیرازیؒ ۔
(۸۱) الفقیہ مرزا ابراہیم خوزانیؒ ۔
(۸۲) الامیر محمد باقر الخاتون آبادیؒ ۔
(۸۳) المجاہد محمد رضی القزوینیؒ ۔
(۸۴) العلامۃ السید محمدؒ ۔
(۸۵) الفقیہ علیؒ ۔
(۸۶) العلامہ علی اکبر الطالقانیؒ ۔
(۸۷) العلامہ میرزا ہاشم الہمدانیؒ ۔
(۸۸) الخطیب زکی الکرمانشاہیؒ ۔

(۸۹) محمد علی الشیرازیؒ ۔
(۹۰) العلامہ محمد مہدی المازندرانیؒ ۔
(۹۱) العالم آقا حسین الخاتون آبادیؒ ۔
(۹۲) الفقیہ الشیخ محمد بلادیؒ ۔
(۹۳) علامہ علی الزنجانیؒ ۔
(۹۴) العالم آقا محمد رضا الشبیریؒ ۔
(۹۵) العلامہ مرزا محمد حسینؒ ۔
(۹۶) العالم شیخ صادق البغدادیؒ ۔
(۹۷) العلامۃ میر محمد ہاشم شاہ الہندیؒ ۔
(۹۸) العلامۃ الشیخ یوسف الحصریؒ ۔
(۹۹) الفقیہ السید ہبۃ اللہؒ ۔
(۱۰۰) الشریف السید احمد المقدسؒ ۔

تیرھویں صدی ہجری کے شہدائے ایمان

(۱۰۱) ابو احمد محمد بن عبد النبی بن عبد الصانع الہندیؒ ۔
(۱۰۲) الشیخ محمد رضا الفومردیؒ ۔
(۱۰۳) العلامۃ سید محمد العاملیؒ ۔
(۱۰۴) الحجۃ الشیخ زین العاملیؒ ۔
(۱۰۵) العالم الشیخ صالح البیلیؒ ۔
(۱۰۶) العلامہ میرزا محمد مہدی الاصفہانیؒ ۔
(۱۰۷) الفقیہ عبد الصمد ہمدانیؒ ۔
(۱۰۸) العلامۃ الاکبر الشیخ حسین آل عصفورؒ ۔
(۱۰۹) العلامہ میرزا محمد الدہلوی الہندیؒ ۔
(۱۱۰) العلامہ السید محمد علی المعروف بہ آقا مجتہد ۔

۱۱۱ العلامۃ السید علی العاملیؒ ۔

۱۱۲ العلامۃ محمد تقی البرغانیؒ ۔

۱۱۳ العلامۃ السید غلام رضا البیرجندیؒ ۔

۱۱۴ العلامۃ الشیخ محمد حسین الاعلم ۔

۱۱۵ المجاہد رضا الاسنر آبادیؒ ۔

۱۱۶ العالم شیخ ابراہیم العاملیؒ ۔

۱۱۷ العلامہ محمد علی القندہاریؒ ۔

۱۱۸ شہید الطف السید علی نقیؒ ۔

چودھویں صدی ہجری کے شہدائے ایمان

۱۱۹ فریدون بن جلال الشیرازیؒ ۔

۱۲۰ محمود بروجردیؒ ۔

۱۲۱ عبداللہ بن الحسین بن علی بن محمد بن عبدالمعین بن عون الہاشمیؒ ۔

۱۲۲ محسن بن الشیخ عبداللہ ع البحرانیؒ ۔

۱۲۳ عبداللہ بن اسماعیل بن نصر اللہؒ ۔

۱۲۴ الشیخ علی الشیرازیؒ ۔

۱۲۵ العلامۃ الشیخ محمد تقی الہمدانیؒ ۔

۱۲۶ الفقیہ الشیخ علی البحرانیؒ

۱۲۷ العلامۃ الاکبر میرزا ابراہیم الخوئیؒ ۔

۱۲۸ الشیخ خلیل التبریزیؒ ۔

۱۲۹ العلامہ میرزا محمد باقر الشیرازیؒ ۔

۱۳۰ الشیخ فضل اللہ نوریؒ ۔

۱۳۱ العلامہ الشیخ علی الاحسائیؒ ۔

۱۳۲ العلامۃ الشیخ حسین الزنجانیؒ ۔

١٣٣ الحاج آقا میر الرشتی رح .

١٣٤ العلامہ الشیخ علی الرشتی رح .

١٣٥ العلامہ السید عبد اللہ البہبانی رح .

١٣٦ العلامہ میرزا محمود الامینی رح .

١٣٧ العلامہ میرزا حسن السبزواری رح .

١٣٨ العالم السید محمد الخلخالی رح .

١٣٩ العالم الشیخ محمود البروجردی رح .

١٤٠ العالم الشیخ حسن البیودی رح .

١٤١ العالم الشیخ ابوتراب البحرانی رح .

١٤٢ العلامۃ الشیخ عبد الغنی البادکوبی رح .

١٤٣ العلامہ السید محمد رح .

١٤٤ العلامۃ الشیخ حنیفہ رح .

١٤٥ الحاج میرزا عبد الکریم التبریزی رح .

امام شافعیؒ کا نوحہ

وممّا نفی نومی وشیّب لمّتی تصاریف ایّام لهنّ خطوب

جس چیز نے میری نیند اڑا دی اور میرے بالوں کو سفید کر دیا وہ زمانہ کی شدید ترین گردشیں اور مصیبتیں ہیں۔

تاوّب همّی والفؤاد کئیب وارّق عینی والرقاد غریب

میرا غم لپٹ آیا اور میرا دل محزون ہے اور میری آنکھوں کی نیند اڑ گئی اور اس غم سے نیند دور چلی گئی۔

تزلزلت الدنیا لآل محمّدؐ وکادت لهم صمّ الجبال تذوب

دنیا آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی (مصیبتوں) سے ہل گئی اور سخت پہاڑ اس غم میں قریب ہے کہ گھل جائیں۔

فمن مبلغ عن الحسینؑ رسالۃ وان کرهتها انفس وقلوب

حسینؑ کی خدمت میں میری طرف سے یہ کون پیغام پہنچائے، اگرچہ یہ پیغام اکثر دلوں کو بُرا معلوم ہوگا۔

قتیل بلا جرم کان قمیصہ صبیغ بماء الارجوان خضیب

وہ حسینؑ جو بلا جرم قتل کیے گئے اور گویا کہ ان کا کُرتہ (خون سے) سرخ رنگ میں رنگا ہوا تھا۔

نصلّی علی المختار من آل هاشم ونوذی بنیہ ان ذات عجیب

یہ عجیب بات ہے کہ ہم مسلمان رسولؐ پر تو صلوٰت بھیجتے ہیں اور ان کی اولاد کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

لئن کان ذنبی حبّ آل محمّدؐ فذالک ذنب لست عنہ اتوب

اگر اہلبیتِ رسولؐ کی محبت گناہ ہے تو یہ گناہ وہ ہے جس سے میں کبھی بھی توبہ نہیں کر سکتا

هم شفعائی یوم حشری وموقفی
وبغضهم للشافعی ذنب

آلِ رسولؐ حشر کے روز ہمارے شفاعت کرنے والے ہیں اور ان کا بغض شافعی کے نزدیک گناہ ہے۔

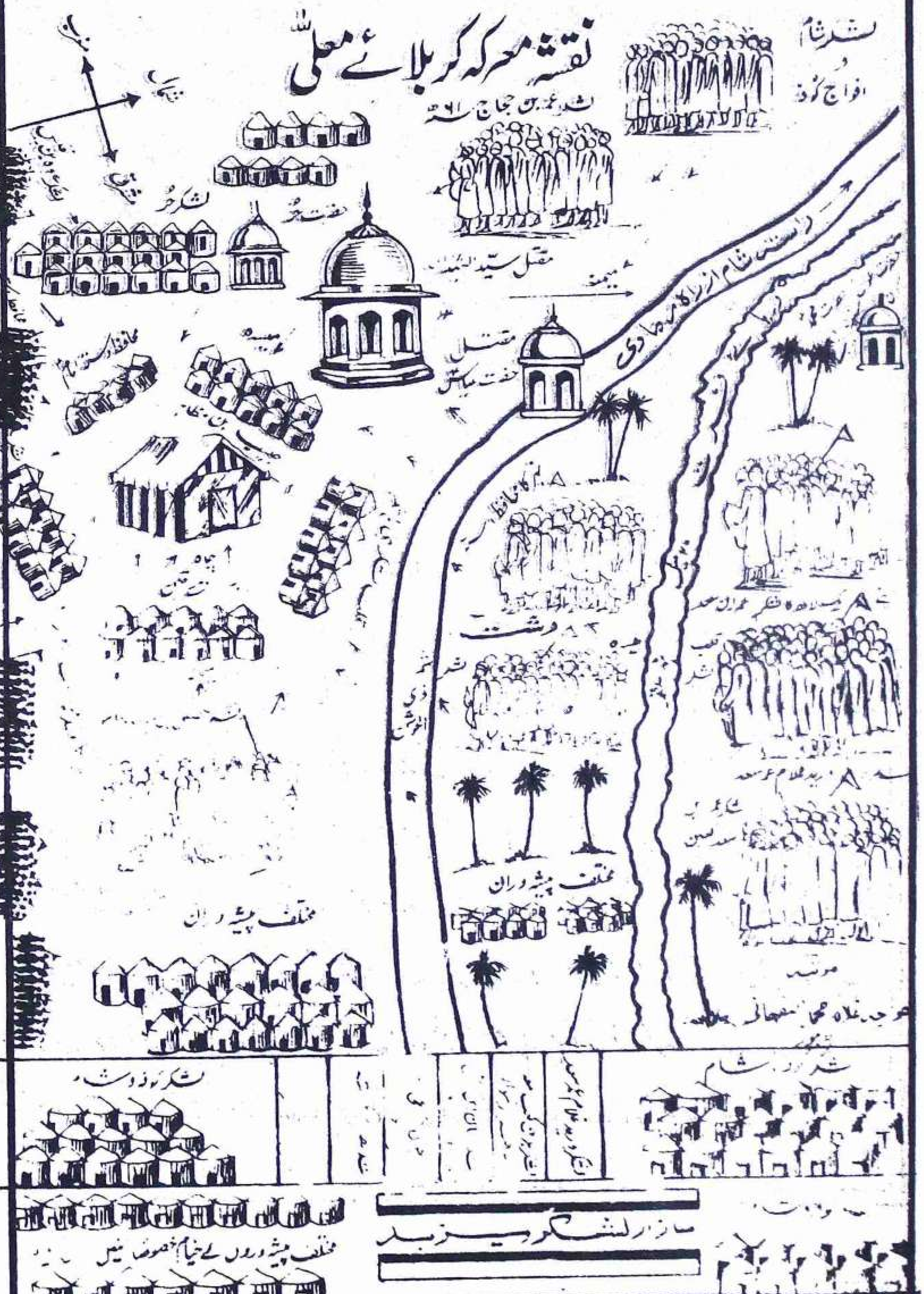

ایک مخلص قومی کارکن

جس کے رگ رگ میں حسینی پیغام کو عام کرنے کا جذبہ موجزن ہے

اسم گرامی سید غیور حسین نقوی، سکونت، قلعہ جبر حسن کالونی آپ ہندوستان کے شہر کانپور کے رہنے والے ہیں ۱۹۴۸ء میں ہجرت کرکے پاکستان آگئے یہاں آکر مختلف جگہ کام کرتے رہے جو کچھ کماتے وہ عزاداری میں لگا دیتے اسی طرح زندگی گذر رہی تھی کہ آپ کو مولانے کراچی بجلی کمپنی میں نوکری دلادی یہاں آپ رات دن اوور ٹائم کرتے ہیں جو کچھ بھی آپ کو ملتا ہے وہ ترویج عزاء میں خرچ کر دیتے ہیں۔

حسن کالونی میں جب وہاں کے مومنین نے ایک ماتمی انجمن کی بنیاد ڈالی تو آپ کو انجمن کا سب سے اہم عہدہ سکریٹری جنرل کا دیا۔ آپ جب تک انجمن سے وابستہ رہے۔ انجمن کے جملہ اخراجات خود برداشت کرتے رہے۔ ایک سال پوری انجمن کو اپنے خرچہ پر صوبہ سندھ کے تبلیغی دورہ پر لے گئے یہ اس وقت کی بات ہے جب پورے سندھ میں لسانی فسادات ہو رہے تھے۔ اس دورے سے آپ کے ذہن میں دو باتیں تھیں پہلی بات تبلیغ کی دوسری خیر سگالی کی کہ سندھی مولائی ہیں وہ جب ماتمی انجمن کو دیکھیں گے فوراً مقامی اور غیر مقامی کے تعصب سے الگ حسینی ساتھیوں کے ساتھ مل کر ذکر حسینؑ شامل ہو جائیں اور اتحاد کا جذبہ خود بخود دکھائی دینے لگے گا۔ مسجد وامام بارگاہ حسن کالونی کے سامنے شایان شان علم بیاد حضرت عباس علم بردار نصب کرایا جس کی زیارت سے مومنین و مومنات مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ اس علم کی نظیر پورے پاکستان میں ہی نہیں ہے۔ اس علم کے نصب ہونے کے سلسلے میں ایک بڑی تقریب منعقد کی اور اب ہر سال ۲۴ ذی الحجہ کو رسم پرچم کشائی کراتے ہیں ان تمام تقریبات میں جو اخراجات ہوتے ہیں وہ خود برداشت کرتے ہیں۔

اپنی جائداد کے ایک حصہ کو امام بارگاہ کی شکل دے کر بیاد حضرت ام البنینؑ سلام اللہ علیہا قائم کیا۔ اس عزاخانے کو تمام اقسام کے تبرکات سے جو مراسم عزا میں استعمال ہوتے ہیں مزین فرمایا۔ یہ امام بارگاہ بغیر کسی اجرت کے تمام مومنین و مومنات کے لئے ہمہ وقت کھلا رہتا ہے۔ انجمن تنظیم المومنین حسن کالونی کے نوحہ جات کی بیاض، کیلنڈر اور چارٹ ولادت و شہادت چہاردہ معصومین علیہ السلام کئی دفعہ اپنے اخراجات پر شائع کروا چکے ہیں۔

انجمن تنظیم الحسینیؑ اور نخل حیدری ناظم آباد کے جملہ پروگراموں میں بھرپور حصہ لیتے رہتے ہیں۔ میں ان کی ان کوششوں کو اجاگر نہ کروں جو انہوں نے ہماری مشہور زمانہ کتابیں "علیؑ علیؑ"، "حسینؑ حسینؑ"، بیاض تسکین زہراؑ، شرح طبِ معصومینؑ، شیعہ و صحابہ، مناجات۔ تینوں کے تدوین و ترتیب وغیرہ کے سلسلے میں فرماتے رہے ہیں تو یہ میری احسان فراموشی ہوگی۔ اس کے علاوہ کراچی کے جملہ امام بارگاہوں، مساجد کے باہر مرکری بلب سرکاری انتظام کے تحت لگوانے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ خداوند کریم ان کی عمر دراز کرے اور دوسرے مومنین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد وصی خاں

گوالیار کا محرم

۱۔ یوں تو دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی مسلمان آباد ہیں ماہ محرم میں کسی نہ کسی طرح حضرت سید الشہداء کی یاد تازہ کرنے کا دستور ہے ہی اور ہمارے ہندوستان کے مختلف شہروں کی عزاداری اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ملکوں ملکوں زبان زد خلائق ہے لیکن ایک ہندو ریاست یعنی گوالیار کے محرم کو بھی کچھ اہمیت حاصل ہے چنانچہ ایام محرم میں نہ جانے کہاں کہاں کے لوگ گوالیار پہنچتے ہیں۔ کیا خبر دنیا کے کس کس حصے اور گوشے ہیں وہاں کا محرم دیکھنے کے آرزو مند پڑے ہوئے ہیں اور واللہ اعلم کتنی ہستیاں اسی ارمان میں فنا ہو چکی ہوں گی۔

اگر غور کیا جائے تو لوگوں کا تعجب بھی کچھ بے جا نہیں۔ بیشک گوالیار کا محرم دیکھنے کا اشتیاق ہونا ہی چاہیئے۔ وہ یوں کہ ایک ہندو رئیس کو سیدنا حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ السلام سے اس درجہ عقیدت تھی کیا ضرورت جیسی کہ مہاراجہ گوالیار کی سنی جاتی ہے کہ وہ اس دنوں میں عام مسلمانوں کی طرح فقیر لے کر دیوانہ وار دوڑے ڈورڑے پھرتے ہیں۔

مجھے آوارہ وطن ہوئے ایک زمانہ گزر گیا۔ اس اثنا میں جہاں کہیں بھی گیا میرے ساتھ لفظ "گوالیاری" ہمرشتہ دیکھ کر اکثر احباب صاحبان گوالیار کے محرم کی نسبت طرح طرح کے سوالات کرتے رہے ہیں۔ اور ہنوز یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ اب بھی کوئی نہ کوئی پوچھ ہی بیٹھتا ہے۔

احباب کی فرمائشوں سے کتنی بار مجھے خیال آیا ہے کہ جو کچھ معلوم ہے قلمبند کر دینا چاہیئے۔ ورنہ بہت سے سبق آموز واقعات اس تفصیل سے آئندہ نسلوں تک نہ پہنچ سکیں گے۔ انہیں گوالیار کے محرم کا سبب کون بتانے گا۔ مجھے تو

استاد ولایت خان صاحب چابک سوار، نانا او بھوسلے کوچیاں صاحب بہ مضافی لالہ، جانکی داس اور شمشیر خان بھیا وغیرہ ایسے بزرگوں سے معلوم ہو گئے جو اس موقع پر موجود تھے۔ جس کی بنا پر گوالیار کے حکمران خاندان میں مراسم تعزیہ داری قائم ہوئیں۔

لیکن چونکہ مشیت کو منظور نہ تھا۔ آہستہ آہستہ وقت گزر گیا۔ اور مجھے ایک حرف لکھنے کی توفیق نہ ہوئی۔ اور خدا جانے اسی لیت و لعل میں کہاں تک نوبت پہنچی شکر گزار ہوں۔ مکرمی ادیب العصر علامہ واقف مرادآبادی کا جو زور ڈال ڈال کر آج یہ مضمون لکھوا رہے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی صاحب مجھے گوالیار کے محرم کا حال دریافت فرمایا کریں گے۔ تو یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیا کروں گا۔ کہ جناب من! اگر آپ کو ایسا ہی شوق ہے تو برائے مہربانی اخبار شیعہ کا محرم نمبر مورخہ یکم محرم ۱۳۵۷ھ ملاحظہ فرما لیجئے۔ میں نے سب کچھ تحریر کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ بیان نہیں کر سکتا

۲۔ واقعات یوں ہیں کہ جب موجودہ مہاراج کے دادا جیواجی مہاراج کی شادی کا زمانہ نزدیک آیا۔ اور پنڈتوں نے پوتھی بچاری تو ماہ محرم کی نویں تاریخ، بھانوروں کا مہورت نکلا، اس امر سے علاوہ ہندو مسلم امرا و زراء اور سرداران، ریاست کے خود بدولت مہاراجہ کو بھی سخت فکر دامن گیر ہوئی۔ کہ یہ مہینہ غم و ماتم کا ہے۔ ان دنوں ہندو مسلم بیاہ شادیوں اور ہر طرح کی مراسم خوشنودی سے احتراز کرتے ہیں۔ مصلحت یہی ہے کہ بھانوروں کا مہورت بدل دیا جائے۔ ورنہ بڑی گڑبڑ پھیلنے کا احتمال ہے۔

ایسی انوکھی بات بھلا کہاں چھپ سکتی تھی۔ آناً فاناً آدمی اور آدمی سارے شہر میں خبر دوڑ گئی۔ محلہ محلہ اور گھر گھر اس کا چرچا ہونے لگا۔ ہر شخص اپنے عقیدے اور عقل کے مطابق رائے زنی کرتا تھا۔ حتیٰ کہ شمشیر برہنہ یا خون آشام خنجر کی طرح آسمان سے ہلال محرم نمودار ہوا۔

اب کچھ عجیب ہی حالت تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کتنے ہی چھوٹے بڑے

دربار اور خفیہ شورے منعقد ہوئے مہاراجہ کی جانب سے پنڈتوں کو سمجھایا گیا۔ مسلمانوں نے پروہتوں کی منتیں کیں، پنڈت جی ہم زندگی بھر آپ کا احسان نہ بھولیں گے۔ بڑی کرپا ہوگی۔ دو چار دن کا آگا پیچھا کوئی بات نہیں ذرا مہورت ادھر ادھر کر دیا جائے تو اچھا ہے۔

اس منت سماجت سے بعض پنڈت کسی قدر نرم پڑے بعض نے نیم رضامندی کا اظہار کیا۔ اور بہت ممکن تھا کہ مان جائیں مگر جناب ایک وکھتی برہمن جس کا نام مجھے نہیں معلوم ضد پکڑ گیا۔ انتہائی خوشامدوں پر بھی ٹس سے مس نہ ہوا یہی کہتا رہا نہیں صاحب کہاں یہ سمہ ٹل گیا تو ایسا شبہ مہورت بارہ بارہ چوبیس سال نہیں آتا۔ کچھ ہو بھالوریں ضرور پڑیں گے۔

کون بات بڑھائے وہی کہنے والے کہتے ہیں۔ جن پر مجھے یقین ہے کہ خلاف مرضی مہاراجہ کی کلائی میں شادی کا گنگنا باندھ دیا گیا۔ اس بے محل خوشی کے صدمہ سے مسلمان غلامانِ امام کے دل بیٹھ گئے۔

۳۔ ادھر وہ تاریخ نزدیک آرہی تھی جس میں غریب الوطن پیاسے اہلبیت کے خشک گلے کربلا کی گرم تپتی ہوئی ریت پر کاٹے گئے۔ ادھر موضع "پارسین" کی سرزمین خیمہ وخر سے معمور ہوگئی۔ مارے لاؤ لشکر ساز و سامان کے تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ قسما قسم کے کھانوں کی ترنگیں اڑنے لگیں۔ جنگل میں منگل ہو گیا۔

سخت گرمیاں تھیں کہ کوہ وصحرا بھاڑ کی طرح تپ رہے تھے۔ عین اس موقع پر جب مہاراجہ جیواجی کا بیاہ رچنے لگا۔ اس دھوم دھام سے کہ جشن فروزی مات ہو گیا۔ ایسا غلغلہ کبھی دیکھنے سننے میں نہ آیا تھا۔ یکایک ایک طرف سے کالی آندھی اٹھی۔ بھالوریں پڑتے پڑتے دفعتہً روز روشن میں شب دیجور کا سماں کھینچ گیا۔ ایسا اندھیرا چھایا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا۔ پھر کیا تھا۔ دوست و دشمن چھوٹے بڑے کی تمیز نہ رہی ارے تو یہ کہاں کے راؤ راجہ کہاں کی بھیر و بنگاہ ہزار ستون گاؤل بادل شامیانہ جس کے آگے۔ قصر نوشیرواں مات تھا۔ پرکاہ کی

طرح اڑ گیا۔ وہ کھل بلی مچی کہ رہے نام سائیں کا۔ اس زور سے بھگدڑ پڑی کہ الاماں الحفیظ، کوئی کانٹوں میں الجھا کسی کی درخت سے ٹکر ہوئی۔ کوئی خندق میں گرا۔ کسی کو ہاتھی گھوڑے نے کچل ڈالا۔ الٹن پلٹن، توپ خانہ، ، رتھ بہلی، نالکی پالکی دم زدن میں سارا لشکر و فرزندار و یا منظر عجائب بالی ناوالی موہ مہاراجہ غائب، وہ چیخ پکار مچی ایسی گڑبڑ پھیلی کہ توبہ ہی بھلی اس نفسی نفسی کہ نہ باپ بیٹے کا نہ بیٹا باپ کا۔ کیا آدمی کیا جانور تتر بتر ہو گئے۔ سب کا ستیاناس کر کے ذرا آندھی کا طوفان کم ہو چلا تھا۔ کہ ایک دم لاکھوں توپوں پر جیسے پٹے اڑڑڑڑ ہوں اڑڑڑڑ ہوں اس زور سے بادل گرجا گویا آسمان پھٹ پڑے گا۔ اور دیکھنے والے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ کوئی ڈھائی پاؤ، تین تین پاؤ بلکہ سیر سیر بھر کے اولے پڑنے شروع ہوئے۔ اب زمین آسمان میں پناہ نہ تھی۔ وہ تناور درخت جو آندھی سے مجلجلے ہو چکے تھے۔ اولوں کی مار سے چرچڑا کر زمین پر آ رہے۔

جن مرہٹی افواج کی معرکہ آرائیوں سے ملک میں کیسے کیسے انقلابات ظہور میں آئے تھے کہ رہتی دنیا تک تاریخ فراموش نہ کر سکے گی۔ اس خدائی قہر کی تاب نہ لا کر کھیلوں کی طرح بکھر گئیں معلوم ہوتا تھا۔ اللہ میاں نے آج اپنی خدائی امام حسینؑ کو سونپ دی ہے۔ اور حضرت خفا ہو گئے ہیں۔ بس اشارہ کی دیر ہے۔ صور پھنکا اور قیامت ہوئی۔

آسمانی گولوں یعنی اولوں نے پل مارتے ستھراؤ کر دیا۔ ذرا سی دیر میں بعید از قیاس سین کھنچ گیا۔ جہاں ابھی ابھی رقص و سرور کی محفل راجہ اندر کے اکھاڑے سے پہلو مار رہی تھی۔ وہاں ہو برسنے لگا۔ اس بدحواسی کو کیا کہیئے کہ کہاں تک نئی نویلی دلہن ریاست کی ملکہ مہارانی کا ڈولہ سنسان بیابان میں چھوڑ کر اڑن چھو ہو گئے۔

مگر شباب بہ جاں نثاری بھی یاد رہے گی کہ اس حشر انگیزی میں کہ جب کوئی کسی کا نہ تھا۔ صرف ایک وفادار مسلمان حسن خان بھیا نے پیٹھ نہ دکھائی۔ یہ شیر دل اسی

طرح شمشیر برہنہ مہارانی کے ڈولے کی حفاظت پر ڈٹا رہا۔ مشہور ہے کہ جس وقت تکلیف نہ دیکھی گئی تو پردیس سے آئی ہوئی شرمیلی مہارانی کا دل اس بانکے کی حالت پر موم ہو گیا۔ اور یہ کیفیت ہوئی کہ قدرتی حجاب مانع نہ رہ سکا ڈولے میں بیٹھے بیٹھے کہا۔

بھیا صاحب! کیوں جان گنواتے ہو۔ کسی آڑ میں ہو جاؤ۔ اللہ اللہ اس بات پر گویا حسن خان بھیا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ گرجے۔

ہائیں لڑکی کیا کہتی ہے۔ میں تیری باتوں میں آکر اپنے بزرگوں کی روحوں کو شرمندہ نہیں کر سکتا۔ وہ تو نمک حرام تھے۔ جو وقت پر دغا دے گئے۔ اگر آہی پہنچی ہے تو پرواہ نہیں آج شرافت و حمیت کا امتحان ہے یہیں ختم ہو جاؤں گا۔ کیا مجال جو ڈولہ چھوڑ کے ایک قدم ہٹوں۔

خدا خدا کر کے توبہ قبول ہوئی۔ اولے تھمے، مطلع صاف ہوا۔ اور بھگوڑوں کی جان میں جان آئی۔ جن کے ہاتھ پیر میں کچھ سکت باقی تھی۔ لرزاں و ترساں، کھائی خندقوں میں سے نکل نکل کر کیمپ کی طرف رجوع ہوئے ہر طرف ایک عبرت ناک منظر تھا۔ سارا کیا دھرا خاک میں مل گیا کیمپ کا کیمپ قلب پریشان کی طرح منتشر تھا۔ لکھوکھا روپیہ پر پانی پھر گیا۔

اب کہاں کا مہورت اور کہاں کی شادی وہ تو گویا فضل کے منہ سے نکلے مرتے مرتے بچے، مہاراجہ سے لیکر ادنیٰ خدمت گار تک کے دل پر حضرت سید الشہداء کی عظمت طاری تھی۔ وہ باراتی جو نہایت تزوک و احتشام سے شادی کا جلوس بن کر گئے تھے۔ کربلا کے لٹے ہوئے قافلے کی طرح یا امام حسینؑ کرتے ہوئے خاک بسر شہر کو پلٹے۔

اس پھٹکاری ہوئی برات کے واپس جاتے ہی گوالیار کی راجدھانی لشکر میں محرم شریف کا اہتمام ہونے لگا۔ جلد جلد ایک سرکاری تعزیہ بنایا گیا۔ مہاراجہ نے ہیرے جواہرات کے زیورات، انمٹھے گنٹھے بالے جوشن، کنگن و نگن

انتہا ما بت عقیدت وخلوص سے فقیری لی۔ مقربان خاص اور عزیز واقارب ہمیت ستانتی تربیت کے مطابق محلہ محلہ تعزیوں کو سجا رہے کرتے پھرے بفرح شربتوں کے دریا بہا دیئے گئے۔ گلی کوچوں میں نیاز بٹنے لگی۔ اور کچھ اس زور سے خیرات ہوئی کہ جن غریبوں کو سات سات پشت سے پیٹ بھر روٹی نصیب نہ ہوئی تھی ان کی جھونپڑیوں میں گھی کے چراغ جل گئے۔

۴۔ تو جناب آپا خیال شریف ہیں۔ اس اس طرح گوالیار کے سرکاری محرم کی ابتداء ہوئی۔ اور کیونکہ یا قاعدہ ہے کہ " الناس علیٰ دین ملوکھم ۔ جب خاص الخاص مہاراجہ ہی زیر اثر آ گئے تو بھلا پھر ریاست کے صوبے سردار اور دیگر امیر امراء کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ بقول شخصیکہ آگے والا گرے اور پیچھے والا سنبھلے وہ شریمان جی سے بھی زیادہ ڈرے کہ با با کہیں ہم سے امام حسینؑ ناراض نہ ہو جائیں ۔ ورنہ پھر کسی کے دامن میں پناہ نہ ملے گی۔ لہٰذا تمام مرہٹہ اور دیگر اقوام کے ہندو سردار کسی نہ کسی صورت میں اپنے اپنے مرتبہ اور مقدرات کے مطابق اظہار عقیدت کرنے لگے۔ طرّہ یہ کہ ہر سردار ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتا تھا۔

نہ جانے پہلے گوالیار میں کیسا محرم ہوتا ہوگا۔ البتہ مہاراجہ کا معتقد ہونا تھا کہ بات ہی کچھ اور ہو گئی۔ اگر کوئی اجنبی اس زمانے میں گوالیار آئے تو کیا مجال جو وہ گوالیار کو ہندو ریاست جان سکے۔ کیونکہ اس شان کی مثال تو شاید ہندوستان کی کسی اسلامی ریاست بھی نہ مل سکے گی۔

وہاں گوالیار، لشکر اور مرار تکونی شکل میں تین آبادیاں نزدیک نزدیک ہیں۔ محرم میں کسی آبادی میں جا نکلئے۔ علم، اکھاڑہ، براق، تعزیہ اور فقیری لئے ہوئے ہندو مسلمانوں کے سوائے کچھ نظر نہ آئے گا۔ قدم قدم پر سبیلیں لگ جاتی ہیں۔ امام باڑوں کی آرائش ایسی کہ دیکھنے والے کے اوسان خطا ہو جائیں۔ تینوں بستیوں میں یا علیؑ۔ یا حسنؑ یا حسینؑ کے سوا اسے کچھ سنائی نہیں دیتا۔

محرم شروع ہونے والے سال تو آپ جانتے ہیں کہ راروی میں کیا ہو سکتا۔ بیچاروں کو جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے کہاں تک تکلیف کرتے بس سوم ختم ہوتے ہی آئندہ سال کے لئے تعزیہ کی بسم اللہ کر دی گئی تاکہ پہلی تاریخ کو امام باڑہ میں موجود ہوں۔

چنانچہ میرے سامنے جیسے اب رفتہ رفتہ سترہ اٹھارہ سال ہو گئے سرکاری تعزیہ کا ٹھیکہ عیدے خان ٹھیکیدار کے پاس چلا آتا تھا۔ ٹھیکیدار صاحب کا خاندان اور ان کے کتنے ہی چیلے چانٹے چودہ تاریخ محرم سے کام شروع کر دیتے تھے۔ تعزیہ بانس اور ابرک کا ہوتا ہے۔ کچھ ایسے بے قاعدہ اور اندھا دھند اونچا تو نہیں ہوتا کہ چاروں طرف موٹے موٹے رسے باندھ کر لوگ کھینچے رہیں کہ کہیں ہوا لگنے کر گر نہ پڑے ہاں تناسب کے لحاظ سے کافی بلند اور اتنا وزنی کہ کوئی ساڑھے تین سو کہار اٹھاتے ہیں لیکن مارے بوجھ کے بیچاروں کے کندھوں کا برا حال ہو جاتا ہے۔

اس تعزیہ کی خوشنمائی اور دلکشی کا نقشہ کس طرح کھینچوں۔ جو نصیبے کا سکندر ہو گوالیار جاکر بچشم خود دیکھے اور کلیجہ ٹھنڈا کرے۔

ٹھیکیدار صاف کاریگروں کو قمچیاں چھیلنے، ٹھاٹھ باندھتے اور ابرک کے قلعوں پر نظر فریب گلکاری کرنے پر لگا دیتے تھے۔ جتنا جتنا حصہ تیار ہو جاتا۔ کوئی بڑا مکان نہ ہونے کے سبب سے شہر سے باہر حضرت محمد غوث صاحب گوالیاری رحمتہ اللہ علیہ کے خطیرے میں احتیاط سے رکھے جاتے تھے۔ جونہی محرم ہوا کہ عیدے خاں صاحب اپنا عملہ لیکر خطیرے میں آ گئے۔ اور ابرک لگا لگا کر تعزیے کی تکمیل کرنے لگے۔

تمام حصے مکمل ہونے پر ان کا ایک ایک حصہ سرکاری امام باڑہ واقع کمپو کوٹھی لشکر میں موقع موقع سے جوڑ دیا جاتا تھا۔ اس دوران میں امام باڑہ کے ارد گرد جنگی پہرہ لگا رہتا تھا کہ سوائے خاص خاص آدمیوں کے پرندہ پر نہ مار سکے۔

جونہی چاندنی رات ہوئی۔ کہ چار سو ہل چل مچی، پہلی محرم کو مسلمانوں کے ذریعہ سے ختم فاتحہ کے راج گھرانے نے فقیری لی۔ ہندو مسلمانوں کے لئے سرکاری لنگر خانوں کے دروازے کھلے، سبیلیں جاری ہوئیں اور امام باڑہ کے پردے اٹھا دیئے گئے۔

۵ میری موجودگی تک وہاں یہ دستور تھا کہ پہلی ہی تاریخ سے مہاراجہ جیجا مہاراج اور مہارانیاں وغیرہ فقیری لے کر سبز لباس پہن لیتے تھے۔ اس دوران میں دیگر ریاستی کاروبار تقریباً بند رہتا تھا۔ دن رات سوائے تعزیہ داری اور محرم کی دوڑ دھوپ کے کچھ کام نہیں۔

صبح صبح سرکاری لنگر خانوں میں ہندو مسلم فوجوں اور خاص خاص لوگوں کے زیر اہتمام خوب تر بتر تبرک بلا روک ٹوک ڈٹ ڈٹ کر کھلایا جانے لگا۔ تھا۔ کیونکہ لنگر خانوں میں اونچے اونچے درخت بہت ہیں اس واسطے فوجی دستے متعین ہوتے ہیں کہ کھانا دیکھ کر منڈلانے والے چیل کوے اڑانے کی غرض سے متواتر بندوقوں کے فائر کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی بیٹ سے تبرک خراب نہ ہو سکے

کیسا عجیب نظارہ ہوتا تھا کہ دور دور کے لوگ گروہ در گروہ یا امام حسینؑ کے نعرے لگاتے چلے آرہے ہیں۔ بندوقوں کی دھوں وہاں کے ساتھ عقیدت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی خدائی کا غل مچے ہو امام حسینؑ موتی والے کی گادی اٹھل رکھیں مہاراجہ اور سرداران ریاست کا دوڑے دوڑے پھرنا کہیں کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے۔ وہ سماں تھا۔ جس سے انسان کا دل دلائے مظلومین میں پانی ہو کر بہہ جائے۔

یہ تبرک صرف لنگر خانے میں ہی نہیں گلی کوچوں میں بھی کرانچیاں بھر بھر کر تقسیم کیا جاتا تھا۔ ادھر سرکاری سبیلوں کا یہ عالم کہ تانبے کے بڑے بڑے کونڈ پانی سے بھرے اور برف کی سلیں گلا کر بوروں چینی گھول دی ہندوانہ چھوت

چھات کی مجبوری سے سرکاری سبیلوں پر گلاس آبخورے وغیرہ نہیں ہوتے تھے۔ دونوں طرف اوک کے شربت پلایا جاتا تھا اور کوئی پوچھنے والا نہیں کہ کون کتنی مرتبہ پی گیا۔ جب جی چاہا ادھر ادھر ٹہل کر پھر سبیلوں پر گشت کرتے اوک لگائے آ ڈٹے۔ ہاتھ بھی شربت سے دھوئے اور پینے سے زیادہ پھیلایا۔ گھٹنوں کیچ ہو جاتی تھی جس سے زمین میں خمیر اٹھا کرتا تھا۔

ہر سال علاوہ ریاست کے دور دور کے حفاظ اور ذاکرین بلائے جایا کرتے۔ جو حافظ جس قرآن سے تلاوت کرتا۔ بعد ختم یعنی سوم ہونے پر مقررہ انعام و اکرام کے ساتھ وہ قرآن شریف بھی اسی کا ہو جاتا تھا۔ پھر حفاظ میں تقسیم کرنے کے لئے دوسرے سال نئے قرآن شریف منگائے جایا کرتے تھے۔

ہر روز دن بھر لنگر جاری رہتا۔ اور سورج ڈوبتے ڈوبتے چراغاں کی تیاری ہونے لگتی تھی۔ کوئی ڈیڑھ ڈیڑھ بانس مکمل بلند جنگلے میں رنگین پانی اور روغن بھرے ہوئے روشن گلاسوں سے امام باڑہ کے ارد گرد جلوۂ طور کا منظر کھنچ جاتا تھا۔ قلعہ گوالیار کی ایک عمارت سے جو ہوگی کوئی دو ڈھائی میل فاصلے پر سرچ لائٹ ڈالی جایا کرتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا۔ جیسے قلعے سے امام باڑہ تک آسمان پر ایک نورانی سڑک بنی ہوئی ہے۔

۴ سرکاری امام باڑہ ہر روز نئے اسلوب پر سجایا جاتا تھا۔ یعنی جو آرائش آج ہے۔ وہ کل نہ ہو گی۔ جو کل ہے وہ پرسوں نہیں۔ اسی سجاوٹ میں اکثر برف کا پہاڑ بھی بناتے۔ اور کیونکہ اس وقت تک گوالیار میں آئس فیکٹری کا وجود نہ تھا۔ لہذا آگرہ سے ویگنوں برف منگائی جاتی تھی تاکہ رات بھر نہ گلنے والا پہاڑ بے دریغ بنایا جا سکے۔

وہ امام باڑہ امام باڑہ کیا سید الشہداء کا شاہی دربار کہیئے۔ جہاں مہاراجہ گوالیار سا جلیل القدر رئیس نقیری لئے۔ ادنیٰ چاکروں کی طرح مارا مارا پھرتا تھا۔ علاوہ ازیں نمبردار ریاست کے تمام سرداروں کی ڈیوٹی بھی امام باڑہ کے پہرہ پر لگائی جاتی تھی۔ اوہ نہ صرف سرکاری حکم کی تعمیل کے طور پر بلکہ اپنی دلی عقیدت سے سعادت سمجھ کر بسر و چشم حاضر رہتے تھے۔

جب مسلمان امام باڑہ میں فاتحہ پڑھنے جس کا ہر زائر کو اختیار تھا۔ تو ہندو سردار اور ہندو حاضرین نہایت ادب سے ہاتھ جوڑ کر رہ جاتے تھے گویا۔ درحقیقت شہنشاہ سامنے جلوہ افروز ہے کہ رعب و جلال سے جنبش نہیں کر سکتے۔

امام باڑہ کی پشت پر زنانہ کیمپ ہوتا تھا جسمیں رانی، مہارانیاں اور ریاست کی سردار زادیاں وغیرہ درشن کر کر کے بیٹھی تھیں۔ اسوقت امارت کی کوئی علامت نہ ہوتی تھی۔ سب فقیری پوشاک سبز ساڑھی باندھے گلے میں سیلیاں ڈالے پیشانیوں پر عود دان کی راکھ ملے نہایت خشوع و خضوع سے ذاکرین کے مرثیہ سن سن کر متاثر ہوا کرتی تھیں۔

یہ تو سرکاری امام باڑہ کا کچھ تھوڑا بہت ذکر تھا۔ اسی طرح ہر مرہٹہ اور برہمن سردار کی حویلی میں ایک حصہ امام باڑہ کے لئے مخصوص ہے تمام سردار اپنے اپنے امام باڑہ کو اس انداز سے سجاتے تھے کہ دیکھنے والا تصویر حیرت ہو کر رہ جاتا ہے۔

شمع، کنول، ہانڈی، جھاڑ فانوس وغیرہ کا شمار نہیں۔ امام باڑہ بقعہ نور بنا ہوا ہے۔ مارے جگمگاہٹ کے نگاہیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں۔ عجیب عجیب تعزیوں، قطعوں، اعلیٰ اعلیٰ فوٹو، دستی تصاویر کے نادر نمونوں پردوں اور قد آدم آئینوں سے دیواریں نظر نہیں آتیں کہیں، فواروں پر آڑے چوڑے کا ناچ، کہیں ہزاروں کی پھوار کی بہار کہیں کوئی حیرت

انگیز لاگ لگی ہوئی ہے۔ کسی امام باڑے میں مرثیہ خوانی سوز خوانی پر لوگ محبوب کھڑے ہیں۔ اور بتیاں، عوودان وغیرہ سلگنے کے علاوہ بار بار گلاب پاس جلنے کے سبب سے دل و دماغ کا کچھ اور ہی حال ہے۔ مارے ان خوشبوؤں کے روحیں باغ باغ ہوتی جاتی ہیں۔

ان امام باڑوں کی آرائشوں میں الجھ جاؤں تو خوف ہے کہ کتنے ہی صفحے ختم ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ معاملہ یہیں چھوڑ کر ایک ایسا ذکر کرتا ہوں جس سے ہندوانہ عقیدت کی سچی تصویر سامنے آکر محبانِ اہلبیت کے دلوں پر رقت طاری ہو جائے۔

مختلف امام باڑوں کی زیارت میں ایک عجیب نظارہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہندو اور مرہٹہ دیویوں جنہیں دیکھ کر خدائی قدرت نقش ہو جائے۔ اپنے گھروں سے فقیری رنگ کی ساڑھیوں میں ملبوس ہندوانہ طریق پر اشٹ رنگ نمسکار کرتی امام باڑہ کے راستے میں فرشِ راہ ہوتی ہوئی آتی ہیں۔ وہ ان کا خاک آلود لباس بال بکھرے ہوئے پیشانی پر پسینا آنکھیں پرنم اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر اشٹ رنگ نمسکار کرتی امام باڑہ تک پہنچ کر ادب سے سر بسجود ہونا۔ اس جگہ کہ لوگوں کے پیر پڑتے ہیں ماتھا رگڑنا اور فاتحہ ہوتے وقت ایک پاؤں کے بل کھڑے رہنا پھر بجائے چند دن کے عودان کی راکھ ماتھے پر مل کر یا حسینؑ یا حسینؑ کہنا۔ ایسی باتیں ہیں کہ دیکھنے والوں کا چہرہ آب آب ہو جائے۔

اور یہ کیا کیوں جاتا ہے۔ اس لئے کہ زائرہ اعتقاد رکھتی ہے۔ میں امام حسینؑ کی دعا سے پیدا ہوئی ہوں۔ یہ میرے بھگوان ہیں۔ یہ ہی ہر حال میں میری رکھشا کریں گے۔

اب ذرا اس کفر سے اپنے ایمان کا مقابلہ کیجئے دامان اہلبیت میں کس کو پناہ ملنی چاہیئے۔

۷ ہر رات سرکاری امام باڑہ میں مرثیہ سوز خوانی کی مجالس منعقد ہوا کرتی ہیں۔ جن میں صرف مقامی ذاکرین و سوز خواں ہی نہیں لکھنؤ، آگرہ، دھولپور اور دیگر مقامات کے صاحب کمال بھی مدعو کئے جاتے ہیں۔ کتنے ہی صاحبان کا مستقلاً سالانہ مقرر ہے۔ اور انہیں وہاں حاضری دیتے عمر گزر گئی سال کے سال مجلس پڑھ کر انعام و کرام سے مالا مال اپنے اپنے وطن کو پلٹ جاتے ہیں۔

یہ مجلس صرف سرکاری امام باڑہ پر ہی ختم نہیں شہر میں اور بھی کتنی ہی جگہ مجالس کا دستور چلا آتا ہے۔ بلکہ حکیم جی کے امام باڑہ میں تو سرکاری امام باڑہ سے بھی کچھ زیادہ ہی گھما گھمی رہتی ہے۔ کیونکہ وہ تمام ذاکرین جو روزانہ رات کے وقت سرکاری امام باڑہ میں پڑھتے ہیں۔ دن کو حکیم جی کے ہاں تین چار گھنٹے پڑھ کر ہر کس و ناکس کو داخل حسنات کرتے ہیں اور بہت سوز خوان ان کے علاوہ تھے۔

اس قسم کی مجالس تو خیر ہمیشہ ہوا ہی کرتی تھیں۔ ایک سال مہاراجہ مادھو راؤ سندھیا ریاست سے باہر گئے ہوئے تھے اتفاقاً کسی مقام پر خان بہادر شمس العلماء مولانا ابوالخیر صاحب فصیح غازی پوری ان کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ باتوں باتوں میں کہیں چھڑ گیا محرم کا ذکر۔ تو مہاراجہ نے کہا مولوی صاحب گو میں صدق دل سے امام حسینؑ پر اعتقاد رکھتا ہوں اور میری تعزیہ داری سے سب واقف ہیں۔ لیکن افسوس مجھے اب تک کربلا کے صحیح حالات معلوم نہ ہو سکے۔ مہربانی کر کے ذرا آپ بتائیے کہ وہاں کیا ہوا تھا۔؟ مولانا نے جواب دیا۔

مہاراج بڑی داستان ہے۔ اتنے سے وقت میں کیا بیان کروں۔ ابھی میں اس کا عشر عشیر بھی عرض نہ کر سکوں گا ہاں اگر مرضی ہو تو محرم شریف کچھ دور نہیں۔ اس وقت یاد فرمائیے گا۔ تو جتنا کچھ بھی میرے امکان میں ہے خوب تفصیل وار ظاہر کروں گا۔

اس بات پر مہاراجہ خوش ہیں اور مولانا سے پکا وعدہ لے لیا کہ اب کے محرم گوالیار کے کیجیٔگا۔ تاکید ہے۔

محرم کے کچھ دن باقی تھے کہ خط وکتابت کر کے مولانا ابوالخیر صاحب کو گوالیار بلا لیا گیا۔ اوران کے بیان کے لئے آٹھویں تاریخ قرار پائی۔

مولانا کی آمد ان کے بیان کے لئے چرچا تو گھر گھر ہوہی رہا تھا۔ آٹھویں تاریخ کو خلق خدا نے کمپو کوٹھی کے میدان میں ہجوم اب خدا جانتا ہے کہ وہاں کتنی تعداد تھی۔ بہر حال جدھر نظر ڈالیئے رنگ برنگ انسانوں کا سمندر موجیں مارتا دکھائی دے رہا تھا۔ سڑکوں پر دور یہ لالنسرز کے سوار تعینات تھے باقاعدہ وردی پہنے پلٹنوں کے جوان امام باڑہ کے اردگرد کھڑے کردیئے گئے لیکن یہ سب رونق کے لئے زائرین کو روکنے کی غرض سے نہیں۔ جو جہاں تک گیا۔ کس کی مجال جو ایک انچ تو ہٹا دے۔

امام باڑہ کی پشت پر زنانہ بارگاہ میں جیجا مہاراج اور مہارانیوں کے علاوہ معزز بائیاں (سردار زادیاں) جمع ہوگئیں۔ تعزیے کے سامنے درباری آئین کے مطابق مہاراجہ اور ہالی موالی موورب دوزانوں بیٹھے اور کوئی آٹھ ساڑھے آٹھ بجے رات کو درود فاتحہ کے بعد باقاعدہ مولانا کا بیان شروع ہوا۔ یہ سید الشہداء کا معجزہ تھا۔ اس قدر اژدہام ہونے کے باوجود جو فاتحہ کو ہاتھ اٹھتے ہی یہاں سے وہاں تک جیسے سانپ سونگ گیا۔ سن سن کر کے ایک دم خاموشی چھا گئی۔

کچھ جوہر ذاتی ماحول کا اثر اور سب سے بڑی بات یہ کہ واقعات کربلا کا بیان معتقدین کی مجالس اور مہاراجہ گوالیار کی موجودگی میں شاید اس سے پہلے اور اس کے بعد مولانا کو یہ بات نصیب ہی نہ ہوئی ہوگی۔ بس یوں کہنا چاہیئے۔

"کوئی اور بولتا ہے یہ میری زبان نہ سمجھو۔"

فصاحت و بلاغت کا ایک دریا امڈا اور ایک ایک لفظ طوفانی موجوں کی طرح کشتیٔ دل کو ولائے اہلبیتؑ کے بحر زخار میں بہائے لئے لگا۔ مولانا کی آواز دلوں میں اتری جاتی تھی۔ اور ہمہ تن گوش سامعین کی روحیں ناقابل بیان حالت میں نہ معلوم کس عالم کی طرف پرواز کر رہی تھیں۔ اس وقت زنانہ سراپردہ سے لے کر سڑک اس پار سبیلوں تک کی مخلوق دنیا و مافیہا کو بھول تن بدن سے بے خبر تھی۔

تھوڑا ہی سا بیان سن کر اولیٰ و اعلیٰ کے آنسو تو جاری ہو ہی گئے تھے۔ پھر ٹھہر ٹھہر کر سسکیاں لینے کی کچھ دھیمی سی آوازیں آرہی تھیں۔ جس وقت مولانا حضرت مسلم کے صاحبزادوں کے راستہ بھولنے تک پہنچے، مہاراجہ نے یا علیؑ کا ایک فلک شگاف نعرہ لگایا۔ اور اندر باہر وہ کہرام ہوا کہ قیامت ہی تو آ گئی۔

اس وقت نہ کوئی راجہ تھا نہ سردار فلک زدوں کی طرح بے شمار انسان دھاڑیں مار مار کر عرش کا پایہ ہلائے دیتے تھے۔ اسی طرح کہ راؤ راجہ رانی مہارانی ہندو مسلمان وردیاں پہنے ہتھیار سجائے سپاہی پیادے سب کے سب اپنی اپنی تکلیف سے بے قرار ہیں۔ دنیاوی حفظ مراتب اور چھوٹے بڑے کا لحاظ خاک میں مل گیا۔ ہر متنفس آزادانہ دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔ انتہا ہے کہ زنانہ بارگاہ سے ان داتا حسینؑ ہائے حسینا پکار پکار کر رانیاں اور بائیاں مرہٹی زبان میں بین کر رہی تھیں۔

کتنی ہی ناز و نعم کی پلی ہوئی بائیوں پر غشی طاری ہو گئی مہاراجہ سندھیا تعزیے کے رخ ہائے حسینؑ کر کے زمین پر لوٹ گئے۔ بہت سے مرہٹہ سردار مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہے تھے اور رونے سے جی سیر نہ ہوتا تھا۔

ویسے تو خدا کے فضل سے مولانا میں کوئی کسر نہیں لیکن آخر انسان ہیں اس

رنگ سے خود بھی ایسے متاثر ہوئے کہ شائد کبھی نہ ہوئے ہوں گے۔ خدا جانے کتنی دیر یہ حالت قائم رہی۔ جب کسی قدر طبیعت ہلکی ہوئی تو مہاراجہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

لبس مولوی صاحب رحم کیجئے۔ !

مولوی صاحب نے جواب دیا مہاراج ! مجھ میں بھی آگے بیان کرنے کی تاب نہیں آپ کا بڑا احسان ہوا۔

۸۔ مادھوراؤ سندھیا کی رواداری کا نمونہ یقیناً ملک بھر میں کوئی رئیس پیش نہ کر سکے گا۔ بیشک اکثر دیگر ریاستوں میں بھی بہت سی بے تعصبی کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مگر مہاراجہ گوالیار کی بات ہی کچھ اور ہے۔ چنانچہ ایک سال محرم اور دسہرہ ساتھ ساتھ آگئے۔ اسوقت غور کیا جائے تو بڑا نازک معاملہ تھا۔ لیکن مہاراجہ کے حسنِ تدبر سے کسی کو تعصب کا وہم تک نہ ہوا۔ ان کی میانہ روی سے ہندوستان میں ہندو مسلمان میں سے کسی کو شکایت کا موقع نہ ملا۔

وہ اس طرح کہ مہاراجہ بدستور فقیری لباس یعنی سبز رنگ کے کپڑے پہنے دن بھر حسب معمول تعزیہ داری کا اہتمام کرتے رہے۔ اور کیونکہ ہندو دھرم بھی رکھنا تھا۔ لہٰذا تیسرے پہر اسی پوشش پر چند ضروری علامات کا اضافہ کر کے دسہرہ کے جلوس میں شریک ہوئے۔ پھر مانڈرے کی ماتا پر چھو نکر لوجن کر کے امام باڑہ میں حاضر ہوئے۔

یہی تو وجہ ہے کہ ہمیشہ ایسے وقتوں میں جبکہ دنیا کی طاقتیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ تائید غیبی مہاراجہ کے شامل حال رہی اور حضرت سید الشہداء کے تصرف روحانی سے مہاراجہ پر کوئی آنچ نہ آنے پائی۔

چنانچہ یہ روایت عام طور سے مشہور ہے کہ ایک بار مہاراجہ کسی کارخانہ کی سیر کرتے پھرتے تھے۔ نہ جانے کس طرح مشین کی مال (پٹہ) میں ان کے

انگرکھے کا دامن الجھ گیا۔ اور تیزی سے مشین کی طرف لے جانے لگا عین اسی وقت کہ مشین میں آ کر ہڈی پسلی ایک ہونے کو تھی۔ مہاراجہ کے منہ سے بیساختہ یا حسینؑ کا نعرہ نکل گیا۔ بس فوراً تڑاق سے مال چٹخی اور مشینوں کے پہیئے گھومتے رہ گئے۔

دریافت کرنے پر مہاراجہ نے فرمایا۔ لفظ حسینؑ نکلتے ہی مجھے ایک تجلی نظر آئی تھی۔ آہ میری آنکھیں بند ہو گئیں اور میں درشن نہ کر سکا۔

جب دیکھا تو مال لوٹی نہ تھی۔ سارا کارخانہ گواہ ہے بالکل اسی طرح کٹی ہوئی جیسے کوئی تلوار سے کاٹ دے۔

جب کبھی مہاراجہ کے پاس کسی حاکم کی شکایت پہنچتی کہ فلاں شخص بڑا راشی ہے تو آپ ڈرایا کرتے تھے۔

یہ فقیری گدی ہے، اس کا پیسہ ہضم نہیں ہو سکتا۔ دیکھ لینا اگر وہ نمک حرامی سے باز نہ آیا تو امام حسینؑ اس کو اندھا کوڑی کر دیں گے۔

عقیدت کی ایک مثال یہ بھی ہے جس سے ہر شخص کو سبق لینا چاہیئے۔

نیا بازار لشکر سے دولت گنج کو جانے والی سڑک پر ایک سوار فوج ہے جسے حضورات پائیگاہ کہتے ہیں سڑک کے دوسرے رخ پر ایک وسیع میدان طے کر کے حضورات پائیگاہ کا امام باڑہ ہے۔ جس میں تین تعزیہ رکھے جاتے ہیں۔ جس سال نئی نئی بجلی لگی اور کھم گاڑ گاڑ کر شہر پر تاروں کا جال سا پھیلایا گیا۔ تو گشت کو لے جاتے وقت کافی بلند ہونے کی وجہ سے تعزیہ کا کلس بجلی کے تار میں اٹکا۔ ایسا کچھ زیادہ نہیں اگر ہاتھ بھر کیا چار چھ انگلی بھی نیچا کر لیتے تو تعزیہ آسانی سے نکل سکتا تھا۔ مگر آپ بھائی مسلمانوں کو تو جانتے ہی ہیں ان معاملات میں یہ بھلا کب چوکنے والے ہیں۔ ارے توبہ تعزیے کی بھلا بے حرمتی ہو جائے۔ اپنی پرائی جان ایک کر دیں پیچھے نہ ہٹیں۔ بس جناب آگا دیکھا نہ پیچھا یا حسینؑ کا نعرہ لگا فوراً تعزیہ زمین پر رکھ دیا۔ اور شمشیر برہنہ

حسینیؑ فقیر جن میں ہندو بھی شامل تھے حسینؑ حسینؑ دولہا۔ سید کہہ کہہ کر کے تعزیہ کا طواف کرنے لگے۔

ایک ہلڑ مچا کہ لو غضب خدا کا بجلی کے تار سے حضورات پائیگاہ کے تعزیہ کا کلس رک گیا۔ اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔ پھر جو ہے۔ اندھا دھند بھاگا چلا آتا ہے۔ دم زدن میں وہ چیخ پکار مچی کہ الامان الحفیظ آناً فاناً میں مادھو مہاراج تک ڈاک ہرکارا دوڑ گئی۔ اس خبر وحشت اثر سے مہاراجہ آپے میں نہ رہے۔ بھیڑ میں گھستے ہلپھلاتے بوکھلاتے موقع پر حاضر ہوئے اور بدحواس ہو ہو کر چیختے تھے۔

ارے کمبختو! کیا ریاست تباہ کر دو گے۔ ہائے ستم ہو گیا۔ فوراً ہی کھمبے گرا دیئے ہوتے۔ لاؤ جلدی سے پھاوڑے کدالیں کس کا انتظار کر رہے تھے

یا حسینؑ غلام بے قصور ہے۔ ان داتا دیا کرنا غلام کے حال پر۔ جو نہی پھاوڑا آیا بلا پس و پیش خود بدولت مہاراجہ سندھیا زمین کھودنے لگے۔ اور لوگ بھی لوٹ پڑے۔ چند منٹ میں کھمبے گرا دیئے گئے۔ مہاراجہ نے بیتابی سے تعزیے کے سامنے زمین پر پیشانی رکھ دی۔ اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگے۔

۱۹۱۹ء میں جب وہ ہلاکت آفریں انفلوئنزا پھیلا تھا۔ جس سے کوئی قریہ و دیہات تک محفوظ نہ رہ سکا۔ اس زمانے کے لگ بھگ محرم شریف بھی آ گئے تھے۔ اب خدا جانے کیا اسرار ہے کہ جس وقت سرکاری تعزیہ کربلا کو لے جایا جا رہا تھا۔ راستہ میں یکا یک ایک جگہ تعزیے کا ایک کونہ جھکنے لگا۔ صدہا کہاروں کے علاوہ نہ معلوم کس کس نے زور لگایا کوگوں کے کندھے چھل چھل گئے۔ مگر تعزیہ تھا کہ سیدھا نہ ہوا۔ برابر جھکتا ہی چلا گیا۔ مہاراجہ بھی کہیں نزدیک ہی تھے۔ خبر ملتے ہی پیدل دوڑے ہوئے آئے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ لپک کر تعزیے کو کندھا دیا۔ اور حسینؑ حسینؑ کہہ کر رونے

لگے۔ بس فوراً تعزیہ بالکل پھول ہو گیا۔ خدا خدا کر کے مہاراجہ کی جان میں جان آئی۔ اور پھر اسی طرح کاندھا دیئے ہوئے ننگے سر کربلا تک گئے۔

دہلی دربار کے دوسرے سال کا ذکر ہے۔ کہ جب مہاراجہ انگلینڈ کو تشریف لے گئے۔ تو کچھ اور ہی معاملہ ظہور میں آیا۔ وہ یہ کہ ایک روز مقام ہیلنگھم میں شاہی اہتمام سے فوجی کرتب وغیرہ کی نمائش ہو رہی تھی۔ جس میں ملک معظم اور انگلستان کے شاہی خاندان کے علاوہ یورپ اور امریکہ تک کے نمائندے موجود تھے۔

اس موقع پر مہاراجہ گوالیار جو گھوڑا دوڑاتے آئے تو نہ معلوم کس طرح ان کے صافہ کا پیچ کھل گیا۔ پیچ کھلتے ہی صافہ ہوا میں لہراتا، بل کھاتا زمین پر گرا۔ گھوڑا تھا۔ ان چیزوں سے ناآشنا بڑی طرح بدکا۔ اور بدحواس ہو کر اندھا دھند بھاگا۔ شہسوار جانتے ہیں کہ بگڑنے پر اس دیو کا قابو میں لانا کیسا دشوار ہے۔ اس نے بہتیرا روکا ذرا نرم نہ پڑا برقی سرعت سے شاہی خاندان کے قریب پہنچ گیا۔ اور کچھ دور نہ تھا۔ کہ ان ہستیوں کو پائمال کر دے مہاراجہ نے یا حسینؑ کہہ دیا۔ جو ایک جھٹکا لگام کو دیا کہ گھوڑا زمین پر منہ کے بل آ رہا۔ اور کسی نامعلوم طاقت نے گرتے گرتے مہاراجہ کو اس شان سے کھڑا کر دیا کہ ایک پاؤں زمین پر اور دوسرا سے گھوڑے کا ٹینٹوا دبا ہوا ہاتھ میں لگام اور بالکل اطمینان سے اکڑے کھڑے ہیں۔ ادھر گھوڑا جیسے کسی نے رسوں سے جکڑ کر ڈال دیا ہو۔ ہاتھ پاؤں پھیلائے پڑا ہانپ رہا تھا مع ملک معظم کے بیشمار مخلوق وفور استعجاب سے اکدم کھڑی ہو گئی۔ اور تالیاں بجا بجا کر ہپ ہپ ہرے، ہپ ہپ ہرے کے نعرہائے مسرت سے زمین کے طبق ہلا دیئے۔

اس کارنامے پر مہاراجہ کو ہیرو آف ہارس مین شپ کا خطاب عطا ہوا۔ یورپ اور امریکہ کے اخبارات و رسائل میں شاندار بلاک اور معرکتہ الآرا،

مضامین نکلے۔ ایک عالم کے دلوں پر مہاراجہ کی بہادری کا سکہ بیٹھ گیا۔ دنیا عش عش کرنے لگی۔ بڑے بڑے افلاطون مان گئے۔ کہ واقعی فی زمانہ ایسا شہسوار کوئی بھی نہیں ہے۔

ادھر ان واقعات کا ایک مفصل اور ارجنٹ تار گوالیار آیا۔ بس فوراً سید الشہداء کے احترام میں قلعہ سے توپیں سر ہونے لگیں۔ لنگر خانہ اور بھنڈارے جاری کئے گئے۔ فقیروں مسکینوں اور پنڈتوں اور برہمنوں کی موج ہو گئی۔

۹ کیونکہ گوالیار اور اس نواح میں عموماً میرے ہم عقیدہ سنی مسلمان آباد ہیں حضرات اثنا عشری کی تعداد بالکل ہی قلیل ہے۔ یعنی لشکر گوالیار اور مرار میں کل جمع ہوں گے۔ کوئی سو سوا سو ایک، اس واسطے، ہاں سینہ کوبی یا کسی قسم کے ماتمی جلوس کا مظاہرہ تو دیکھنے میں نہیں آتا۔ البتہ تعزیہ، علم، براق، اور اکھاڑوں وغیرہ کے گشت پہلی ہی تاریخ سے شروع ہو جاتے ہیں۔

گوالیار میں ہتھیاروں پر کوئی لائسنس نہیں۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ بندوق تلوار باندھے پھرتا ہے۔ مزے سے دن کے وقت محلے میں بندوق چلا دیجئے کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگے گی۔ یہ سمجھ کر کہ مارا ہوگا کسی نے کوئی چیل کوا وغیرہ۔

مثل مشہور ہے کہ رمضان کا نمازی اور محرم کا سپاہی ان دنوں گوالیار میں بنئے بقال تک جنہیں جنگ و پیکار سے کوئی لگاؤ نہیں۔ فقیری لیکر پانچوں ہتھیار باندھے اکڑتے پھرتے ہیں۔ تاکہ حسینی سپاہی معلوم ہوں۔

تعزیہ براقوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور یوں بھی جا بجا ایک ایک جتھا برہنہ شمشیر لئے آپس میں پرانی جنگ کا سا روبدل کرتی پینترہ بدلتی، خالی دیتی نظر آتی ہے۔ اس قسم کے جوڑ جن کی ڈ ' ڑ کی کچھ تعداد مقرر نہیں۔ ایک تماشہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا طریق یہ ہے کہ دو شخصوں نے آمنے سامنے آکر اس طرح تلواریں تولیں گویا۔ ایک دوسرے پر وار کرتے ہیں۔ پھر ہاتھ دوس

حسنؑ حسینؑ علیؑ اور دولہا وغیرہ کہہ کر پنیترا کاٹا اور ادھر کا جوان اُدھر اُدھر کا جوان ادھر خالی دیتا ہوا نکل گیا۔ ذرا دو قدم بڑھے۔ پھر وہی ہائی دوس کر کے تلواریں نکالیں نگاہیں ملائیں اور حسن دولہا کر ادھر ادھر ہو گئے علی ہذالقیاس اسی طرح پنیترہ بدلتے اور جوشیلے کلمات کہتے جہاں تک جا ہیں چلے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں ذرا تھمے اور سب نے تلواریں بلند کر کے بڑے زور سے یا علیؑ کا نعرہ لگایا۔

محرم کی آٹھویں تاریخ کو سرکاری علم اٹھتے ہیں۔ اس جلوس میں پاک پولیس پلٹنیں، حضورات پائیگاہ، امپریل لانسرز کے چیدہ جوانوں کے دستے سواروں کا شاگرد پیشہ، حبشی، گھاٹی کا رسالہ سرکاری شاگرد پیشہ جسمیں کچھ دستے یانالی غلاف چڑھی بندوقیں کاندھوں پر رکھے بعض ٹکڑیوں کے ہاتھوں میں لمبے لمبے سرخ روغن والے ڈنڈوں کے بھالے کسی علمے کے پاس طلائی نقری چھڑی دیسی جوتیاں پہنے لپ جھپ چلے جارہے ہیں۔

عہد مغلیہ کے وقت کا عطیہ ماہی مراتب، ہاتھی، بیل اور گھوڑوں کے توپ خانے اگلے زمانے کے ہتھیار، یکہ سواروں کا دستہ جس میں ہر شخص خود، جھلم، مغفر، جوشن چار آئینہ اور موزے وغیرہ سے لیس عباسیہ نیزہ ہاتھ میں لئے، پیٹھ پر ڈال ڈالے غرق آہن او بچی بنا ہوا۔ اچھے کھیت کے شاندار گھوڑے پر سوار صدیوں پہلے کی یاد دلا رہا ہے۔

ساز و یراق سے جگمگاتے، طلائی اور نقرئی ہیکلوں یا کھروں سے لدے ہوئے کامدار چار جاموں سے دولہا بنے آڑے ترچھے چلنے والے کوتل، سو سو پچاس پچاس کوس کا دہاوا مارنے والی گردن کشیدہ اتھک سانڈنیاں پرانی چال کا شتری توپ خانہ نقاد تفیری کی سہانی، بے ماتمی باجوں پر فوجوں کا قدم ملانا۔ گھوڑوں کی دھیمی دھیمی ہنہناہٹ، ہاتھیوں کی مستانہ چال اور اب کہاں تک عرض کروں وہ وہ ساز و سامان جسے دیکھ کر انسان

کسی اور ہی عالم میں چلا جائے۔

سرکاری علموں کے جلوس میں ہوتا ہے۔ فوجوں کا یہ حال کہ باقاعدہ ہونے کے باوجود عقائد سے مجبور فوجی آئین کے خلاف فقیری کی کسی نہ کسی علامت سے بہت کم مبرا نظر آتے ہیں۔ کوئی سرکاری وردیاں پہنے ہوئے جال کرچ میں سیلی بھی شامل کئے ہوئے۔ کسی پر پیشانی پر عوودان کی راکھ (جسے اس طرف عودی کہتے ہیں) لگائے چلا جا رہا ہے۔ کسی کے کالر میں فقیری کا سبز رومال جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن ان ایام میں افسر تو افسر مہاراجہ تک کچھ اعتراض نہیں کرتے جب کوئی امام باڑہ تعزیہ، سبیل، اکھاڑہ یا براق وغیرہ راستہ میں مل جائے تو عوام یا حسینؑ کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ اس وقت بھی فقیری لئے ہوئے بعض ہندو مسلمان فوجیوں کی زبان سے بے اختیار یا حسینؑ کا نعرہ نکل جاتا ہے کہ لوگوں کی روحیں جوش عقیدت سے وجد کرنے لگتی ہیں۔

اس جلوس کی شان وشوکت اور لوگوں کے جوش وخروش سے یقین ہوتا ہے کہ اگر آج کو یزیدؔ دنیا میں ہوتا تو مہاراجہ سندھیا کی یہ ہندو مسلم سپاہ علیؑ علیؑ کرکے کوفے اور دمشق کو تحت الثریٰ میں پہنچا دیتی۔

۱۰- نویں تاریخ یعنی شب عاشورہ کو سرکاری تعزیہ اور رعایا کے تعزیوں براقوں، کے جلوس سے وہ ہنگامہ برپا ہوتا ہے کہ رات بھر مارے ریل پیل کے لوگ ارے ارے کرتے کہیں کے کہیں نکل جاتے ہیں۔ اور تعزیوں کا تانتا تو تمام رات ختم ہی نہیں ہوتا۔ مہاراجہ کا تعزیہ جلوس کے ساتھ چند میل کا گشت کرکے سرکاری امام باڑہ میں کمپو کوٹھی کو پلٹ جاتا۔

قلعہ گوالیار کی پشت پر جنگل میں نواب معتمد خان لک بخش کا تعمیر کردہ ہاتھیوں کا گہرا ایک پکا تالاب ہے۔ جسے ساگرتال ساگرتال کہتے ہیں۔ ساگرتال کے چاروں طرف سبیلوں کے نام سے بہت سی عمارتیں بنی ہوئی ہیں ایک سے بڑھ کر ایک خوشنما اور پر فضا ان کی چھتوں پر بیٹھ کر نہایت اطمینان سے

دُور دُور تک کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ جانب شرق قلعہ گوالیار کا پچھواڑہ ہے مغرب رخ ایک وسیع میدان کے بعد میلوں فاصلہ پر وندیا چل کے سلسلہ کی چھوٹی بڑی پہاڑیاں کچھ عجیب ہلال نما سے انداز پر دکھائی دیتی ہیں۔

ساگرتال سے ملحق ادھر ادھر چند اسلامی اور ایک عیسائی قبرستان ہے جنوبی سمت کی زمین کربلا کے طور پر تعزیے دفنانے کے کام آتی ہے۔ علاوہ دفنانے کے بعض تعزیہ ساگرتال میں ٹھنڈے بھی کئے جاتے ہیں۔

اس کربلا میں سرکاری تعزیہ کے لئے ایک مربع اور وسیع گہرا گڑھا تیار کر کے چاروں طرف باقاعدہ کرینیں لگا دی جاتی ہیں تاکہ اتنا وزنی تعزیہ اتارنے کے لئے دقت پیش نہ آئے۔ مغربی جانب زنانہ بارگاہ ہوتی ہے۔ وہاں راج گھرانے کی بہو بیٹیاں اور سردار زادیاں پہلے ہی سے سرکاری تعزیہ کا انتظار کرتی ہیں۔

صبح کاذب سے کسی قدر پہلے لکھو کوٹھی میں تعزیہ کے ہمراہ جانے والی افواج کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ قرآن خوانی اور فاتحہ وغیرہ سے فارغ ہو کر مہاراجہ اور سرداران ریاست ہاتھ اٹھا کر تعزیہ اٹھواتے ہیں۔ علیؑ علیؑ کے فلک شگاف نعروں سے ساکت فضا میں تہلکہ ڈالتے ہوئے تعزیہ باہر لایا جاتا ہے پھر امام باڑہ کے پردہ گرتے ہیں۔ سوائے کاندھے پر سنگینیں چڑھی بندوقیں رکھے سنتریوں یا چند افسران فوج کے ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی بھرا شہر اجڑ گیا۔

اب تک تو شاید بیچارہ کبھی کا مرکھپ گیا ہوگا۔ لشکر کا ایک برہمن اپنے خرچ سے سال بھر محنت کر کے کاغذ کے پھولوں کا ایک سہرا بنا کر سرکاری تعزیہ پر چڑھایا جاتا تھا۔ وہ کاغذی پھول سچ مچ جوہی کے تازہ پھول معلوم ہوتے تھے۔ سہرا پڑا ہوا تعزیہ دیکھ کر انسان کو خیال کرتا تھا کہ شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ یہ شفاف ابرک کا بنا ہوا سرکاری تعزیہ نہیں جنت کا کوئی قصر مروارید زمین پر اتر آیا ہے۔

اس وقت بھی ریاست کا پورا کروفر ظاہر کیا تھا۔ یہاں تک کہ فوجوں میں سفرمینا کی پلٹن بھی شامل ہوتی تھی۔ سرکاری فقیر کوچیان صاحب، بوتنا شاہ صاحب حکیم جی صاحبان اور دیگر حضرات ہاتھیوں پر ذکر کرتے والے پیدل اور میلوں لمبی فوجیں قرینہ سے آگے پیچھے آہستہ آہستہ تعزیہ کے ہمراہ اس پہاڑی علاقہ کی وہ سرخ سڑکیں جو قلعہ گوالیار کے پچھواڑے سے ساگر نال کو جاتی ہیں۔ انسانوں سے معمور نظر آتی ہیں۔

ابھی شاید آفتاب سوا نیزا پر بھی نہ آیا ہوتا ہوگا۔ کہ تعزیہ کربلا میں پہنچ جاتا تھا۔ پھر اس کے چاروں گوشوں میں رسے باندھے جاتے تھے اور حفاظ پنج آیات شروع کر دیتے تھے۔ فاتحہ ہوئی کہ اشارہ پر کرینیں چلیں ادھر تعزیہ گڑھے میں سما جاتا تھا۔ ادھر لوگوں کی حالت غیر ہوتی جاتی تھی۔ لیکن سب تصویر غم بنے خاموشی سے یہ عبرتناک منظر دیکھتے اور آنسوؤں کی لڑیاں نثار کرتے جاتے تھے۔

تعزیہ زمین میں پہنچنے پر زنانہ بارگاہ سے نشست میں مٹی رکھی ہوئی آتی تھی پہلے مہاراجہ روتے ہوتے اپنے ہاتھ سے مٹی دیتے تھے پھر رانی مہارانیوں اور سردار زادیوں وغیرہ کی طرف سے مٹی دی جانے کے بعد بیل دار لگ جاتے تھے ادھر توپ خانہ ماتمی توپیں سر کرتے لگتا تھا۔ بس تینوں شہروں میں گھر بیٹھے لوگ سمجھ لیتے تھے کہ سرکاری تعزیہ دفن ہو گیا۔

یہ حالات ہیں اس وقت کے جب تک میرا آب و دانہ گوالیار سے نہ اٹھا تھا جو میں نے طوالت کے خوف سے ذرا مختصر سے انداز میں گزارش کر دیئے۔

مادھو مہاراج کو سرکباش ہوئے کتنے ہی سال گزر گئے۔ جیجا مہاراج جن کی شادی پر گوالیار محرم کی بنا پڑی تھی۔ ان سے بھی چند سال پہلے انتقال کر چکی تھیں۔ بڑی مہارانی کا بھی انتقال ہو گیا۔ جن لوگوں کے سامنے بنائے محرم کے واقعات ظہور میں آئے تھے۔ شاید ہی ان میں سے کوئی باقی ہو۔ ورنہ مجھے

تو یہ بھی امید نہیں ۔

گویا اس وقت دنیا بدل چکی ہے ۔ یہ سب کچھ سہی مگر گوالیار کے محرم میں ازسر نو فرق نہیں آیا۔ آنے جانے والوں سے سنتا ہوں کہ موجودہ مہاراجہ جنہیں خدا بلند اقبال کرے اس معاملے میں اپنے بزرگوں سے بیش پیش ہیں ۔ چنانچہ انہوں نے بکپو کوٹھی میں اس جگہ جہاں پہلے شامیانہ استادہ کر کے تعزیہ رکھا جاتا تھا ۔ ایک عالی شان امام باڑہ تعمیر کرایا ہے ہر سال فقیری لیتے اور رسم کے طور پر سونے کی چھڑی میں جھولی لٹکا کر امام حسینؑ کے نام کی بھیک بھی مانگتے ہیں ۔

آگرے کے محرم

ہماری طرف آگرہ جے پور اور گوالیار کے محرم مشہور تھے۔

گوالیار کے مہاراجہ مادھوراؤ سندھیہ تو خود تعزیہ داری کرتے فقیری پہنتے مجلسیں کراتے اور دسویں کو ننگے پاؤں ننگے سر تعزیے کے ساتھ جاتے وہاں کے محرم کا کہنا ہی کیا۔ مگر آگرے والوں کو آگرے کے محرم سے زیادہ کہیں کے محرم نہ بھاتے۔ مشہور بات تھی کہ آگرے کے آدمی کہیں ہوں محرم پر آگرہ آجاتے۔

محرم کے دنوں میں آگرہ بالکل بدل جاتا تھا۔ بازاروں اور گلی کوچوں میں تعزیوں سبیلوں کی آرائش و زیبائش اور چہل پہل کا یہ عالم ہوتا کہ دیکھے ہوئے گلی کوچے پہچاننے نہ پڑتے۔ مسلمان بہت سے ہندو تعزیہ داری کرتے فقیری پہنتے اور فاتحہ درود کرتے تھے ہندو عورتیں اپنے بچوں کو لے کر تعزیوں کے نیچے سے نکلتی تھی اور چڑھاوا چڑھاتیں اور عرضیاں باندھتیں اور ہاتھ جوڑے کھڑی رہتیں قدم قدم پر سبیلیں لگی ہیں۔ محلے محلے بازار بازار تعزیے رکھے ہیں۔ سینکڑوں آدمی سبز کپڑے پہنے ادھر سے ادھر گھومتے رہتے سال بھر جو لوگ کسرت نہ کرتے وہ بھی محرم سے پہلے کسرت شروع کر دیتے۔ اور پھر اپنے ڈنڑ بیلے خود دیکھتے اور دوسروں کو دکھاتے۔ بانکے بنے سارے شہر کا گشت لگاتے پھرتے اور جب محرم ختم ہو جاتے تو سارے شہر پر ایک سناٹا چھا جاتا۔ دل بجھ جاتے اور آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔ ہندو دکاندار ایک ایک سے پوچھتے رہتے کہ محرم میں کتنے دن ہیں۔ جتنی بکری ان کی ان بارہ دنوں میں ہوتی سال بھر میں نہ ہوتی فقیروں کے گروہ کے گروہ اور غول کے غول حسینؑ کی خیرات لیتے ادھر سے ادھر گھومتے رہتے سارا شہر یا حسینؑ یا حسینؑ اور نعرۂ حیدری یا حسینؑ اور ڈھول تاشوں

کی آوازوں اور مرثیوں کی صداؤں سے گونجتا رہتا پندرہ بیس دن چاند رات سے پہلے ایک فقیر سر پر سبز کساوا کسے سبز کرتہ پہنے ہاتھ میں علم ایک میں مورچھل لئے گشت شروع کر دیتا اس کے ساتھ ایک تاشہ اور ایک ڈھول ہوتا۔

تھوڑی تھوڑی دور پر ڈھول تاشہ بند ہو جاتا اور وہ صدا لگاتا ماموں بھانجے کی گھاٹی پر ہندو مسلمان کی کمائی سے تعزیہ بنے گا۔ اور ہندو مسلمان سب اسے پیسے دیتے عورتیں بچوں کے ہاتھ سے پیسے دلواتیں اور وہ بچے کے سر پر مورچھل پھیر کر آگے بڑھ جاتا۔ سب جان لیتے محرم آ گئے۔

چاند اگر ۲۹ کا ہو گیا تو مغرب کے بعد نہیں تو ۳۰ تاریخ کو مغرب سے پہلے گھگا کے علم اٹھتے تھے۔ محرم کا چاند صرف تعزیہ دار ہی دیکھنے کو کوٹھوں پر چڑھتے تھے اور کوئی نہیں دیکھتا تھا۔

گھگا۔ آگرہ، گائیکی گھرانے کے نامی گویّے تھے اور نئی بستی میں مراسیوں کی گلی میں رہتے تھے وہیں ان کے علم رکھے جاتے تھے۔ ان علموں کا جلوس نئی بستی سے کشمیری بازار کناری بازار بستیوں کے بازار ہوتا ہوا چیڑی مار لوٹے کے راستے سے پھر نئی بستی پہنچ جاتا تھا۔ جلوس میں شیعہ اور سنّی کے عوام و خواص سب ہی ہوتے تھے آگے تاشے ہوتے اس کے پیچھے مجمع ہوتا۔ علم ٹھہر جاتے تو تاشے بند ہو جاتے اور سوز خوانی شروع ہو جاتی۔ آگرہ گھرانے کے نامی فنکار سبھی سوز خوانی کرتے آفتاب موسیقی فیاض حسین خان استاد تصدق حسین خان استاد ولایت حسین خان، استاد اسد علی خاں اور ان کا سارا خاندان ہی سوز خوانی کرتا جاتا علم ان کے گھر کے ہی تو تھے یہ علم اب گشت کو نہیں اٹھتے۔ مگر اپنے مقام پر بدستور رکھے جاتے ہیں۔ اور مجلسیں ہوتی ہیں۔ آفتاب موسیقی کے زمانے میں بڑے بڑے نامی گرامی لوگ انہیں سننے کے لئے اس مجلس میں آتے تھے۔ پہلی دوسری تاریخ میں بہت سے تعزیہ براتیں اٹھتی تھیں۔ اسی زمانے میں تیسری تاریخ بالکل خالی تھی۔ پھر کفو نامی کمبو لوٹے کے ایک شخص نے تیسری کو بھی تعزیہ نکالنا شروع کر دیا۔ یہ تعزیہ مسمانے کا کہلاتا تھا۔ تمام

قسم کے اناج اور مصالحوں سے اس میں پھول بیل بنائے جاتے تھے۔ چوتھی تاریخ کو کمبل کڑے کا ہالوں کا تعزیہ اور ہالوں کی براق اٹھتی تھی۔ اور بھی بہت سے تعزیے اٹھتے تھے۔ مگر یہ تعزیہ اس لئے مشہور تھا کہ اس پر شروع سے آخر تک سبز گھاس بوئی جاتی تھی اور چوتھی تاریخ تک وہ گھاس چار چھ انگل بڑھ کر لہلہانے لگتی تھی۔ اسی طرح براق بھی اور پھر بعد میں ایک سبیل بھی ایسی ہی گھاس کی اٹھنے لگی تھی۔ سبیل ایک تو اسے کہتے ہیں جو کسی مقام پر تخت بچھا کر آراستہ کرتے ہیں اور پانی یا شربت وہاں پلایا جاتا ہے۔ اور ایک سبیل تعزیہ کی قسم ہے۔ ان سبیلوں میں بڑی صنعت دکھائی جاتی تھی۔ ابرق اور پنی سے چوکٹوں میں مختلف مقامات کے خوبصورت نقشے بنے ہوتے جو ڈوری کھینچنے سے ایک کے اندر سے ایک نکل کر بلند ہو جاتے تھے پھر انھیں نیچا کر دیا جاتا تھا تعزیہ داری میں کے علاوہ علم شدے براق، سبیل، ذوالفقار تابوت اور ضریح رکھے جاتے تھے۔ ضریح شیعوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ سنیوں میں کم اور شیعوں میں مجلس کا رواج زیادہ تھا۔ شاہ گنج کی مجلسوں کے علاوہ شہر میں شیخ بزرگ حالی کے ہاں پانچویں کی مجلس اور گلاب خانہ کے امام باڑے کی آٹھویں کی مجلس مشہور تھی ان مجلسوں میں ہندو مسلم شیعہ سنی علمائے دین، شہر اور اہل علم سب ہی شریک ہوتے تھے۔ آٹھویں کی مجلس میں شیر مال تقسیم ہوتی تھی۔ امام باڑہ کی وسیع عمارت میں کہیں تل دھرنے جگہ نہ ملتی اور جو لوگ دیر سے آتے انھیں اندر جانا مشکل ہو جاتا۔ گھنٹہ گھنٹہ بھر مجلس ختم ہونے کے بعد بھی باہر آنا مشکل تھا۔ پانچویں کو پیک منائے جاتے تھے ایک خاص قسم کی مڑوری دی ہوئی سفید اور نیلی شیواجی قسم کی پگڑی سر پر رو پہلی باوے کی بدھی گلے میں کمر میں گھنٹیاں بندھی ہوئی بیس بیس چالیس چالیس کے غول ادھر ادھر بھاگتے پھرتے جدھر سے گزرتے کیسا ہی مجمع ہو کائی کی طرح پھٹ جاتا۔ نو تاریخ کو یہ ساری رات تعزیوں پر شہیدی پڑھتے پھرتے ایک آدمی مصرعہ پڑھتا آیا ہو کربلا سے خبر حسین کے اور سب کہتے ہیں۔ ہیں

اس طرح پوری نظم ایک خاص لہجے میں پڑھی جاتی۔

ہر تعزیے کے دو گشت ہوتے تھے ایک جس روز وہ رکھا جاتا تھا اور ایک ۹ تاریخ کو۔ ان تعزیوں کی وجہ سے تعزیہ داروں کا نام زندہ تھا ورنہ بتایئے شہیدی بنوں کا نام کون جانتا اگر وہ تو مثال (مثل) لئے اپنے تعزیے کے ساتھ ہوتی تھیں اور کسی نہ کسی سے جھگڑا کر ڈالتیں اس وجہ سے لوگ انہیں شہیدی بنوں کہتے تھے۔ اسی طرح بی پیاری کا تعزیہ کالے چودھری کا تعزیہ حکیم شفیع اللہ اور صفدر خان کے حوالے کے علم عیدہ کی براق اور اس طرح کے بہت سے تعزیے تھے جو رکھنے والوں کے نام سے مشہور تھے بہت سے محلوں کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی وجہ سے ایسے ایسے محلوں کے نام سننے میں آجاتے تھے جنہیں عام طور سے نہیں جان سکتے۔ اور بہت سے تعزیے اپنی صنعت کاری کی وجہ سے مشہور تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ آگرہ والوں نے اپنے فن اور صنعت کا کمال ان تعزیوں میں صرف کر دیا تھا۔ ایسا حسین اور باریک کام اب شاید دیکھنے میں نہ آئے عیدا کی براق پر سنا ہے کہ چھ مہینے پہلے سے کام شروع ہو جاتا تھا۔ کوئی چیز شاید ہی ایسی باقی رہی ہو جس کا تعزیہ بن سکتا ہو اور لوگوں نے نہ بنایا ہو۔ مثلاً روئی کا تعزیہ، ابرک کا تعزیہ، چوڑی کا تعزیہ کانٹے کا تعزیہ، ماسر کا تعزیہ، موم کا تعزیہ، رانگ کا تعزیہ، کاغذ کے پھولوں کا تعزیہ سچے پھولوں کا تعزیہ، مٹی کا تعزیہ، گھاس کا تعزیہ، اناج کا تعزیہ، مٹھائی کا تعزیہ، قالین کا تعزیہ، کپڑے کا تعزیہ، یہاں تک کہ سونے چاندی کا تعزیہ بھی تھا۔ تعزیہ گشت نہیں کرتا تھا۔ ہر تعزیہ میں صنعت کاری اپنی صنعت اور فن کی ہر ممکن نمائش کرتا تھا۔ پھر گشت کے وقت بکی جبڑا کے ان کی نمائش ہوتی۔ تعزیوں کا تعزیوں سے اور براق کا براق سے مقابلہ ہوتا اس طرح تاشے والوں سے مقابلہ تاشے والوں سے ہوتا۔ ان کا مقابلہ یہ تھا کہ دونوں گروہ آمنے سامنے ڈٹ جاتے۔ باری باری تاشے نوازی کا کمال دکھاتے اس طرح گھنٹے گزر جاتے۔ جو ہٹ جائے وہی ہار جائے۔ اس لئے لوگ درمیان میں پڑ کر صلح کرا دیتے اور دونوں چوکیاں ایک ساتھ تاشے کی ایک مخصوص گت تال بجاتی ہوئی اپنا اپنا راستہ لیتیں۔

آگرہ میں چار تعزیے اپنی بلندی کے اعتبار سے مشہور تھے۔ مٹھائی کا تعزیہ، قلعہ

کا تعزیہ، بالو گنج کا تعزیہ اور صاحب علی کا تعزیہ، مٹھائی کا تعزیہ لوری دروازے پر رکھا جاتا تھا۔ یہ مٹھائی والے اور بتاشے والے رکھتے تھے۔ قلو کا تعزیہ قلعہ میں رکھا جاتا یہ قلعے کے سپاہی رکھتے تھے۔ ایک تعزیہ میں کتنے ہی کھن ہوتے تھے جو علیحدہ علیحدہ بنائے جاتے اور پھر اوپر نیچے رکھ کر کس دیئے جاتے تھے۔ کھنوں میں چاروں طرف رسیاں باندھ دی جاتی تھیں۔ جنہیں لوگ چاروں طرف سے کھینچے رہتے تھے تاکہ چلنے میں توازن قائم رہے۔ اور تعزیہ کسی طرف جھوک نہ کھائے۔ قلو کے تعزیہ کی برجیاں پر کاغذ کے مور ناچتے رہتے تھے۔ اور بالو گنج کے تعزیے پر کاغذ کی پھرکنیاں مٹھائی کے تعزیے کی دو برجیاں ہوتی تھیں جن کے قلس شکر سے بنائے جاتے تھے۔ سارے تعزیے پر بتاشوں سے پھول بیل بنائی جاتی تھیں سہرے میں بتاشے اور دوسری مٹھائیاں ہوتیں تھیں شہر میں اونچی سے اونچی عمارت سے یہ تعزیے اونچے ہوتے۔ اور بازار کے قریب رہنے والوں کو اپنے صحن میں سے نظر آجاتے تھے۔ مٹھائی کا تعزیہ بلا استاد رکھتے تھے مذہب سے ہندو اور پیشہ کے اعتبار سے بتاشے والے تھے۔ یہ پیر کے بھی استاد تھے۔ تعزیہ کی محبت اور اعتقاد سے آخری عمر میں مسلمان ہو گئے تھے۔ وصیت کے مطابق کربلا میں جہاں ان کا تعزیہ دفن کیا جاتا تھا اسی کے برابر میں دفن ہوئے۔ ان کا تعزیہ آٹھویں کی رات کو اٹھتا تھا اور لے جا کر لاوٹ پاڑے میں سڑک پر رکھ دیا جاتا تھا۔ اور پھر صبح سات بجے وہاں سے اٹھا کر دوسرے تعزیوں کے ساتھ گشت میں شریک ہو جاتا۔ ایک سال تعزیہ سڑک پر رکھا تھا کہ مہتروں نے جھاڑو دینا شروع کر دی۔ اور تعزیہ پر خاک پڑنے لگی اور راج پاڑہ ہمیشہ سے خالص اعلیٰ ذات کے ہندؤں اور تجارت پیشہ لوگوں کو محلہ ہے ان لوگوں نے بھنگیوں کو روکا بھنگی نہ مانے اور نوبت مار پیٹ تک پہنچ گئی۔ آخر خود بلا استاد نے صلح کرا کے معاملہ رفع دفع کیا۔ آگرہ میں کالے محل کے قریب چوراہے پر گجرا والوں کی حویلی ہے یہ وہاں کے سب مکانوں سے بلند ہے۔ اور مٹھائی کا تعزیہ اس سے بھی بلند ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے حویلی کی بالائی منزل پر کھنگر رکھوا کر اسے اور اونچا کر دیا۔ مٹھائی کا تعزیہ والوں کو خبر ہو گئی انہوں نے راتوں رات ایک کھن بنا کر اور لگا دیا۔ اور جب تعزیہ حویلی کے مقابل

پہنچا تو تعزیہ اونچا ہی رہا۔

سات تاریخ کو آگرہ کا مقبول ترین تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ یہ سچے گلاب کے پھولوں سے بنتا ہے اور دیگیوں کے کٹڑے میں رکھا جاتا ہے۔ اور تعزیوں کی طرح اس کا بھی گشت موقوف ہے۔ اس میں کئی من پھول صرف ہوتے ہیں۔ اس کا تو کوئی حساب نہیں۔ جب یہ گشت کرتا تھا تو جن جن راستوں سے گزرتا تھا۔ بلا مبالغہ گلاب کی کیچڑ ہو جاتی تھی۔ سات تاریخ کو جب یہ تعزیہ بازار میں آتا تو بازار دوسرے تعزیوں سے بھرا ہوتا تھا مگر احتراماً تمام ڈھول تاشے بند ہو جاتے تھے۔ یہ تعزیہ مرثیوں سے گشت کرتا تھا یہ تعزیہ اب بھی رکھا جاتا ہے اور ہر مذہب اور ہر فرقے کے زائرین اس کی زیارت کرتے ہیں۔

تعزیوں کے علاوہ محرم میں بڑی تعداد اکھاڑوں کی تھی جن میں فنونِ سپہ گری کی نمائش ہوتی تھی۔ ان میں ایک مشہور اکھاڑا نئے استاد منیر خلیفہ کا تھا۔ یہ دونوں بھائی تھے۔ ان کے باپ بھیگن خاں کہیں باہر سے وارد ہوئے تھے انہیں ایک بہٹ گٹی کا داؤ ایسا رواں تھا کہ اچھے اچھے استادوں کے گٹے پٹے رکھوائے تھے دونوں بھائی اک بگ گتکا ظفر لیکر بانا، بنیٹی، بچھوا، پٹوا سب ہی کچھ جانتے تھے اور بقول خود بانک بنوٹ کے بھی ماہر تھے۔ محرم کی آٹھ تاریخ کو ان کا اکھاڑہ کناری بازار میں چوراہے سے ہٹ کر لگتا تھا۔ بلی کا ایک کنارہ بازار کی ایک طرف کی گوک پر رکھ دیتے ان میں رسّوں کے چھوٹے بڑے کئی کئی جھولے پڑے ہوتے سب پر لال لون لپٹی ہوتی، نیچے بازار میں تخت بچھ جاتے، جوانوں اور لڑکوں کی ٹولیاں کسرتی جمرنگ لباس پہنے ہوئے ان جھولوں پر اور تختوں پر طرح طرح کی کسرتیں تلا بازیاں اور جمناسٹک کے کرتب دکھاتے۔ اسی کے ساتھ لکڑی پٹے کے کمالات کی نمائش کرتے نیز خلیفہ شاگردوں کے ماتھے پر کوڑی رکھ کر تلوار سے کاٹ دیتے اور پیٹ پر پاؤں رکھ کر الیا پٹہ لگاتے کہ پان کے برابر سے دو ٹکڑے ہو جاتا۔ کیا مجال جو ماتھے یا پیٹ پر ذرا بھی آنچ آجائے ساتویں تو بلوچپور سے شیدے اور تاج گنج سے ذوالفقار اور شبدے آتے تھے تاج

گنج کی چھٹی کی جے ہندیاں مشہور تھیں۔ نویں کے دن شام تک سارے باجے تاشے سے گشت کرنے والے تعزیے گشت ختم کر دیتے۔ اور دسویں شب میں جتنے تعزیے تھے مرثیے سے اٹھتے تھے وہ گشت کرتے۔ صبح ہر تعزیے پر شہیدی پڑھی جاتی۔ پھولوں کے تعزیے کی شہیدی بڑی مشہور اور پر اثر تھی۔ جسے سننے کے لئے دور سے لوگ آتے تھے پھر دس تاریخ کو تمام تعزیے کربلا لے جائے جاتے اور دفن کر دیئے جاتے سب سے آخر میں جوالاے علم آتے اسے دیکھتے ہی لوگ سمجھ لیتے کہ اب شہر میں کوئی تعزیہ کربلا جانے کو باقی نہیں رہا۔ یہ علم بھی ایک ہندو کے تھے محرم کے ڈھول تاشے باجے سب ایک ہی مخصوص تال سے بجائے جاتے تھے اسے ماتم کہتے تھے۔ سن کر معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ محرم کا باجا ہے! جا ہے لکھنؤ میں آگرے کے محرم ختم ہو گئے باجے تاشے والے بھی اپنا فن بھول گئے۔ اپنے اپنے مقام پر تعزیے اب بھی رکھے جاتے ہیں مگر مشکل سے سو میں دس فاتحہ خیر و خیرات اور مجلسیں اب بھی ہوتی ہیں مگر بہت کم دس تاریخ کو اب کئی سال سے دس بیس تعزیے کربلا جانے لگے ہیں مگر خاموشی کے ساتھ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایک معاصر بزرگ شیخ علی بن حلیتہ کی شہادت نقل کرتے ہیں۔

ندیدیم ہیچ یکے از اہل زمان خود را اکثر الکرامات از شیخ عبدالقادر ہر وقت ہر کہ از ما خواہد کہ از وے کرامت مشاہدہ قند میکند خوارق ظاہر گردد گاہے از وے گاہے در دے و گاہے بولے۔

والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ تولد ہوتے ہی احکام شریعت کا یہ احترام تھا کہ رمضان بھر دن میں دودھ نہیں پیتے تھے۔ ایک مرتبہ ۲۹ شعبان کو ابر کے باعث چاند دکھائی نہیں دیا۔ دوسرے روز اس ولی مادرزاد نے دودھ نہیں پیا بالآخر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس روز یکم رمضان تھی۔

بچپن کا زمانہ تھا آبادی کے باہر کھیل رہے تھے ایک گائے کی دم پکڑ کر کھینچی اس نے پلٹ کر یہ کلام کیا کہ اے عبدالقادر اس غرض سے دنیا میں نہیں بھیجے گئے ہو معاً اسے

چھوڑ دیا۔ دل پر ہیبت طاری ہوئی مکان آکر بالاخانہ سے دیکھا تو میدان عرفات میں حاجیوں کی قطاریں نظر آئیں۔ والدہ ماجدہ سے آکر عرض کی کہ راہ خدا طے کرنے کی اجازت دیجیے۔ لہٰذا جاکر تحصیل علم کرو۔ انہوں نے سبب پوچھا۔ کل واقع ان سے بیان کیا ان نیک خاتون پر رقت طاری ہوئی اٹھ کر گئیں ایک تھیلی لاکر فرزند کے ہاتھ میں دیدی۔ اور فرمایا کہ بیٹا، تمہارے والد مرحوم کل اسی دینار چھوڑ گئے تھے چالیس کی امانت تمہارے بھائی کے لئے محفوظ ہے۔ یہ چالیس تمہارے حوالے میری نصیحت و وصیت جو کچھ سمجھو اتنی ہے کہ راستی کو کسی حالت میں نہ چھوڑنا۔ جاؤ تمہیں خدا کو سونپا۔ قیامت کے دن دیکھنے کو ملوگے۔

قاتلینِ حسینؓ

کا

عبرت ناک انجام

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

خاندان ہاشمی کو پامال اور بدن مبارک کو تاراج کرنے کے بعد یزید نے اطمینان کا سانس لیا۔ ابن زیاد مستخرانہ زینت بسر ہوا نگاہ عمرو بن سعد حکومت کے خواب شیریں دیکھنے لگا۔ نامرد شیت نینوا کے ... اشقیا خوش تھے کہ ہم نے رسولؐ کے بھوکے پیاسے نواسے کا گلا کاٹ کر رکھ دیا۔ نعش مبارک کو پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ کر دیا۔ بلکہ وہ بیوفا کوفی جنہوں نے سینکڑوں خطوط لکھ کر وفد بھیج کر اپنی اطاعت اور وفاداری کا یقین دلایا تھا۔ وفاداران حکومت اور قاسہ لیسان سلطنت کے وفادار لوگوں کی فہرست میں شامل ہو گئے شمر العین تو فخر آرزو کا پیکر بنا ہوا تھا کہ اب اس کے قدموں کے نیچے کارنامہ عظیم کے صلہ میں طلائی اینٹوں کے انبار ہوں گے ہر شخص مجسمہ فرحت و سرور پیکر انبساط و نشرہ بنا ہوا تھا۔ دنیاوی خوشگواریوں اور خوش آئند توقعات سے ان کے دلوں سے موت کا خیال تک نکل چکا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں دنیا میں خلد و دوام میں یہیں رہنا ہے۔ دنیا کے لذائذ و نعم اور ہر قسم کے سامان عیش راحت کی فراوانی ہمارے ہی لئے ہے۔ وہ بھول چکے تھے کہ حضور سرور عالمؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبرئیلؑ مجھے اطلاع دی ہے کہ میں نے حضرت یحییٰ کے خون کے

خون کے بدلے میں ستر ہزار آدمیوں کو قتل کرایا تھا۔ اور آپ کے نور نظر فاطمہ زہراؓ کے فرزند کے قتل کے انتقام کے پاداش میں اس سے دوگنے افراد کو لقمہ اجل بنا کر صبر لوں گا

یزیدی ملاعنہ پر غضب الہٰی کا نزول

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے چھ سال بعد تک تو سکون رہا اس کے بعد قہر الٰہی کی برق انتقام چمکی قاتلان حسینؓ اہلبیتؑ اطہار کو دنیا کے کسی گوشہ میں پناہ نہ ملی اور وہ خوفناک وزہرا گداز اذیت ومصیبت کا شکار ہو ہو کر روسیاہ ہو کر منتقم حقیقی کے روبرو جواب دہی کے لئے جا پہنچے۔

یزید پلید کی عبرتناک موت

حضرت امام حسینؓ اہلبیتؑ اطہار کے قتل کا سب سے بڑا مجرم یہی فاسق و بدکار یزید پلید تھا۔ عین جوانی کے عالم میں جبکہ وہ چار دن اپنی زندگی کی بہار بھی نہ دیکھنے پایا تھا اور سلطنت کے سکھ سے آشنا نہ ہوا تھا کہ لقمۂ اجل ہو گیا۔ وہ اس عبرتناک عالم میں کہ چار روز برابر درد قولنج کا لسوزدرد میں تڑپتا رہا۔

حضرت زینبؓ نے بھرے دربار میں یزید کو بددعا دی تھی کہ تو نے جس سلطنت کو حسینؓ کے خون سے سیراب کیا ہے تجھے اس کا سکھ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ اور تیری اولاد اس تخت و تاج پر تھوکے گی بھی نہیں۔

مظلوم کی آہ خالی نہیں جاتی۔ یہی ہوا یزید حمص میں مرض الموت میں مبتلا ہوا جب اس نے آخری وقت میں اپنے بیٹے معاویہ کو وصیت کے لئے بلایا تو وہ ایک چیخ مار کر بھاگ گیا۔ اور کہا اللہ تعالیٰ مجھے سلطنت سے محفوظ رکھے جس کی بنیاد اولاد رسول کے خون سے استوار کی گئی ہو۔ اس خداترس اور محب اہلبیتؑ نے یزید اور حکومت دونوں پر لعنت بھیجی اور محل میں جا کر ایسا روپوش ہوا کہ محل سے باہر نہ نکلا۔ اور حسینؓ حسینؓ کے نعرے لگاتا ہوا مر گیا۔

یزید کے قلب پر چھریاں چل گئیں۔ مگر مجبور تھا اس کی یہ حالت تھی کہ بے وقت موت میں پیاس کا شدید غلبہ تھا۔ اگر ایک قطرہ بھی حلق میں ڈالا جاتا تو وہ زہر کا تیر بن کر کلیجے

پر جا لگتا۔ غرض تین روز تک وہ کچھ کھا پی نہ سکا۔ اور تڑپ تڑپ کر انتہائی اذیت و کرب کے عالم میں مر گیا۔

مختار کی شکل میں غضب خداوندی کا ظہور

خدا جتنا حلیم و کریم ہے اتنا ہی منتقم اور قہار بھی ہے۔ میدان کربلا میں پیاسے حسینؑ اور اہلبیت کا قتل کوئی ایسا جرم نہ تھا۔ جو قابل عفو درگزر ہوتا۔ قہر خداوندی حرکت میں آیا۔ اور ایک قیدی مختار ثقفی کو قوت و طاقت عطا فرما کر کوفہ کا حاکم بنا کر قاتلان حسینؑ کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

مختار ثقفی نے کوفہ کی حکومت سنبھالتے ہی پہلا حکم یہ دیا کہ جن بدکرداروں نے کربلا میں تلوار اٹھائی ہے ان میں سے اگر کوئی فرد بھی کوفے کے کسی گھر میں پایا گیا تو اس گھر پر گدھوں کا ہل چلوا دوں گا۔ اہل کوفہ یہ حکم سن کر تھرا اٹھے اور سمجھ گئے کہ قہر ربانی حرکت میں آگیا ہے۔ صبح سارے شہر میں منادی ہوئی اور ظہر سے پہلے پہلے اسود، بشیر، عمرو بن الحجاج، قیس، صبرانؓ وغیرہ طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے حاضر کیے گئے۔ مختار بولا دنیا کے کتو! تم نے رسول اللہ کے خاندان کو بے چراغ کر دیا۔ تمام کوفہ والوں کا خون بھی عزت امام حسینؑ کے قطرۂ خون کا ہموزن نہیں بن سکتا۔ قیدی کانپنے لگے اور کہنے لگے ہم نے عمر بن سعد اور ابن زیاد کے حکم سے مجبور ہو کر ایسا کیا تھا۔ مختار نے کہا اچھا میں خدا اور رسولؐ کے حکم سے مجبور ہوں۔ تمہیں تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کو طرح طرح کے دردناک عذاب کے ساتھ قتل کر دیا۔

قاتلان حسینؑ کا قتل عام

مختار ثقفی نے اپنے خصوصی مصاحب عبداللہ کامل کو جو قاتلان حسینؑ سے بخوبی واقف تھا حکم دیا کہ تم جس جس قاتل حسینؑ کو پہچانتے ہو ان کے سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کرو۔ مختار کے حکم سے عمرو بن سعد کا سر کاٹ کر دربار میں پیش کیا گیا شمر لعین کی گردن سر مجلس مار دی گئی۔ دوسرے روز مختار نے ان دونوں کے سروں کو محمد بن حنیفہ کی خدمت میں بھیج دیا۔

اس کے بعد مختار نے عبداللہ کامل کو حکم دیا کہ قاتلانِ حسینؓ کو مکمل فہرست مع کیفیت مرتب کرو۔ جس میں ان تمام تفصیلات کا اندراج ہو کہ فلاں شخص نے حضرت حسینؓ کے ساتھ بے ادبی کی۔ وغیرہ وغیرہ۔ چند دنوں میں عبداللہ نے فہرست مکمل کر کے دربار میں پیش کر دی۔ مختار نے ان سب کی طلبی کا حکم جاری کر دیا۔ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ مختار حضرت حسینؓ کے خون کا بدلہ لے رہا ہے۔ جس قدر اشقیاء عمرو بن سعد کے ساتھ تھے سب کے سب مصعب بن زبیر کے پاس بھاگ کر بصرہ میں چلے گئے۔ مختار بھی ان کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ جس کو پایا فوراً قتل کر ڈالتا۔ اس کے جسم کو آگ سے جلا ڈالتا۔ اس کے اہل وعیال کو تباہ و برباد کر ڈالتا۔

اس دوران میں سب سے پہلے مختار نے خولی بن یزید کو گرفتار کر لیا۔ یہ وہی شقی ازلی تھا جو حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے کر گیا تھا۔

مختار نے سب سے پہلے اس کے دونوں ہاتھ کاٹے پھر دونوں پاؤں۔ پھر دار پر لٹکا دیا۔ حتیٰ کہ بری حالت میں مر گیا۔ پھر وہیں آگ میں اس کے مردہ جسم کو جھونک دیا غرض کہ مختار نے ایک ایک موذی کو چن چن کر طرح طرح کے دردناک عذاب کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا۔ پھر تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ عبداللہ بن کامل نے جس شخص کا نام بھی لے دیا یا اشارہ کر دیا کہ فلاں شخص عمرو بن سعد کے لشکر میں تھا یا کسی نے بغض عداوت میں لے دیا۔ وہ فوراً قتل کر دیا گیا۔

ابن زیاد کا مقابلہ

الغرض ان لوگوں کے کشت خون سے فارغ ہو کر مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر کو ۰۰۰، ۷ کا لشکر دے کر ابن زیاد کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ مختار کا یہ لشکر جب موصل کی حد میں پہنچا تو ابن زیاد بھی ایک دریا پر جو موصل سے پانچ فرسخ کے فاصلے پر ہے آ اترا۔ لڑائی شروع ہو گئی شام کی فوجیں شکست فاش کھا کر بھاگ کھڑی ہوئیں انہی بھگوڑوں میں ابن زیاد بھی نظر پڑ گیا۔ ابراہیم نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس ظالم کا سر اڑا دیا۔ کچھ شامی فوج تو بھاگتی ہوئی ماری گئیں اور کچھ دریا میں غرق ہو کر فنا ہو گئے۔

ابراہیم نے ابن زیاد پر فتح پاکر دوسرے دن اس کا سر مختار کے پاس بھیج دیا۔ مختار نے دارالامارۃ میں جشن منایا اور تمام اہل کوفہ کو جمع کر کے ابن زیاد کا سر ان کو دکھایا۔

حاضرین معرکہ کربلا پر مختار کی تلوار کی چمک

ابن زیاد کے قتل سے فراغت پاکر مختار نے لوگوں کو جو معرکہ کربلا میں حاضر تھے یزید بن ابن زیاد کی ہمراہی میں تھے ایک ایک کو چن کر قتل کیا۔ ایک صحیح روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مختار نے جن لوگوں کو قتل کیا ان کی تعداد اڑتالیس ہزار پانچ سو سڑسٹھ تھی۔ جن میں عمرو بن زیاد اور اس کا بیٹا حفص الجوشن عمرو بن حجاج قیس بن شاث، قندی خولی بن یزید الصبحی، سنان بن النس، الحنئ عبداللہ بن قیس الخولانی۔ حکیم بن فدیل، یزید بن ملک، اسحاق بن صوات، زراع بن وفا حرملہ بن کامل جو یزید کے بڑے مشہور ارکان دولت ایان ملک وملت سمجھے جاتے تھے طرح طرح کے عذاب دیگر بلاؤں میں مبتلا کر کے مارے گئے۔ شمر تو بہت بری حالت میں مارا گیا۔ مختار نے بھرے دربار اس کی گردن اڑا کر حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دو۔ اور اس پر گھوڑے دوڑا دو۔ چنانچہ جب اس کی لعش پر گھوڑے دوڑائے گئے تو اس کی پسلیاں اور ہڈیاں چور ہو گئیں گوشت ریزہ ریزہ ہو گیا شمر ہی کے حکم سے امام حسینؑ کا جسم سرتن سے جدا کرنے کے بعد روندا گیا تھا۔ حرملہ بن کامل جس نے حضرت امام حسینؑ کی استادہ پر معصوم علی اصغر کے حلقوم پر تاک کر تیر مارا تھا مختار نے حکم دیا۔ اس کے گلے پر بھی تیروں کی بارش کی جائے۔ اس طرح کہ مرنے نہ پائے اور جب خوب تڑپ چکے تو آخری تیر زور کے ساتھ مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ الغرض مختار کا عہد قاتلان حسینؑ کے لئے پیکر قہر الٰہی تھا ہزارہا افراد اس کے ہاتھوں مارے گئے جو بچ گئے وہ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہو کر مارے گئے۔ کوئی پاگل ہو گیا کسی کو کتوں نے پھاڑ ڈالا کسی کے ہاتھ پیر مفلوج ہو گئے۔ کوئی کوڑی ہو گیا کوئی عارضہ تشنگی میں ہلاک ہو گیا کسی کا چہرہ جھلس گیا۔ بہرحال مختار ثقفی اور مصعب بن زبیر کی تلواروں نے عرب کے گوشے گوشے سے قاتلوں کو نکال کر قتل اور ایک صدی کے اندر ہی اندر بنی امیہ کی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور عباسیوں نے قابو پاکر ان کی تربتیں تک کھدوا ڈالیں ہڈیاں تک جلا دی گئیں اور حکم دیا کہ بنی امیہ کا ایک بچہ بھی زندہ نہ رہنے پائے یہ تھا بنی امیہ کا [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

غمِ حسینؑ کا سینے میں داغ لے کر چلو
لحد میں ہوگا اندھیرا چراغ لے کر چلو
(ع و ح)

عزائے حسین علیہ السلام

حضرت امام حسین علیہ السلام کے خطبے، خطوط اور مختصر حکیمانہ کلمات!

تسلسل کے ساتھ

۱۔ خُطبے جو آپؑ نے جگہ بہ جگہ دیئے۔
۲۔ خطوط جو آپؑ نے اپنے ساتھیوں اور ہمدردوں کو لکھے۔
۳۔ حکیمانہ کلمات جو آپ کی زبان مُبارک سے بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے نکلتے رہتے تھے۔

قسم خُدا کی بڑا نیک کام کرتے ہیں!
غمِ حسینؑ کا جو اہتمام کرتے ہیں!

توحید کے متعلق آپؑ کا ارشادِ گرامی

اے لوگو! ان بے دین لوگوں سے بچو جو خدا کو اپنے نفوس کے ایسا سمجھتے ہیں اور کفار اہل کتاب کی ایسی باتیں کرتے ہیں بلکہ وہ اللہ ہے اس کی ایسی کوئی چیز نہیں، وہ دیکھنے والا اور سننے والا ہے، نگاہیں اسے نہیں پا سکتیں، وہ البتہ نگاہوں کو دیکھتا ہے، وہ مادی کثافتوں سے بری اور بڑا باخبر ہے، یکتائی وانفرادکو اس نے خاص اپنے لئے رکھا ہے، اپنی خواہش وارادہ کو کر گزرنے والا، قدرت کو عمل میں لانے والا اور ہر ہونے والی بات کا عالم ہے، کسی چیز کے متعلق اگر حکم صادر کر دے تو کسی کو مجال دم زدن نہیں، نہ تو اس کا کوئی ہمسر ہے کہ برابری کرے، نہ کوئی حریف ہے جسے اختلاف کی جرأت ہو، نہ کوئی اس کا نظیر ہے جو اس سے مشابہ ہونے کا دعویٰ کرے نہ اس کا کوئی نمونہ ہے جو اس کا شبیہ ہو، نہ اس پر انقلابات آتے ہیں، نہ اس کی حالتیں بدلتی ہیں، نہ تغیرات لاحق ہوتے ہیں، توصیف کرنے والے اس کی عظمت کی حقیقت بیان کرنے پر نادر نہیں نہ دلوں کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کتنی قدرت والا ہے کیونکہ موجودات عالم میں کوئی چیز اس کے ہم پلہ نہیں، نہ علماء اپنی عقلوں سے، غور و فکر کرتے والے اپنے غور و فکر سے کام لے کر اسے سمجھ سکتے ہیں مگر یہ کہ وہ بے دیکھے اس کی عین حقیقت پر یقین کریں کیونکہ مخلوقات کے اوصاف سے اس کی توصیف نہیں کی جا سکتی اور کسی مخلوق سے مثال دے کر اس کی شناخت کرائی جا سکے، وہ واحد و یکتا اور بے نیاز ہے، وہم و گمان جو کچھ اس کا خاکہ تیار کرے خداوند عالم اس کے خلاف ہی ہو گا۔

خدا وہ نہیں جو بار مصیبت کے نیچے درماندہ ہو اور معبود وہ نہیں جو ہوا یا جبر ہوا کسی بھی مکان میں پایا جائے اور وہ تمام چیزوں میں موجود ہے دیگر، ایسا ہونا نہیں جو ان میں اسے محدود بنا دے اور تمام چیزوں سے دور ہے مگر ایسی دوری نہیں جس کی وجہ سے وہ ان سے بے تعلق و بے خبر ہو جائے، نادر (علی الاطلاق) وہ نہیں ہو سکتا جس کے ہمسر کوئی ضد اور اسکے ہمتا کوئی اس کا مثل ہو، وہ زمانے کی حدود میں گرفتار اور مکان کی پابندی میں مقید نہیں

ہے۔ وہ جس طرح نگاہوں سے پوشیدہ ہے اسی طرح عقلوں سے بھی مخفی ہے۔ اس کی نزدیکی اعزاز اور اس کی دوری تحقیر ہے۔

اس کے ساتھ "میں" کی لفظ (جو کسی ظرف میں ہونے کا پتہ دے) صرف نہیں ہو سکتی نہ "جب" کے ساتھ اس کو کسی وقت سے مخصوص کیا جا سکتا ہے اس کے وجود میں "اگر" کی گنجائش ہے بلندی اس کی غیر جسمانی ہے، اور متوجہ ہونا اس کا بغیر انتقال مکانی ہے، وہ ہست کو نیست اور نیست کو ہست بنایا ہے اور اس کے غیر کے لئے کسی وقت بھی یہ دونوں صفتیں بہم نہیں ہو سکتیں، غور و فکر اس کے موجود ہونے پر ایمان رکھتا ہے ایسا وجود جس پر بس ایمان لایا جا سکتا اس کی توصیف نہیں ہو سکتی۔ جتنی صفتیں ہیں ان کا مفہوم اسی کے ذریعہ سے سمجھ میں آتا ہے اس کی ذات ان صفتوں سے سمجھ میں نہیں آتی تمام پہچانی ہوئی چیزیں اس کی بدولت ہمیں معلوم ہیں وہ ان سے معلوم نہیں ہوتا۔ یہ ہے اللہ جس کا کوئی ہمنام نہیں وہ ہر عیب سے بری اس کے مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

حضرت کا ارشاد نافع بن ازرق سے

نافع نے ابن عباس سے کہا کہ مجھ سے اپنے پروردگار کا جس کی عبادت کرتے ہو وصف بیان کرو ابن عباس نے عظمت الٰہی کے احساس سے سر جھکا لیا اس کے بعد نافع بن ازرق امام حسین کے پاس آیا۔ حضرت نے فرمایا "اے نافع جو شخص اپنے مذہب کی بنیاد قیاس پر رکھے گا ہمیشہ غوطے کھاتا اور راہ راست سے ہٹا ہوا، کج روی میں مبتلا، راہ راست سے گمراہ اور غیر مستحسن اقوال کے ساتھ گویا رہے گا۔ اے نافع بن ازرق میں اپنے خدا کی وہی صفت بتا سکتا ہوں جو اس نے خود اپنی صفت بیان کر دی ہے، احساسات سے اس کا ادراک ممکن نہیں اور خلائق پر اس کا قیاس درست نہیں، وہ نزدیک ہے مگر جسمانی طور پر چسپیدہ نہیں اور دور ہے مگر جسمانی طور پر علیحدہ نہیں وہ ایک ہے مگر کسی مجموعہ کا جزو نہیں، نشانیوں سے پہچانا ہوا اور علامتوں سے توصیف کیا ہوا ہے، سوا اس بزرگ و بلند کے کوئی دوسرا معبود برحق نہیں یہ سن کر ابن ازرق رونے لگا اور کہا کیا خوب آپ کا بیان ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ مجھے تو

معلوم ہوا ہے کہ تم میرے والد بزرگوار اور میرے بھائی کو اور خود مجھے کافر سمجھتے ہو اس پر وہ شرمندہ سا ہو گیا، حضرت نے فرمایا میں تم سے صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا دریافت کیجئے۔ آپ نے یہ آیت پڑھی جو حضرت خضر کے قصے میں ہے کہ "وہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی" آپ نے فرمایا "اے ابن ازرق یہ لڑکوں کے بارے میں کس کے حقوق کا خیال کیا گیا۔ ازرق نے کہا، ان کے باپ کے حقوق کا۔ حضرت نے کہا کہ (سچ بتاؤ) ان کے باپ کا درجہ بلند تھا یا رسول خدا کا۔ ابن ازرق نے کہا، تم لوگوں کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ یہ لوگ بڑے بحث کرنیوالے ہیں۔

آپ کا ایک خطبہ جس میں آپ نے لوگوں کی حاجت روائی اور احسان کی تلقین کی ہے

لوگو! عزت و نیک نامی کے کاموں میں باہم مقابلہ کرو۔ اور منفعت حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جاؤ جس نیکی میں تم نے درنگ سے کام لیا اسے پھر نیکی نہ شمار کرو حاجت براری کر کے لائق ستائش بنو اور ٹال مٹول کر کے مستحق مذمت نہ بنو، اگر کوئی شخص کسی پر احسان کرے اور یہ سمجھتا ہو کہ وہ شخص ہمارے احسان کا شکریہ ادا نہ کرے گا تو اللہ اس کے احسان کا بدلہ دے گا اور وہ تو زیادہ گراں قدر عطیہ اور زیادہ بڑا معاوضہ دینے والا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ لوگوں کی حاجتیں جو تمہارے پاس لائی جاتی ہیں وہ تمہارے لئے خدا کی نعمتیں ہیں لہذا ان نعمتوں سے برداشتہ خاطر نہ ہو ورنہ وہ تمہارے لئے بجائے نعمت کے وبال بن جائیں گی یہ بھی سمجھ لو کہ احسان کر کے انسان مدح و ستائش حاصل کرتا ہے اور بعد میں ثواب بھی پاتا ہے اگر تم احسان کو آدمی کی شکل میں دیکھتے تو یقیناً ایک حسین و جمیل انسان دیکھتے جسے دیکھ کر دیکھنے والے خوش ہو جائیں اور بخل کو اگر دیکھ پاتے تو بد صورت، کریہہ المنظر دیکھتے جس سے دل متنفر اور آنکھیں اس کی طرف دیکھنے سے گریز کریں۔

اے لوگو! جس نے بخشش کی وہ سردار ہوا، جس نے بخل کیا، وہ رذیل ہوا اور سب سے زیادہ فیاض وہ ہے جو ایسے کو دے جو اس کی داد و دہش کی امید نہ رکھتا ہو اور لوگوں میں سب سے

زیادہ درگزر کرنے والا ہے جو قابو پانے کے باوجود معاف کردے اور لوگوں میں سب سے زیادہ صلہ رحم کرنیوالا وہ ہے جو اس شخص کے ساتھ صلہ رحم کرے جس نے اس کے ساتھ قطع رحم کیا ہے۔ جڑیں اپنے جمنے کی جگہوں میں اپنی شاخوں ہی کے ساتھ بڑھتی ہیں لہٰذا جو شخص اپنے بھائی کے ساتھ بھلائی کرنے میں جلدی کرے گا جب خود کسی ضرورت سے مجبور ہو کر کل اس کے پاس آئے گا تو اپنی بھلائی موجود پائے گا اور جو شخص اپنے بھائی پر احسان کر کے خدا سے اجر کا طالب ہو تو خدا بھی اس کی ضرورت کے وقت اس کے احسان کا بدلہ دے گا اور دنیا کی اتنی مصیبتیں اس سے دور کرے گا جتنی اس نے اپنے بھائی کی دور نہ کی ہیں جو شخص کسی مومن کو رنج سے چھڑائے گا خدا دنیا و آخرت کے رنج سے اسے نجات دے گا جو شخص دوسروں پر احسان کرے گا خدا اس پر احسان کرے گا اور اللہ تو احسان کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

آپ کے ایک خطبہ کا کچھ حصّہ

بردباری زینت ہے، وفا تقاضائے انسانیت ہے صلہ نعمت ہے، بڑا بننا بے عزتی ہے، بڑا بننا بے غیرتی ہے، جلد بازی نادانی ہے، حد سے گزرنا باعث خطرہ ہے، کمینوں کی ہم نشینی بری اور فاسقوں کی ہم نشینی سبب تہمت ہے۔

آپ کے ایک خطبہ کا اقتباس

جس میں آپ نے لوگوں کو اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ لغرض جہاد شام کی طرف روانہ ہونے کی ترغیب دلائی تھی۔

آپ کھڑے ہوئے، حمد خدا ادا کیا اور اس کے شایان شان اوصاف کے ساتھ اس کی ثناء و ستائش کی، پھر کہا اے اہل کوفہ تم باعزت دوست ہو، تمہاری محبت باطن کیساتھ ہے۔ نہ کہ ظاہر کے ساتھ۔ تمہارے درمیان جو اختلافات کی آگ بھڑک اٹھی ہے اس کے بجھانے اور تمہارے لئے جو دشواریاں درپیش ہو گئی ہیں، انھیں ہموار کرنے کی کوشش کرو۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جنگ کے نتائج بہت دور رس اور اس کا مزہ نہایت ناگوار ہوتا ہے، تو جو شخص اس کے

مقابلے کا سامان کرے اور پوری طرح اس کے لئے تیار ہو جائے اور جنگ چھڑنے کے قبل اس کے صدمات کا پوری طرح خیال کرلے وہی اس کا مرد میدان ہے اور جو موقع آنے کے پہلے پیش از وقت اس جنگ کے چھیڑنے کا درپے ہو وہ اپنی قوم کو فائدہ تو کوئی نہیں پہونچائے گا۔ خود اپنے کو لے ڈوبے گا ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تمہیں حق کی طرف رجوع کرنے کی ہمت عطا کرے۔

جناب ابوذر سے آپ کی گفتگو

جب عثمان کے حکم سے جناب ابوذر جلا وطن ہو کر ربذہ کی طرف جانے لگے تو آپ نے ان سے فرمایا چچا جان خداوند عالم ان حالات کو جنھیں آپ جھیل رہے ہیں، بدلنے پر قادر ہے ہر دن اس کی نت نئی شان ہے، لوگوں نے اپنی دنیا کو آپ کے ہاتھ سے بچایا اس سے آپ کی بے نیازی ظاہر ہے، لیکن آپ نے جس چیز سے انھیں محروم کیا وہ اس کے بہت ہی محتاج ہیں۔ آپ خدا سے صبر و کامیابی کی دعا کیجئے اور فریاد و واویلا کرنے سے پناہ مانگئے کیونکہ صبر دین کا رکن اور بزرگی کی علامت ہے اور لالچ رزق کو آگے نہیں لاسکتی اور نہ فریاد و واویلا موت کو ٹال سکتی ہے۔

آپ کے ایک کلام کا اقتباس

میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں اللہ کا لحاظ رکھنے کی اور تمھیں ڈرانا چاہتا ہوں اس کی طرف کے انقلابات سے اور تمہارے لئے بلند کرنا چاہتا ہوں اس (کی معرفت) کے جھنڈوں کو۔ وہ دن جس کا اندیشہ ہے گویا کہ آہی گیا ہے اپنی ہولناک پیش آمد اور ناپسند قیام اور ناخوشگوار ذائقہ کے ساتھ اور لپیٹ لیا ہے تمہارے نفوس کے ساتھ اور سد راہ ہو گیا ہے، تمھارے اور عمل کے درمیان لہٰذا جسمانی صحت اور عمر کی وسعت کی حالت میں جلدی کرو اعمال بجا لانے میں قبل اس دن کی مصیبتوں کے سر پر آجانے کے جب تمھیں زمین کی پشت سے منتقل کر کے شکم زمین کے اندر اور اس کی بلندی سے ہٹا کر پستی کی طرف اور آس کی دلچسپیوں سے الگ کر کے اس کی پریشانی کی طرف

اور اس کی روشنی سے علیحدہ کر کے اس کی تاریکی کی طرف اور اس کی وسعت سے محروم کر کے اس کی تنگی کی طرف پہونچا دے گا، جہاں کسی دوست کی ملاقات نہیں ہوتی اور نہ کسی بیمار کی عیادت نہ کسی فریادی کی فریاد رسی، اللہ ہماری اور تمہاری امداد کرے۔ اس دن کے ہولناک حالات کے مقابلے کے لئے اور ہمیں تمہیں اس دن کے عذاب سے چھٹکارا دے اور ہمارے تمہارے لئے اپنے عظیم ثواب کا حق قرار دے۔ بندگان خدا جب کہ یہ تمہاری منزل مقصود ہے اور سفر کی انتہا ہے تو اس سے بڑھ کر کام کرنے والے کیلئے اور فکر کیا ہو سکتی ہے جو اس کی تمام فکروں پر غالب آجائے اور اسے دنیا سے غافل بنا دے اور نجات کے طلب میں اس کے اہتمام کو زیادہ کرے چہ جائیکہ یہ بھی معلوم ہو کہ اس کے بعد وہ اسی کوشش کے نتائج میں گرفتار ہو گا اس سے اس کا حساب ہو گا اور اس وقت نہ کوئی مددگار ہو گا جو اس کی حفاظت کرے اور نہ کوئی پشت پناہ ہو گا جو اس سے مصیبت کو دفع کرے اور اس دن کسی کو جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان کے دور میں کچھ نیک کام انجام نہ دیئے ہیں اب ایمان فائدہ نہ دے گا۔ کہو تم کہ انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔ میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں اللہ کا پاس و لحاظ رکھنے کی اس لئے کہ اللہ ذمہ دار ہوا ہے اس شخص کے لئے جو اس کا لحاظ رکھے اس امر کا کہ وہ اسے ناپسند حالات سے منتقل کرے گا۔ پسندیدہ حال کی طرف اور اسے بے شان و گمان کے رزق عطا کرے گا۔ خبردار! ان لوگوں میں سے نہ ہو جو بندوں سے ان کے گناہوں میں ڈریں اور اللہ کے گناہ پر سزا سے بے خوف رہیں اس لئے کہ خدائے تعالیٰ کو فریب دیکر بہشت حاصل نہیں کیا جا سکتا اور جو کچھ اللہ کے یہاں کی نعمت ہے، وہ بغیر اس کی اطاعت کے حاصل نہیں کی جا سکتی۔

دنیا سے پرہیز کرنیکے متعلق آپکا ارشاد گرامی

اے فرزند آدم! غور کرو اور بتاؤ کہ شاہان دنیا اور دنیا والے کہاں ہیں، کدھر گئے وہ لوگ جنھوں نے اس دنیا کے ویرانوں کو آباد کیا، نہریں کھودیں درخت لگائے، اس کے شہروں کو آباد کیا، وہ لوگ خواہش نہ رکھتے ہوئے بھی اس دنیا سے جدا ہو گئے اور ان کی جگہ دوسرے لوگ مالک بن بیٹھے۔ ہم لوگ بھی عنقریب ان سے جا ملیں گے۔ اے فرزند آدم اپنے بچھڑنے

اور قبر میں لیٹنے اور پھر بروز قیامت خداوند عالم کے سامنے کھڑے ہونے کو یاد کرو جہاں تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے اس دن جبکہ قدم پھسلیں گے اور دل حلق تک آجائیں گے اور بعضوں کے چہرے سپید اور بعضوں کے سیاہ ہوں گے اور ڈھکی چھپی باتیں ظاہر ہو جائیں گی اور انصاف کی ترازو نصب کی جائے گی۔ اے فرزند آدم اپنے باپ دادا اور اپنی اولاد کے مرنے کو یاد کرو کہ وہ پہلے کہاں تھے اور اب کہاں ہیں اور تم بھی عنقریب انھیں لوگوں کی منزل میں جا پہنچو گے اور عبرت حاصل کرنیوالے کے لئے نمونۂ عبرت بن جاؤ گے۔

اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

کہاں ہیں وہ بادشاہ جو اپنی جانوں کے بچانے سے غافل رہے

یہاں تک کہ پلانے والے نے انھیں موت کا جام پلا دیا

دنیا میں ان کے شہر خالی ہیں

اور ویران ہو رہے ہیں اور انکے بنانیوالے نے موت کا مزہ چکھ لیا ہے

ہم اپنے مال، وارث ہونیوالوں کے لئے جمع کرتے ہیں

اور اپنے گھر زمانے کی تباہ کاریوں کے لئے بناتے ہیں۔

آپ کا ایک خطبہ جس میں آپ نے اہلبیت پیغمبر کے اور ان کی اطاعت واجب ہونے کو بیان فرمایا ہے

آپ نے حمد و ثنائے الٰہی فرمائی، پھر پیغمبر پر درود بھیجا اسی وقت آپ نے ایک شخص کو یہ پوچھتے سنا کہ "یہ کون تقریر کر رہا ہے" آپ نے فرمایا ہم اللہ کے غالب رہنے والے لوگ، پیغمبر خدا کے قریب ترین عزیز، اور آپ کے طیب و طاہر اہلبیت اور دو گران قدر چیزوں میں سے ایک ہیں۔ ہمیں کو پیغمبر خدا نے کتاب خدا کا ثانی قرار دیا ہے، وہ کتاب خدا جسمیں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے، اور باطل کا جس کے آس پاس گذر نہیں، کلام مجید کی تفسیر میں ہمیں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ہم سے اس کی تاویلیں مخفی نہیں بلکہ ہم ہی اس کی حقیقتوں کی پیروی کرنیوالے ہیں، پس تم ہماری اطاعت کرو کہ ہماری اطاعت فرض ہے کیونکہ خدا اور رسول کی اطاعت کے ساتھ ساتھ ہماری

اطاعت کا ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے " خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو حقدار حکومت ہیں ان کی اطاعت کرو۔ اگر تم میں کسی بات میں نزاع واقع ہو تو اس امر میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ یہ بھی خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ " اگر تم خدا اور اس کے اپنے حقداران حکومت سے رجوع کرتے تو یقیناً وہ لوگ جو تحقیق کرنے والے ہیں اس کو سمجھ لیتے اور اگر تم پر خدا کا فضل و کرم اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب کے سب شیطان کی پیروی کرنے لگتے"۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ شیطان جو تمہارے کانوں میں کہتا رہتا ہے تو اس کے کہنے پر کان نہ دھرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اگر تم اس کی باتوں پر کان دھرو گے تو اس کے ان پیروں کی طرح ہو جاؤ گے جن سے شیطان نے کہا تھا کہ " آج کے دن تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا میں جو تمہارے ساتھ ہوں لیکن جب دونوں جماعتوں میں مڈبھیڑ ہو گئی تو وہ الٹے پیروں بھاگ کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں اور نتیجہ یہ ہوگا کہ تم تیر و تلوار نیزہ و گرز گراں کی زد پر آجاؤ گے پھر اس وقت کسی شخص کا ایمان لانا قابل قبول نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ پہلے سے ایمان نہ لایا ہو اور عملی حیثیت سے اپنے ایمان کا ثبوت نہ پیش کیا ہو۔

آپ کا ایک خطبہ جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ امیر المومنین ہدایت کے شہر ہیں

آپ نے حمد و ثنائے الٰہی اور صلوٰۃ بر پیغمبر کے بعد ارشاد فرمایا اے لوگو! میں نے رسول کو اپنے کانوں سے ارشاد فرماتے سنا ہے کہ علی ہدایت کے شہر ہیں جو شخص اس شہر میں آگیا اس نے نجات پائی اور جس نے گریز کیا وہ ہلاک ہوا۔

آپ کا ایک خطبہ اس موقع کا کہ جب معاویہ نے یزید کے لئے بیعت حاصل کرنیکا ارادہ کیا ہے

(معاویہ کی تقریر کے بعد بطور جواب) حمد الٰہی و صلوٰۃ بر حضرت رسالت پناہی کے بعد فرمایا اے معاویہ جہاں تک پیغمبر خدا کی توصیف کا تعلق ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی طول دے حضرت کے تمام اوصاف میں ایک جز بھی بیان نہیں کر سکتا اور تمہیں معلوم ہے کہ حضرت کے بعد لوگوں نے

کس طرح حضرت کے اوصاف وکمالات کے بیان میں کمی کر دی اور آپ سے جو عہد اطاعت تھا اس سے کس طرح عدول کیا۔ توبہ توبہ اے معاویہ! صبح نے تاریکی شب کو رسوا کر دیا اور سورج کی روشنی نے چراغوں کو مدھم کر دیا۔

تم نے بہت سی باتوں کے بیان میں جو تفصیل سے کام لیا ہے اس میں حد سے بڑھ گئے اور جانبداری سے کام لیا۔ یہاں تک کہ حد انصاف سے آگے ہو گئے اور بعض حق باتوں کے کہنے سے بخل کیا اور ظلم وتعدی کے مرتکب ہوئے۔ یہاں تک کہ حد سے بڑھ گئے۔ حقدار کو اس کے حق کا تم نے کوئی حصہ نہ دیا۔ یہاں تک شیطان نے اپنا پورا حصہ لے لیا اور جو کچھ تم نے یزید کے متعلق گمان اور اس کی پاسداری کے بارے میں بیان کیا، اسے میں سمجھا! تم چاہتے ہو کہ یزید کے بارے میں لوگوں کو ایسا توہم ہو کہ جیسے تم کسی پوشیدہ شخصیت کا تعارف کرا رہے ہو اور کسی ان دیکھے آدمی کی صفت بیان کر رہے ہو یا کوئی ایسی اطلاع دے رہے ہو جسے تم نے مخصوص ذرائع سے حاصل کیا ہے حالانکہ یزید نے خود اپنی طرف سے اپنا تعارف پورا کرا دیا ہے تو تمہیں یزید کو اسی طرز زندگی کے سپرد کرنا چاہیئے جسے تم نے اپنے لئے اختیار کیا۔ مثلاً لڑائی کے لئے کتوں کو پالنا اور اڑان کے لئے کبوتروں کی پرورش اور گانے بجانے والیاں اور طرح طرح کے لہو ولعب کے دوسرے مشاغل وہ انھیں چیزوں کے لئے موزوں ومناسب ثابت ہو سکتا ہے اور جو تم چاہ رہے ہو اسے ترک کر دو! آخر تمھیں کیا ضرورت ہے کہ ان تمام خلائق کا بار اپنے اوپر اس سے زیادہ لادو جتنا کہ اس وقت تم پر ہے پس بخدا برابر تم جور وستم میں غلط پیش قدمی اور ظلم وتعدی میں کینہ پروری کا ارتکاب کرتے رہے ہو۔ یہاں تک کہ بد اعمالیوں کا بہت بڑا ذخیرہ فراہم کر لیا ہے اور اب تمہارے اور موت کے درمیان بس آنکھ بند ہونے بھر کا فاصلہ ہے۔ پس ذرا کچھ ایسے اعمال بھی کر لو جو روز قیامت تمہارے کام آئیں اور اس دن سے چھٹکارا ناممکن ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس خلافت کا اپنے بعد کے لئے بھی انتظام کر رہے ہو اور ہمیں ہمارے آباد اجداد کے میراث سے ہمیشہ کے لئے روک رہے ہو۔ حالانکہ بخدا ہمیں اللہ نے نسلی طور پر اس کا وارث بنایا ہے اور ہمارے لئے حقیقت کا وہی استدلال ہے جس سے تم نے پیغمبر خدا کی وفات کے بعد خلافت کے لئے کھڑے ہونے والے (سعد بن عبادہ) کے خلاف استدلال کیا تھا اور اس کو سرجھکانا پڑا تھا اور انصاف

کے تقاضے کو منظور کرنا پڑا تھا مگر اس کے بعد تم نے حیلہ گریوں کو جائز بنا لیا اور ہر طرح کی بداعمالیوں کا ارتکاب کیا یہاں تک کہ معاملہ تم تک اے معاویہ پہنچا ایسی راہ سے جس کی سمت تم سے جدا تھی۔ اب یہ عبرت خیز منظر ہے جو آنکھوں کے سامنے آ۔ اور تم نے شخص معلوم کے بعد رسول بر سر اقتدار آنے اور امیر بنائے جانے کا ذکر کیا مگر تمھیں معلوم ہے کہ باوجودیکہ تمھیں عمرو بن عاص کو صحبت رسول کی فضیلت حاصل تھی اور وہ رسول کی بیعت کر چکے تھے پھر جب وہ امیر بنائے گئے تو مسلمانوں نے ان کی حکومت کو ناپسند کیا اور ان کی مخالفت کے لئے تیار رہے یہاں تک کہ حضرت پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اے مہاجرین اب میرے بعد کسی کو حق نہیں ہے کہ تم پر کسی کو حاکم مقرر کرے لہذا ایسے فعل کے ساتھ ساتھ جس کی بعد میں ممانعت کر دی گئی ہے، استدلال کیونکر ہو سکتا ہے، ایسے حالات میں سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسا طرز عمل اختیار کیا جائے جس کی صحت پر زیادہ سے زیادہ لوگ متفق ہوں پھر یہ کہ تم نے صحابی کو چھوڑ کر خلافت کے لئے تابعی کو منتخب کیا اور تمھارے گرد و پیش سب ایسے ہی آدمی ہیں جن کی صحبت پر بھروسہ کیونکر کیا جا سکتا ہے نہ ان کی دیانت اور قرابتداری کا اطمینان ہو سکتا ہے اور پھر تم نے ان کو بھی چھوڑ کر ایک بالکل فاسق و فاجر شخص کو قرار دیا ہے اور چاہتے ہو کہ لوگوں کو شک و شبہ میں مبتلا کر دو۔ نتیجہ یہ ہے کہ زندہ رہنے والا اپنی دنیا کے مزے لوٹے گا اور تم اس کے سبب سے آخرت میں برباد ہو گئے، بڑا صاف خسارہ ہے اور میں خدا سے اپنے لئے اور تمھارے لئے مغفرت کی التجا کرتا ہوں۔

آپ کی گفتگو معاویہ سے جسمیں آپ نے ان کی بعض حرکتوں پر سرزنش کی ہے

جب جناب حجر بن عدی اور ان کے رفقاء شہید ہو گئے تو امام حسین سے معاویہ نے کہا کہ ہم نے حجر اور ان کے دوستوں اور پیروؤں اور آپ کے پدر بزرگوار کے شیعوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اسے آپ نے بھی سنا؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ معاویہ نے کہا۔ ہم نے انھیں قتل کر ڈالا مگر قتل کر کے انھیں کفن بھی پہنایا اور ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی یہ سن کر آپ ہنسے اور ہنس کر فرمایا۔ اے معاویہ یہ جماعت قیامت کے دن تمھارا گریبان پکڑے گی۔ قسم بخدا اگر ہم کو تمھارے پیروؤں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنے کا موقع مل جاتا تو ہم انھیں کفن بھی نہ دیتے

نہ ان کی نماز جنازہ پڑھتے، مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم میرے والد ماجد امیر المومنین کو برا بھلا کہتے ہو، انھیں عیب لگاتے ہو اور بنی ہاشم کی برائیاں بیان کرتے رہتے ہو قسم بخدا اے معاویہ تم نے کمان چڑھائی اور اپنے نشانہ کے علاوہ اور نشانہ پر تیر چلایا اور دشمنی وعداوت کی وجہ سے تم نے (حکومت شہنشاہی) نزدیک ہی سے بالیا۔ تم نے ایسے شخص کی اطاعت کی جس کا نہ تو ایمان قدیم ہے اور نہ نفاق نیا ہے اور جس نے تمہاری کبھی خیر خواہی نہیں کی اب تم خود اپنا اچھا برا سمجھو یا اس شخص سے قطع تعلق کرو (اس سے عمرو عاص مراد ہے)

آپ کی گفتگو اپنے اصحاب سے جو خدا کی معرفت کے بیان پر مشتمل ہے

اے لوگو! خدائے عزاسمہ سے ڈرو، اس نے بندوں کو اسی لئے پیدا کیا کہ لوگ اسے پہچانیں جب بندے اسے پہچان لیں گے تو اس کی عبادت بھی کریں گے اور جب اس کی عبادت کرینگے تو اس کی عبادت کر کے غیر کی عبادت سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ ایک شخص نے کہا اے فرزند رسول معرفت خدا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے معرفت کا ذریعہ وہ امام ہے جس کی اطاعت ان پر واجب ہے۔

مسجد نبوی میں آپ نے عائشہ سے فرمایا

جب امام حسنؑ کی رحلت ہوئی اور آپ کا جنازہ تیار ہوا اور نماز سے فراغت ہوئی تو جنازہ اٹھا کر مسجد میں لایا گیا، جب قبر رسول کے قریب لا کر رکھا گیا تو اس کی خبر عائشہ کو پہنچائی گئی کہ یہ لوگ امام حسن کا جنازہ رسول کے پاس دفن کرنے کے لئے لائے ہیں، یہ سن کر وہ خچر پر زین کس کر سوار آپہنچیں اور وہ اسلام میں پہلی خاتون ہیں جنھوں نے زین کسی، انھوں نے آکر کہا کہ اس جنازے کو میرے گھر سے لے جاؤ۔ میرے گھر میں کوئی دفن نہیں ہو سکتا اور پیغمبر کا پردہ چاک نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر آپ نے فرمایا، تم نے اور تمہارے باپ نے تو پہلے ہی پیغمبر کا پردہ چاک کر دیا اور پیغمبر کے گھر میں تم نے ایسے کو جگہ دی جس کی نزدیکی پیغمبر کو پسند نہیں تھی خدا اس کے متعلق اے عائشہ تم سے ضرور پوچھے گا میرے بھائی نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ان کے

پدر بزرگوار پیغمبر خدا کے روضے کے پاس لا کر ایک دفعہ زیارت کرا دوں، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میرے بھائی تمام لوگوں سے زیادہ خدا اور رسول اور کتاب خدا کے معانی و مطالب کا علم رکھتے تھے لہٰذا ناممکن ہے کہ ہتک پیغمبر کے مرتکب ہوں کیونکہ ارشاد خداوند عالم ہے۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تک پیغمبر اجازت نہ دیدیں پیغمبر کے گھر میں نہ داخل ہو" اور اے عائشہ تم نے بغیر اذن پیغمبر مردوں کو داخل کیا۔ یہ بھی خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ "اے ایمان والو! پیغمبر کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو"۔ اور میں اپنی زندگی کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تم نے اپنے باپ اور ان کے رفیق خاص فاروق کے لئے رسول کے کانوں پر پھاوڑے چلائے ہیں یہ بھی خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ "وہ لوگ جو رسول کی حضوری میں اپنی آواز دھیمی کر لیتے ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے تقویٰ کے لئے آزما لیا ہے" اور میں بقسم کہتا ہوں کہ برخلاف اس آیت کے تمہارے باپ اور ان کے دوست خاص فاروق نے اپنی نزدیکی سے رسول کو اذیت پہنچائی اور خدا نے پیغمبر کے جو حقوق بندوں پر لازم کئے ہیں ان میں سے کوئی حق پورا نہیں کیا اور خداوند عالم نے زندوں کے متعلق جن باتوں کو حرام قرار دیا ہے مردوں کے متعلق بھی اسی طرح حرام کیا ہے جس طرح غیبت و ایذا رسانی مومن کی اس کی زندگی میں جائز نہیں اس کے مرنے کے بعد بھی جائز نہیں) اور بخدا اے عائشہ اگر یہ امر یعنی حسنؑ کو دفن کرنا رسول کے پاس جسے تم ناپسند کر رہی ہو (حسن مجتبیٰ کی وصیت کی رو سے) ہمارے لئے مابین خود و خدا جائز ہوتا تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ دفن ہو کر رہیں گے چاہے تمہیں کتنی ہی تکلیف ہو۔

اس کے بعد محمد بن حنفیہ بولے کہ "اے عائشہ ایک دن تم خچر پر سوار ہو کر آئی ہو اور ایک دن اونٹ پر سوار ہو کر نکلی تھیں، نہ تو تم اپنے نفس کو روک سکتی ہو، نہ ایک جگہ بیٹھتی ہو، محض بنی ہاشم کی عداوت اور دشمنی کی وجہ سے"۔ عائشہ بولیں یہ تو امام حسینؑ، فاطمہ کی اولاد ہیں اس لئے بول رہے ہیں، تم کیوں بولتے ہو۔ امام حسین نے فرمایا تم محمد کو فاطماؤں سے الگ کرتی ہو۔ خدا کی قسم محمد بن حنفیہ تین فاطماؤں سے اولاد میں داخل ہیں۔ فاطمہؑ بنت عمران بن عائذ بن عمرو بن مخزوم، اور فاطمہ بنت اسد بن ہاشم اور فاطمہؑ بنت زائدہ بن الاصم بن رواحہ بن حجر بن محص بن عامر۔

آپ کا کلام جس میں اپنے بھائی حضرت امام حسن کی وفات پر اظہار تاثرات کیا ہے

اللہ آپ پر اے ابو محمد اپنی رحمت نازل کرے۔ آپ حق کے نقطوں پر کامل بصیرت رکھنے والے تھے اور حق و باطل کی کشمکش میں خوف و دہشت کے مواقع پر رضائے الٰہی کو مقدم رکھتے تھے اور دنیا کے بڑے بڑے مفادوں پر حقارت کی نگاہ ڈالتے تھے اور ان سے اس ہاتھ کو جو پاک و صاف رہا سمیٹے رہتے تھے اور آپ اپنے مخالفین کے غیظ و غضب کو باسانی صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کر جاتے تھے اور کیوں نہ ہوتا اس لئے کہ آپ خاندان رسالت کے نبوت اور حکمت کے دودھ سے پرورش یافتہ تھے، آپ کو راحت و نعیم اُخروی مبارک ہو۔ اللہ ہم کو اور تمھیں اے مسلمانو! ان کے غم میں اجر و ثواب کا حقدار بنائے اور ہم سب کو صبر و سکون کرامت فرمائے

آپ کا ارشاد گرامی جسمیں آپ نے مروان بن حکم کی مذمت فرمائی ہے

مروان بن حکم نے امام حسین سے جب یہ جملہ کہا کہ "اگر جناب فاطمہ کی وجہ سے آپ کو فخر حاصل نہ ہوتا تو پھر اور کس بات سے آپ ہم پر فخر کرتے"۔ یہ جملہ سن کر آپ مروان پر جھپٹ پڑے آپکی گرفت بڑی سخت ہوا کرتی تھی، آپ نے اس کی گردن پکڑی اور زور سے دبایا اور اس کے عمامہ کو اس کی گردن میں لپیٹ کر اتنا کس کر کھینچا کہ وہ بے ہوش ہو گیا پھر آپ نے اسے چھوڑ دیا اور قریش کے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر میں سچ کہوں تو تم بھی تصدیق کرنا، کیا تم جانتے ہو کہ روئے زمین پر کوئی شخص ایسا ہے جس کے ساتھ مجھ سے اور میرے بھائی سے بڑھ کر پیغمبر محبت فرماتے ہوں، یا اس زمین پر میرے اور میرے بھائی کے سوا دختر پیغمبر کا کوئی فرزند ہے۔ سب نے بیک زبان کہا نہیں، اس کے بعد آپ نے فرمایا اور میں تو نہیں جانتا کہ روئے زمین پر کوئی شخص ایسا بھی ہے جو خود بھی ملعون ہو اور اس کا باپ بھی ملعون ہو الا اس مروان کے کہ یہ خود ملعون ہے اور اس کا باپ حکم بھی ملعون تھا اور پیغمبر نے اسے نکال باہر کیا تھا مشرق سے لیکر مغرب تک ڈھونڈھنے سے بھی ایسے نام نہاد مسلمان نہ ملیں گے جو تجھ سے اے مروان اور تیرے باپ سے زیادہ دشمن خدا اور رسول و اہلبیت رسول ہوں اور میری بات کی سچائی

کی پہچان یہ ہے کہ جب تو غصہ میں آئے گا تو تیری ردا تیرے کاندھوں پر سے گر پڑے گی راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم جیسے ہی مروان اپنی جگہ سے غضب ناک ہو کر اٹھا، اس کی ردا اس کے کاندھوں سے جدا ہو کر گر پڑی۔

طلب باراں کے موقع پر آپکی دعا

پالنے والے ہمیں پورا پورا اسیراب کر ایسی سیرابی جو کشادہ، پر سکون، عام فائدہ بخش، غیر ضرر رساں ہو، جو ہمارے شہری اور دیہاتی دونوں کے لئے یکساں ہو اور اسے ہمارے رزق میں اضافہ اور شکر گذاری میں زیادتی کا سبب بنا، پالنے والے اسے ایمان کا رزق اور ایمان کا عطیہ قرار دے، تیری عطاؤں سے ہم کبھی محروم نہیں رہے، پالنے والے پانی برسا کر ہماری زمین کو سکون عنایت فرما اور اس میں زیتون اور سبزہ روئیدہ کر۔

آپ کا ایک خطبہ جو آپ نے مقام منا میں ارشاد فرمایا

اس خطبہ میں آپ نے حضرت علی کے اتنے فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں جو کسی اور خطبے میں نہیں ملتے۔

آپ نے تمام بنی ہاشم کو اکٹھا کیا، مردوں کو، عورتوں کو، غلاموں کو، ان کے دوستوں کو، پیغمبر کے صحابیوں کو، بنی ہاشم کے لڑکوں کو، ایسے تابعین اور ایسے انصار کو جنکی دیانتداری مشہور تھی، جنکی تعداد سات سو سے زیادہ تھی اور تابعین دو سو کے قریب تھے جب سب اکٹھا ہو گئے تو آپ نے ان کے مجمع میں کھڑے ہو کر تقریر فرمائی۔

حمد وثنائے الٰہی کے بعد آپ نے فرمایا کہ "یہ سرکش (معاویہ) اس نے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے ساتھ جو سلوک کیا اسے تم نے دیکھا، جانا اور چشم دید مشاہدہ کیا میں چاہتا ہوں کہ تم سے ایک بات پوچھوں، اگر میں سچ کہوں تو تم اس کی تصدیق کرنا اور اگر جھوٹ کہوں تو جھٹلا دینا، خدا اور رسول کا جو حق تم پر ہے میں اس حق کا واسطہ دیکر اور اپنی قرابت کا جو مجھے پیغمبر سے ہے تم سے کہتا ہوں کہ میرے اس جگہ کھڑے ہونے کو پوشیدہ نہ رکھنا اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے اپنے

شہروں میں، اپنے قبائل میں، ان لوگوں سے جنھیں تمھیں اطمینان ہو بیان کرنا اور ان سب کو دعوت دینا" اور ایک دوسری روایت میں "اگر میں جھوٹ کہوں تو تم مجھے جھٹلا دو" کے بعد یہ ہے کہ میری گفتگو سنو اور میری باتیں رکھ لو، پھر اپنے شہروں اور اپنے قبیلہ والوں کی طرف پلٹ کر جاؤ ان میں جن لوگوں پر تمہیں بھروسہ ہو انھیں ہمارے اس حق کی طرف دعوت دو، جسے تم جانتے ہو، میں ڈرتا ہوں کہ یہ معاملہ کہیں برباد ہو جائے، حق زائل اور باطل غالب آجائے، خداوند عالم اپنے نور کو درجہ کمال تک پہنچانے والا ہے، چاہے کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے، راوی کہتا ہے کہ خداوند عالم نے اہل بیت کے متعلق جتنی آیتیں نازل فرمائی ہیں اپنی تقریر میں آپ نے وہ تمام آیتیں تلاوت فرمائیں اور ہر ایک کی تفسیر بیان کی، ایک آیت بھی نہ چھوڑی، اسی طرح حضرت سرور کائنات نے آپ کے والد ماجد، آپ کے بھائی، آپ کی مادر گرامی، خود آپ کے متعلق اور آپ کے اہلبیت کے متعلق جتنی حدیثیں ارشاد فرمائی ہیں وہ تمام حدیثیں بھی آپ نے بیان کیں، مجمع میں جتنے صحابی موجود تھے، وہ ہر آیت اور ہر حدیث پر کہتے جاتے کہ "بیشک بیشک" ہم نے خود سنا ہے اور ہم اس کے گواہ ہیں اور جو تابعی تھے وہ کہتے تھے کہ بیشک ہم اس حدیث کو فلاں صحابی سے جنھیں ہم سچا سمجھتے ہیں۔ ہمیں ان پر اطمینان بھی ہے سن چکے ہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میری آج کی گفتگو اس سے بیان کرنا جس پر تمہیں پورا وثوق ہو اور ان کے دین پر بھی تمہیں بھروسہ ہو۔ سلیم کہتے ہیں کہ آپ نے مجمع کو جو قسمیں دیں اور جو باتیں بیان کیں وہ یہ ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں، تمہیں معلوم ہے کہ علی ابن ابی طالب رسول کے بھائی تھے جبکہ رسول نے اپنے اصحاب کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تو اپنے اور علی کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا اور ارشاد فرمایا کہ تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں دنیا و آخرت دونوں میں؟ تمام مجمع نے کہا بیشک ہم جانتے ہیں، ایسا ہی ہے، آپ نے فرمایا تمہیں خدا کی قسم تمہیں معلوم ہے کہ رسول نے مسجد اور اپنے حجرے تعمیر کرنے کیلئے جگہ خریدی جس میں مسجد بنائی اور دس کمرے بنائے نو اپنے لئے اور دسواں مکان بیچ کا میرے والد ماجد کے لئے اس کے بعد پیغمبر نے یہ کیا کہ جن لوگوں کے دروازے مسجد کی طرف کھلتے تھے سب بند کرا دیئے صرف علی کا دروازہ کھلا رکھا۔ اس پر ایک صاحب نے پیغمبر سے بہت کچھ کہا سنا بھی مگر پیغمبر نے جواب دیا کہ میں نے اپنی مرضی سے تم لوگوں

کا دروازہ بند اور علی کا دروازہ کھلا نہیں رکھا، بلکہ خداوند عالم نے مجھے حکم دیا کہ میں سب کے دروازے بند کرا دوں اور علی کا دروازہ کھلا رکھوں، پھر پیغمبر نے منادی کرا دی کہ کوئی مسجد میں نہ سوئے سوا علی کے۔ علی کو آپ نے منع نہ فرمایا وہ حالت جنابت میں بھی مسجد میں آجا سکتے تھے ان کا گھر رسول کے گھر میں تھا، اسی گھر میں پیغمبر کی اولاد ان سے پیدا ہوئے، لوگوں نے کہا بیشک آپ صحیح فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بھی تم جانتے ہو کہ عمر بن خطاب کو بڑی ہوس تھی کہ ان کے گھر میں آنکھ کے برابر ہی سہی، روشندان مسجد کی سمت کھولنے کی اجازت مل جائے لیکن رسول نے اس سے بھی انکار کر دیا اور آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں کہا کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ پاک وصاف مسجد بناؤں جس میں سوا میرے بھائی اور اس کے بچوں کے کوئی نہ رہ سکے، لوگوں نے کہا بیشک آپ صحیح فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا، تمہیں خدا کی قسم اس کا تمھیں علم ہے نا کہ پیغمبر نے بروز غدیر خم انھیں منبر پر اپنے برابر کھڑا کیا اور ان کی ولایت کا اعلان فرمایا اور مجمع سے فرمایا کہ حاضر غیر حاضر کو پہنچا دیں سب نے کہا بیشک ہم جانتے ہیں، آپ نے فرمایا تمہیں خدا کی قسم، تمہیں معلوم ہے پیغمبر نے غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت علی سے کہا، تمھیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی اور تم میرے بعد ہر مومن کے ولی ہو۔ لوگوں نے کہا بیشک ہمیں معلوم ہے آپ نے فرمایا تمہیں خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ تمہیں یہ بھی معلوم ہے نا کہ جب رسول نے نصاریٰ نجران کو مباہلہ کی دعوت دی۔ پیغمبر اس موقع پر صرف علی اور ان کی زوجہ جناب فاطمہ اور ان کے دونوں صاحبزادے حسن وحسین کو لے کر گئے؟ تمام لوگوں نے کہا بیشک ہم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تمھیں معلوم ہے نا" کہ جنگ خیبر کے دن نشان فوج پیغمبر نے علی ہی کو دیا اور پھر (اس کے قبل) آپ یہ بھی فرما چکے تھے کہ میں علم لشکر ایسے مرد کو دوں گا جسے خدا اور رسول دوست رکھتے ہیں اور وہ بھی خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے، بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے، بھاگنے والا نہیں ہے، خدا اس کے ہاتھوں پر فتح عنایت کرے گا؟ تمام لوگوں نے کہا بیشک ہم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے نا کہ پیغمبر نے امیر المومنین کو سورہ برات دے کر بھیجا اور بھیجتے وقت کہا تھا کہ میری طرف سے پہنچانے کا کام یا تو میں خود کروں گا یا وہ جو مجھ سے ہے لوگوں نے کہا۔ بیشک ہم جانتے ہیں۔ آپ نے کہا یہ بھی جانتے ہو نا کہ رسول پر جب بھی کوئی سخت وقت

پڑا، آپ نے علی ہی کو قابل اعتماد سمجھ کر آگے بڑھایا اور آپ نے کبھی علی کو ان کا نام لیکر نہیں پکارا بلکہ اے میرے بھائی کہہ کر پکارا یا یہ کہا کہ میرے بھائی کو بلا دو۔ لوگوں نے کہا بیشک ہم جانتے ہیں، آپ نے کہا یہ بھی تمہیں معلوم ہے نا کہ پیغمبر نے حضرت علی اور جعفر و زید کے درمیان فیصلہ فرمایا تھا اور کہا تھا کہ اے علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور میرے بعد تم ہر مومن کے ولی ہو۔ لوگوں نے کہا، بیشک ہم جانتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ یہ بھی جانتے ہو نا کہ حضرت علی سے ہر دن پیغمبر ص تخلیہ میں مشورے فرماتے اور وہ ہر شب پیغمبر کی خدمت میں باریابی حاصل کرتے تھے جب علی رسول سے کوئی بات پوچھتے تو پیغمبر جواب دیتے اور جب علی خاموش رہتے تو پیغمبر خود گفتگو کی ابتدا کرتے تھے لوگوں نے کہا بیشک ہم جانتے ہیں۔ آپ نے کہا یہ بھی جانتے ہو نا کہ پیغمبر نے علی کو جعفر و حمزہ پر فضیلت دی تھی جبکہ آپ نے فاطمہ سے کہا تھا کہ میں نے اپنے گھر کے بہترین فرد سے تمہیں بیاہا ہے جو سب سے پہلے اسلام لایا اور سب سے زیادہ حلیم و بردبار ہے، سب سے بڑھ کر عالم ہے۔ لوگوں نے کہا بیشک ہم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بھی جانتے ہو نا کہ پیغمبر نے ارشاد فرمایا تھا میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور میرے بھائی علیؑ پورے عرب کے سردار ہیں اور فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین سردار جوانان اہل جنت ہیں۔ لوگوں نے کہا بیشک ہم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بھی جانتے ہو کہ رسالت مآب نے اپنی زندگی کے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا تھا میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا، دوسرے میری عترت و اہلبیت، ان دونوں کو مضبوطی سے تھام رکھو کہ اگر ایسا کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے لوگوں نے کہا بیشک ہم جانتے ہیں۔

غرضیکہ حضرت علی اور اہلبیت کے متعلق کلام مجید میں جتنی آیتیں نازل ہوئیں یا پیغمبر نے جتنی حدیثیں ارشاد فرمائی ہیں انھیں ایک ایک کرکے آپ نے فرمایا اور ان سے قسمیں لیں جس کے جواب میں صحابہ کہتے کہ بیشک ہم نے سنا ہے اور تابعین کہتے کہ بیشک ہم سے فلاں فلاں ثقہ لوگوں نے بیان کیا ہے۔

پھر آپ نے ان لوگوں کو قسمیں دے کر پوچھا کہ انھوں نے پیغمبر سے سنا ہے نا کہ آنحضرت نے فرمایا جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے باوجودیکہ وہ علی کو دشمن رکھتا ہو

تو وہ شخص جھوٹا ہے۔ علی کو دشمن رکھ کر مجھ سے محبت نہیں رکھ سکتا۔ ایک شخص نے کہا۔ یا رسول اللہ یہ کیسے تو آپ نے فرمایا اس لئے کہ علی مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، جو علی کو دوست رکھے گا، وہ مجھے بھی دوست رکھے گا اور جو علی کو دشمن رکھے گا وہ مجھے دشمن رکھے گا اور جس نے مجھے دشمن رکھا، اس نے خدا کو دشمن رکھا؛ تمام لوگوں نے کہا بیشک ہم نے اس حدیث کو بھی سنا ہے۔ اس کے بعد مجمع متفرق ہو گیا۔

طلب باراں کے موقع پر آپ کا ایک خطبہ

اہل کوفہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قحط آب کی شکایت کی اور التجا کی کہ بارش کے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے امام حسین سے فرمایا کہ اٹھو اور اٹھ کر پانی برسنے کے لئے دعا مانگو۔ آپ کھڑے ہوتے حمد و ثنائے الٰہی سے بجالائے، پیغمبر پر درود بھیجا، اس کے بعد یہ دعا مانگی اے معبود برحق جو بھلائیاں بخشنے والا اور برکتیں نازل کرنے والا ہے ہم پر چھاجوں چھاج پانی برسا اور موسلادھار بارش سے ہماری پیاس بجھا۔ ایسی دل کھول کر بارش ہو کہ ہمارے کھیتوں کو سرسبز کر دے اور راستوں میں جل تھل بھر دے۔ اس سے تو اپنے بندوں کی کمزوری کو دفع کر دے اور مردہ زمینوں کو زندہ کر دے آمین، اے پروردگار عالمین۔

آپ کا ارشاد گرامی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق

اے لوگو! خداوند عالم نے علماء یہود کی مذمت فرما کر خاصان خدا کی جو نصیحت فرمائی ہے اس سے سبق لو، چنانچہ علماء یہود کے متعلق ایک جگہ ارشاد ہوا۔ ان کو اللہ والے اور علماء جھوٹ بولنے اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکتے؟ ایک اور مقام پر ارشاد ہوا، بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر تھے ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی اس وجہ سے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور ہر معاملہ میں حد سے بڑھ جاتے تھے۔ کسی برے کام سے جس کو ان لوگوں نے کیا باز نہ آتے تھے، کتنے برے ان کے افعال تھے" خداوند عالم نے علمائے یہود کی مذمت کیوں کی اس لئے کہ علمائے یہود اپنی سوسائٹی کے بے ہودہ اشخاص کو بے ہودگی اور فتنہ و فساد کے کام کرتے دیکھتے

مگر انہیں روکتے نہ تھے ایک تو ان فائدوں کے لالچ کی وجہ سے جو وہ ان سے حاصل کرتے تھے دوسرے ان کے ڈر کی وجہ سے۔ حالانکہ خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ "لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو، پھر دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ "مومنین اور مومنات ایک دوسرے کے دوست ہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں"۔ اس آیت میں خداوند عالم نے پہلا فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرار دیا ہے سب سے پہلے اسی کو واجب کیا کیونکہ خداوند عالم جانتا تھا کہ اگر یہ فریضہ ادا ہو گیا۔ اس حکم کی لوگوں نے پابندی کی تو سارے فرائض خواہ وہ سخت ہوں یا آسان سب کی خود بخود پابندی ہو جائے گی اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر درحقیقت اسلام کی طرف بلانا اور اس کے ساتھ ردّ مظالم اور مظالم کی مخالفت، خراج اور مال غنیمت کی تقسیم، زکوٰۃ جہاں جہاں سے ملنی چاہیئے اس کی وصولی اور مال غنیمت کی تقسیم دینا چاہیئے وہاں وہاں ادائیگی بھی ہے پھر تم لوگ اے جماعت والو، تمہاری جماعت علم کے ساتھ مشہور ہے اور اچھائی کے ساتھ یاد کی جاتی ہے، خیر خواہی کے ساتھ اس کی شہرت ہے اور خدا کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں تمہاری ہیبت ہے، تم سے شریف ڈرتا ہے، ضعیف تمہارا اکرام کرتا ہے اور ایسے لوگ بھی جن پر تمھیں کوئی فوقیت حاصل نہیں اور نہ ان پر تمھارا کوئی احسان ہے وہ تمھیں اپنے اوپر مقدم سمجھتے ہیں حاجتمند افراد جب اپنی حاجتوں کے حصول میں ناکام رہتے ہیں تو تم ان کی سفارش کرتے ہو اور تمہاری سفارش سے وہ حاجت ان کی پوری ہو جاتی ہے، تم شاہانہ انداز اور بڑے بزرگوں کے وقار کے ساتھ راستہ چلتے ہو، کیا یہ سب باتیں تم نے اسی وجہ سے نہیں پائیں کہ تمہیں سے حقوق خدا کی ادائیگی کی توقعات وابستہ تھے حالانکہ تم اکثر حق خدا کی ادائیگی کی توقعات کرتے رہتے ہو۔ تم نے ائمہ کے حق کو سبک سمجھا، کمزوروں کے حقوق کو تم نے ضائع کیا اور اپنے من مانے حقوق کو تم نے (پیش) نظر رکھا، نہ تو تم نے کوئی مال خرچ کیا اور نہ جان کو خطرے میں ڈالا اس کی خاطر جس نے اسے پیدا کیا، اور نہ تم نے اللہ کے کارن کسی قوم سے دشمنی مول لی، پھر بھی تم خدا سے اس کی جنت اس کے رسولوں کی ہمسائیگی اور اس کے عذاب سے امان کی تمنا کرتے ہو، لیکن اے خدا سے تمنا کرنے والو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں خدا کے عذابوں میں سے کوئی عذاب نہ تم پر آ جائے کیونکہ تم خدا کی مہربانی کی وجہ سے ایسی منزلت پر فائز ہوئے ہو جس کی

وجہ سے تمہیں سب پر فوقیت حاصل ہو گئی اللہ کی معرفت رکھنے والے انسان کی تم خود عزت نہیں کرتے حالانکہ بندگان خدا میں خدا پرستی کی وجہ سے تمہاری عزت کی جاتی ہے تم خدائی عہد و پیمان شکستہ ہوتے دیکھتے ہو مگر تمہیں اس سے کوئی گھبراہٹ نہیں ہوتی حالانکہ تمہیں اپنے باپ دادا کے بعض معاہدات توڑ دیئے جانے سے بڑی بے چینی ہو جاتی ہے۔ پیغمبر خدا سے جو عہد و پیمان ہوئے تھے وہ توڑے جاتے ہیں اور اندھے، گونگے، اپاہج شہروں کے کسمپرسی میں چھوڑے جاتے ہیں تم ان پر رحم نہیں کرتے اور نہ اپنے شایان شان ان کی مدد کرتے ہو اور ظالموں سے چکنی چپڑی باتیں کر کے خطروں سے اپنے کو بچاتے ہو یہ تمام باتیں وہ تھیں جن کے متعلق تمہیں ہدایتیں ہوئیں اور جن سے منع کیا گیا تھا اور تم ان تمام احکام سے غفلت برتتے ہو۔ سب سے بڑی آفت تم میں یہ ہے کہ علمائے دین کے حقوق تمہارے یہاں ضبط ہو گئے کاش تم نے کوشش کی ہوتی کہ امور کا نظم و نسق اور احکام کا اجراء خدا پرست علماء اور اس کی شریعت کے محافظوں کے ہاتھ پر ہوتا ہے تمہارے ہاتھ سے یہ بات جاتی رہی اور وہ صرف اس لئے کہ تم حق سے الگ ہو گئے اور واضح دلائل کے باوجود سنت نبوی سے اختلاف کرنے لگے اور اگر تم سختی برداشت کرتے اور راہ خدا میں زحمت اٹھانے پر تیار ہو جاتے تو احکام الٰہی کا اجر تم میں قائم رہتا اور تم ہی ان کا مرکز ہوتے لیکن تم نے ظالموں کو اپنے اوپر قابو دیدیا اور خدا کے احکام کو ان کے ہاتھوں میں سپرد کر دیا کہ وہ شبہوں کے عمل کرتے اور خواہش نفس کی راہوں میں قدم اٹھاتے ہیں انھیں اس کا موقع مل گیا۔ موت سے تمہارے بھاگنے اور اس زندگی کی پسندیدگی سے جو بہرحال تم سے رخصت ہونے والی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم نے کمزوروں کو ان کے ہاتھ میں دیدیا پس کوئی ان میں جلاوطن ہوا کوئی مغلوب و مقہور ہے اور کوئی ایسا ہے جس کے ذرائع معیشت پر دوسروں کا قبضہ ہو گیا ہے وہ ملک میں اپنی ذاتی لائے سے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور خدائے زبردست کے مقابلے میں جرأت و جسارت سے کام لیتے ہیں، ہر شہر کے منبر پر ان کے زبان آور مقرر چڑھے نظر آتے ہیں، زمین ان کی وجہ سے شرارتوں کی آماجگاہ بن گئی ہے اور ان کی درازدستیاں اس میں جاری ہیں اور لوگ ان کے غلام بنے ہوئے ہیں، ظالم ان ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے ہٹا نہیں سکتے ایک طرف کوئی حاکم ہے جو سرکشی دکھا رہا ہے دوسری طرف کوئی طاقت ور ہے جو کمزوروں پر ظلم ڈھا رہا ہے، دنیا

اس کے سامنے اطاعت میں سرنگوں ہے اور اسے ایک خالق کا جو پھر جزا و سزا کے لئے زندہ کرے گا کبھی تصور بھی نہیں ہوتا۔ تعجب ہے اور حقیقت ہے تعجب ہی کیا ہے۔ ان اہل زمانہ سے کیسے کیسے ظلم ڈھاتے اور کیسی کیسی بندگان الٰہی کے ساتھ سختیاں کرتے ہیں اور مسلمانوں کے حاکم ہیں مگر ان پر قطعاً رحم نہیں کرتے، بس اللہ ہی فیصلہ کرنے والا ہے اس جھگڑے میں ہمارے اور ان کے درمیان خداوندا تو جانتا ہے کہ جو کچھ ہم نے کیا وہ اقتدار سلطنت کی ہوس اور مال دنیا کی طلب کے لئے نہ تھا بلکہ صرف اس لئے کہ تیرے دین کے نشان نمایاں ہوں اور تیرے شہروں کی اصلاح ہو اور تیرے مظلوم بندوں کو امن و اطمینان نصیب ہو اور تیرے واجب و سنت احکام پر عمل ہو، یاد رکھو، اگر تم لوگ ہمارا ساتھ نہ دو گے اور ہمارے حق ادا نہ کرو گے تو ظالموں کو تم پر پورا قابو حاصل ہو جائے گا اور وہ تمہارے پیغمبر کے چراغ کو خاموش کرنے کا کام انجام دیتے رہیں گے اور یوں تو ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے اسی کی طرف لو لگاتے ہیں اور اسی کی طرف پلٹنا ہے۔

حضرت عمر سے آپ کی گفتگو!

حضرت عمر نے منبر رسول پر اپنے خطبہ کے دوران میں ایک جملہ یہ کہا کہ میں مومنین کا مالک و مولیٰ ہوں تو آپ نے مسجد کے ایک گوشہ سے پکار کر کہا "اے کذاب ہمارے باپ کے منبر سے اتر آ، یہ تیرے باپ کا منبر نہیں۔ حضرت عمر نے کہا حسین اپنی جان کی قسم، بیشک یہ تمہارے باپ کا منبر ہے، یہ تم کو کس نے سکھایا تھا کیا تمہارے والد ماجد علی نے یہ بات تمہیں سکھائی تھی؟ آپ نے جواب دیا، اگر ایسا بھی ہو کہ میں نے اپنے والد کے حکم کی تعمیل کی ہو تو زندگی کی قسم ہدایت کرنیوالے ہیں اور میں ان سے ہدایت پانے والا ہوں اور ان کا بیعت فلاوہ لوگوں کی گردنوں میں عہد رسول سے پڑا ہوا ہے جسے جبرئیل خدا کے پاس سے لے کر آئے تھے اس بیعت کا انکار وہی کر سکتا ہے جو کتاب خدا کا منکر ہو، لوگ دل سے بیعت کا یقین رکھتے ہیں مگر زبان سے انکار کرتے ہیں ہم اہل بیت کے حق سے جو انکار کریں ان کے لئے عذاب جہنم ہو، بروز قیامت پیغمبران سے کیونکر ملاقات کریں گے لازوال غضب اور شدید عذاب کے ساتھ" حضرت عمر بولے "اے حسین تمہارے باپ کے حق سے جو بھی انکار کرے اس پر خدا کی لعنت ہو، ہم کیا کریں ہمیں لوگوں نے امیر بنایا مجبوراً ہم امیر

بنے اگر لوگوں نے تمہارے باپ کو بنایا ہوتا تو یقیناً ہم ان کی اطاعت کرتے آپ نے فرمایا اے فرزند خطاب تم کو اپنا امیر بنایا کس نے ؟ سب سے پہلے تو تمہیں نے ابوبکر کو امیر بنایا تاکہ جب وہ اٹھنے لگیں تو لوگوں پر تمہیں مقرر کر جائیں ۔ اس میں نہ تو پیغمبر کی طرف سے کوئی تائید حاصل تھی اور نہ آل محمد ہی اس پر راضی تھے تو تمہاری پسند تو پیغمبر کی پسند ہو جائے لیکن خود عترت پیغمبر کی پسند پیغمبر کی ناپسندیدگی کی وجہ ہے ، بخدا اگر (مسلمانوں کی) زبانیں حق گوئی کی جرأت کرتیں اور وہ ایسا طرز عمل اختیار کرتے جو صاحبان ایمان کے شایاں ہے تو تم اس طرح آل رسول کے حاکم نہ بنتے کہ ان کے منبر پر چڑھتے اور ان کے حاکم بنے ہو ، اس کتاب (قرآن) پر عمل کے دعوی کے ساتھ جو انھیں اہل بیت کے بارے میں نازل ہوا ہے اور تم اس سے مطلق ناواقف ہو اور اس کی تاویل کی کچھ خبر نہیں رکھتے مگر جتنی کانوں تک صدا ہو جاتی ہے تم تمیز نہیں کر سکتے کہ کون غلط کار ہے اور کون صحیح خیال رکھنے والا ہے خدا تمہیں وہی بدلہ دے جس کے تم مستحق ہو اور تم نے جو حرکتیں کی ہیں وہ اس کے متعلق تم سے مناسب باز پرس کرے"۔

یہاں پر آپ کی گفتگو ختم ہو جاتی ہے (اس کے بعد اس موقع کے متعلق راوی نے وہ گفتگو نقل کی ہے جو حضرت عمر اور امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے درمیان ہوئیں وہ ہمارے موضوع سے باہر ہے جو دیکھنا چاہتے ہوں وہ تاریخ ابن عساکر یا احتجاج طبرسی کا مطالعہ فرمائیں ،

روانگی عراق کے وقت آپکا خطبہ

تمام ستائشیں اللہ ہی کے لئے ہیں وہ جو چاہتا ہے وہ ہی ہوتا ہے اور بغیر اس کے کسی میں قوت نہیں ۔ موت فرزند آدم کے یوں گلوگیر ہے جس طرح جوان عورت کے گلے میں گلوبند، نہ پوچھ کہ مجھے اپنے اسلاف سے ملحق ہونے کا کتنا شوق ہے ، اتنا ہی کہ جتنا یعقوب کو یوسف سے ملنے کا اشتیاق ہوا ۔ میرے لئے موت کی جگہ معین ہو چکی ہے اور میں وہاں جا کے رہوں گا ۔ میں گویا اپنے جوڑ بند کو دیکھ رہا ہوں کہ ادس اور کربلا کے درمیان جنگل کے بھیڑیے (یعنی افواج کوفہ و شام) ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہیں ۔ اور اس سے اپنے بھوکے شکموں اور خالی توشہ دانوں کو بھر رہے ہیں ۔ قلم قدرت نے موت کا جو دن لکھ دیا ہے اس سے چھٹکارا نہیں ، ہم اہلبیت کی وہی مرضی ہے جس میں

اللہ کی رضا ہو، ہم اس کی آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں اور وہ ہمیں صابروں کا پورا پورا اجر دے گا رسول کے فرا بتدار آپ سے علیحدہ نہ کئے جائیں گے بلکہ سب کے سب خطیرہ قدس میں آپ کے لئے جمع کئے جائیں گے جنہیں دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور پیغمبران سے کئے ہوئے وعدے پورے کریں گے دیکھو جو ہمارے لئے جان دینے پر تیار اور بقائے الہٰی کے لیے نفس کو آمادہ کر چکا ہو وہ ہمارے ساتھ چلے میں کل صبح انشاءاللہ روانہ ہو جاؤں گا۔

عراق روانہ ہونے کے وقت آپ کی گفتگو

آپ نے ابن عباس کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا، اس قوم کے متعلق کیا کہتے ہو جس نے اپنے نبی کے نواسے کو اس کے وطن، اس کے گھر اور اس کے نانا کے مزار سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہو اور اسے خائف و مصیبت زدہ بنا چھوڑا، نہ تو کسی ٹھکانے ٹھہر سکتا ہے اور نہ کسی جوار میں پناہ لے سکتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ اُسے قتل کریں اور اس کا خون بہائیں حالانکہ اس نے ذرہ برابر نہ تو شرک کیا نہ کسی ناپسندیدہ بات کا مرتکب ہوا نہ اس سے کوئی گناہ ہی سرزد ہوا۔

ابن عباس نے امام سے کہا۔ اے فرزند رسول میری جان آپ پر فدا ہو اگر کوفہ کی طرف جانا ہی ضرور ہے تو عورتوں، بچوں کو ساتھ نہ لے جائیے۔

آپ نے فرمایا اے ابن عباس میں نے پیغمبر کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ نے جو مجھے حکم دیا ہے اس کیخلاف میں نہیں کر سکتا۔ آنحضرتؐ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میرے ساتھ جو لوگ ہیں انہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔

فرزوق سے آپ کی گفتگو

فرزوق نے آپ سے پوچھا کہ فرزند رسول اتنی جلدی آپ نے کیوں فرمائی کہ حج بھی نہیں کیا آپ نے فرمایا کہ اگر میں عجلت سے کام نہ لیتا تو گرفتار کر لیا جاتا۔ پھر آپ نے کوفہ کے لوگوں کے متعلق دریافت فرمایا۔ فرزوق نے کہا کہ سب کی تلواریں آپ کے خلاف علم ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ فیصلہ خدا ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہمارا

پروردگار ہر دن نت نئی شان والا ہے اگر تقدیر الٰہی ہماری خواہش کے مطابق ہو تو ہم خدا کی نعمتوں پر اس کے شکر گذار ہیں اور ہماری مصیبت میں وہی مدد دینے والا ہے اور اگر تقدیر ہمارے اور ہماری آرزوؤں کے درمیان حائل ہو جائے تو جس کی نیت حق ہو اور ضمیر تقوی ہو وہ کبھی نامراد نہیں سمجھا جا سکتا پھر سلام وداعی کے بعد آپ اور رہ جدا ہو گئے۔

منزل رہیمہ پر آپکا ارشاد گرامی

جب حر نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو کوفہ کی طرف جانے یا مدینہ پلٹ جانے سے روکا تو آپ نے پہلے حمد و ثنائے الٰہی فرمائی اس کے بعد ارشاد فرمایا اے لوگو میں خدا سے بھی اور تم سے بھی اپنا عذر بیان کر دینا چاہتا ہوں میں خود سے نہیں آیا بلکہ اس وقت آیا جب تمہارے خطوط آئے اور تمہارے قاصد میرے پاس تمہارا پیام لے کر پہنچے کہ جلد تشریف لائیے، ہم بغیر امام کے ہیں امید ہے کہ آپ کے آنے کے بعد خدا آپ کے ذریعے ہمیں ہدایت اور راہ حق پر مجتمع کر دے۔ اب اگر تم لوگ اپنی بات پر قائم ہو (اور میری ضرورت سمجھتے ہو) تو میں آگیا ہوں مجھ سے عہد و پیمان، قول و اقرار کرو تاکہ مجھے اطمینان رہے اور اگر تم ایسا نہیں کرنا چاہتے اور میرا آنا تمہیں ناپسند ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں پلٹ جاؤں گا۔

منزل زبالہ پر آپ کی ایک تقریر

جب آپ نے حر کو اور اس کی فوج کو نماز پڑھائی (تو بعد نماز)

حمد و ثنائے الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا۔ اے لوگو اگر تم خدا سے ڈرو اور حق دار کے حق کو پہچانو تو اس کی وجہ سے خدا تم سے خوشنود ہوگا۔ ہم اہلبیت محمد تمہاری سرداری اور امیری کے زیادہ لائق ہیں بہ نسبت ان جھوٹے دعویداروں کے جو تم سے ظلم و ستم کے ساتھ پیش آتے ہیں اور اگر تم ہمیں ناپسند ہی کرتے ہو اور ہمارے حقوق نہ پہچاننے ہی پر تمہیں اصرار ہے اور اب تمہاری رائے تمہارے ان خطوط اور تمہارے ان قاصدوں کے خلاف ہے جو ہمارے پاس تمہارے پیام لے کر آئے تھے تو میں واپس پلٹ جاؤں گا۔

منزل رہیمہ پر آپکا ارشاد گرامی

ابو ہرم نے جب آپ سے دریافت کیا کہ فرزند رسول نانا کی قبر سے کس چیز نے آپ کو جدا کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا اے ابو ہرم بنو امیہ نے میری منزلت گھٹائی میں نے صبر سے کام لیا، میرا مال لے لیا اس پر بھی میں نے صبر کیا مگر اب میری جان کے پیچھے پڑ گئے۔ تو میں جان بچانے کی خاطر نکل کھڑا ہوا اور خدا کی قسم وہ مجھے قتل کر کے رہیں گے جس کی پاداش میں خدا انھیں ایسی ذلت دیگا جو سب کو شامل ہوگی اور قاطع تلوار کا مزہ چکھائے گا اور ان پر ایسے کو مسلط کریگا جو انھیں خوب ذلیل کرے گا اتنا کہ وہ قوم سبا سے (جس پر ایک عورت حکمرانی کرتی تھی اور ان کی جانوں اور ان کے مال پر متصرف تھی) ذلت میں بڑھ جائیں گے۔

منزل زبالہ پر آپ کا ارشاد گرامی

آپ کھڑے ہو کر حمد و ثنائے الہی بجالائے پھر پیغمبر کا ذکر کیا اور ان پر درود بھیج کر ارشاد فرمایا "اے لوگو! جن نے تمہیں اپنے ساتھ رہنے دیا تھا۔ ان ظاہری قرائن کے بنا پر کہ عراق میرے تابع حکم ہوگا لیکن اب مجھے اپنے بھائی مسلم کے متعلق بہت ہولناک خبر ملی ہے جو ثابت کرتی ہے کہ ہمیں بلانے والوں نے ہم سے بے وفائی کی لہٰذا اب تم میں سے جو تلوار کی آنچ اور نیزے کا وار سہ سکتا ہے وہ تو ہمارے ساتھ چلے ورنہ یہیں سے جدا ہو جائے۔

منزل زبالہ پر آپ کی ایک تقریر

بعد حمد و ثنائے الہی ارشاد فرمایا "اے لوگو! پیغمبر نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے بادشاہ کو دیکھے جو ظالم، حلال خدا کو حرام، اور حرام خدا کو حلال سمجھنے والا، عہد و پیمان الہی کو توڑنے والا، سنت رسول کا مخالف اور بندگان خدا سے ظلم و جور کا برتاؤ کرنے والا ہو اور اسے دیکھنے

کے بعد نہ تو قول سے اس کی مخالفت کرے نہ فعل سے تو خداوند عالم پر فرض ہوگا کہ جو اس بادشاہ کا ٹھکانہ ہو (یعنی جہنم) وہی اس کا بھی ٹھکانہ قرار دے۔ دیکھو یہ لوگ (یعنی بنی امیہ) انھوں نے شیطان کی اطاعت اپنے لئے لازم کرلی ہے اور خدا کی اطاعت سے منحرف ہو چکے ہیں انھوں نے فساد پھیلایا، حدود الٰہی معطل کر دیئے، خراج سلطنت کو اپنا خاص مال قرار دے لیا۔ حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کیا ہے اور میں ان کے خلاف آواز بلند کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں کیونکہ مجھے پیغمبر سے قرابت کا شرف حاصل ہے میرے پاس تمہارے خطوط پہنچے اور تمہارے قاصد یہ پیغام لے کر آئے کہ تم نے میری بیعت کی ہے اور یہ کہ تم مجھے تنہا نہ چھوڑو گے اور نہ ترک نصرت کرو گے پس اگر تم نے جو میری بیعت کی ہے اس میں وفاداری سے کام لیا تو فائدہ میں رہو گے، میں حسین ہوں، علی کا فرزند، فاطمہ بنت پیغمبر کا لال، میری جان تمہاری جان کے ساتھ ہے میرے اہل وعیال تمہارے اہل وعیال کے ساتھ ہیں اور تمہیں ہر حال میں میرا شریک رہنا ہوگا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا اور سابق میں جو عہد وپیمان تم نے کئے ہیں انھیں توڑ ڈالا اور میری بیعت سے پھر گئے تو یہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں، یہی سلوک تم میرے باپ، میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے مسلم ابن عقیل کے ساتھ کر چکے ہو۔ دھوکا کھانے والا وہی ہے جو تمہارے دھوکے میں آجائے۔ تم نے اپنے فائدے پر لات ماری، اپنے نصیب کو ضائع کر دیا اور جس نے عہد وپیمان شکستہ کیا اس نے اپنے ہی کو نقصان پہنچایا اور عنقریب خدا تم سے بے نیاز کر دے گا۔ تم پر سلام اور خدا کی رحمت وبرکت ہو۔

دنیا کے برگشتہ ہونے کے متعلق آپ کا ایک خطبہ

حمد وثنائے الٰہی کے بعد آپ نے فرمایا "ہم پر یہ مصیبت جو آپڑی ہے، اسے تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا برگشتہ و ناموافق ہوگئی۔ اس کی بھلائیوں نے ہم سے منہ پھیر لیا۔ اب اس سے اتنا ہی بچ رہا ہے جتنا برتن میں بچ رہنے والے چند قطرے اور ایسی ذلیل حرکت جیسے ناقابل ہضم چارا تم نہیں دیکھتے حق کو کہ اب اس پر عمل نہیں کیا جاتا اور باطل کو کہ اس سے پرہیز نہیں کیا جاتا۔ مومن کو چاہیئے کہ لقاء الٰہی کی سچی رغبت کرے۔ میں تو اب موت کو سعادت ہی سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو جان کا جنجال جانتا ہوں۔

زمین کربلا پر پہونچ کر آپ کی دعا

آپ نے اپنے لڑکوں، بھائیوں اور گھر والوں کو جمع کیا' ان پر نظر کی تھوڑی دیر روتے رہے پھر فرمایا" پالنے والے ہم تیرے پیغمبر محمد مصطفےٰ کی عترت ہیں، ہم ستائے گئے، وطن سے نکالے گئے اور اپنے نانا کے روضہ سے نکال باہر کئے گئے، ہم پر بنی امیہ نے زیادتی کی۔ معبود ہمارے حق کا واسطہ تو ہماری دستگیری کر، کافروں کی قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد کر۔

آپ کی گفتگو اپنے اصحاب سے جس میں آپ نے اپنی شہادت اور پھر دوبارہ دنیا میں پلٹ کر آنیکو بیان فرمایا ہے

امام حسین نے فرمایا کہ پیغمبر خدا نے مجھ سے فرمایا ہے کہ اے میرے فرزند تم عنقریب سرزمین عراق کی طرف کھینچ کر لائے جاؤ گے۔ عراق کی سرزمین وہ سرزمین ہے جس میں انبیاء اور اوصیاء نے مصیبتوں کا سامنا کیا ہے اس سرزمین کو عمورا بھی کہتے ہیں اس سرزمین پر تم درجۂ شہادت پر فائز ہوگے اور تمہارے ساتھ تمہارے اصحاب کی ایک جماعت بھی شہید ہوگی، تلوار کی آنچ انھیں محسوس نہ ہوگی اس موقع پر پیغمبر نے یہ آیت تلاوت فرمائی (اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جا) اسی طرح جنگ ان لوگوں کے لئے صلح و سلامتی کی طرح طبیعتوں پر سہل و آسان معلوم ہوگی تو اے میرے رفقا تمہیں خوشخبری ہو اگر ان لوگوں نے ہمیں قتل کر ڈالا تو کیا پروا ہم اپنے نبی کی خدمت میں پہونچ جائیں گے اور وہاں میں جب تک خدا چاہے گا ٹھہروں گا پھر سب سے پہلے زمین سے باہر آؤں گا اور اسی طرح زمین سے برآمد ہوں گا کہ میرا برآمد ہونا امیر المومنین کے برآمد ہونے اور ہمارے قائم کے قیام اور پیغمبر کی زندگی کے ساتھ ساتھ ہوگا۔ پھر ہمارے پاس آسمان سے خدا کی طرف سے ایسے ملائکہ کا ایک وفد پہنچے گا جو اس سے پہلے کبھی زمین پر نہ آئے ہوں گے اور جبریل و میکائیل اور اسرافیل اور ملائکہ کی فوجیں آئیں گی دیکھتے دیکھتے آپ نے فرمایا کہ ہمارے شیعوں میں سے کوئی شیعہ ایسا باقی نہ رہے گا جس کے پاس خدا ایک فرشتہ نہ بھیجے جو اس کے پاس آکر اس کے چہرے سے گرد جھاڑے گا اور جنت میں اس کی جگہ جو ہوگی اور اس کی جنتی،

ازدواج ہوں گی انھیں پہنچ لائے گا اور روئے زمین پر نہ تو کوئی اندھا رہے گا نہ زمین گیر نہ کوئی مصیبت کا مارا۔ اگر خداوند عالم ہم اہلبیت کے صدقے میں سب کی مصیبت اور بلا کو دور فرمائے گا اور آسمان سے زمین پر برکت نازل ہوگی یہاں تک کہ درخت حسب منشاء الٰہی پھلوں کی کثرت کی وجہ سے ٹوٹ پڑیں گے تم گرمی میں جاڑوں کے پھل اور جاڑوں میں گرمی کے پھل کھاؤ گے۔ جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم زمین و آسمان سے برکتوں کے دروازے ان پر کھول دیتے لیکن انھوں نے تکذیب کی تو ہم نے بھی انھیں ان کے اعمال کی سزا میں اپنی گرفت میں لے لیا پھر خداوند عالم ہمارے شیعوں کو بڑی عزت بخشے گا اور وہ یہ کہ زمین کے اندر جتنی چیزیں ہیں ان سب کا انھیں علم عنایت فرمائے گا یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے گھر والوں کے اندرونی حالات کا علم حاصل کرنا چاہے گا تو وہ بلا تکلف انھیں ان باتوں کی خبر دیگا جو بس انھیں کو معلوم ہوگا

بیعت توڑنے کے متعلق آپ کا ارشاد گرامی

اے لوگو! یہ سمجھ لو کہ تم یہ معلوم کر کے میرے ساتھ نکلے تھے کہ میں ایسے لوگوں کے پاس جا رہا ہوں جنھوں نے زبان اور دل دونوں سے میری بیعت کی ہے لیکن اب معلومات کچھ اور ہیں میرے بلانے والوں پر شیطان نے غلبہ کر لیا اور یاد خدا ان سے بھلا دی اب ان کا مقصد صرف یہی ہے کہ مجھے اور میرے ساتھ کے مجاہدین کو قتل کردیں اور میرے حرم کو لوٹنے کے بعد قیدی بنالیں اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناواقفیت میں پڑے رہو اور شرم کے مارے مجھ سے کچھ کہہ نہ سکو۔ فریب ہم اہلبیت کے نزدیک جائز نہیں لہٰذا جو میرا ساتھ دینا پسند نہیں کرتا وہ چلا جائے، رات پردہ پوش ہے راستہ بھی خطرناک نہیں اور وقت بھی باقی ہے اور جو ہم پر اپنی جان نثار کرے گا۔ وہ ہمارے ساتھ جنت میں ہوگا۔ خدا کے غضب سے اس کو نجات حاصل رہے گی۔ میرے نانا پیغمبر خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرا فرزند حسین میدان کربلا میں غریب، بے یار و مددگار پیاسا قتل ہوگا، جو اس کی نصرت کرے گا۔ اس نے میری مدد کی اور اگر زبان ہی سے مدد کرے تو بھی وہ قیامت کے دن ہماری جماعت میں ہوگا۔

آپ کا ارشاد گرامی جس میں آپ نے دنیا کے رو بہ تغیر اور زوال پذیر ہونے کو بیان فرمایا ہے!

اے لوگو! سمجھ لو کہ دنیا فنا اور زوال کا گھر ہے اپنے بسنے والوں کو ایک حال سے دوسرے حال سے الٹنے پلٹنے والی ہے، اے لوگو تم اسلام کے دستور سے واقف ہو۔ قرآن بھی تم نے پڑھا ہے۔ یہ بھی جانتے ہو کہ حضرت محمد مصطفےٰ شہنشاہ حقیقی کے پیغمبر ہیں اور ان سب باتوں کے باوجود تم انھیں پیغمبر کے فرزند کو از راہ ستم وجور قتل کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہو! اے لوگو کیا یہ فرات کے بہتے ہوئے پانی کو نہیں دیکھتے جو مثل شکم مار کے چمک رہا ہے اس فرات کا پانی یہود ونصاریٰ پی سکتے ہیں حتیٰ کہ کتے، سور تک کیلئے کوئی روک ٹوک نہیں اور پیغمبر کی آل پیاس سے مری جارہی ہے

آپ کی ایک گفتگو اپنے اصحاب سے جس میں آپ نے حضرت قائم کے ظہور کے علامات بیان فرمائے ہیں

دیکھو میں جانتا ہوں کہ ہم لوگوں کو ان دشمنوں سے ایک نہ ایک دن بھڑنا ہے، دیکھو میں تمہیں اجازت دیتا ہوں، تم سب چلے جاؤ، میں تمہارے لئے مباح قرار دیتا ہوں۔ اصحاب نے کہا۔ خدا کی پناہ جو ہم آپ کو چھوڑ کر جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرتِ قائم (مہدی آخر الزماں) کے ظہور کی چند علامتیں خدا نے مومنین کے لئے رکھی ہیں چنانچہ ارشاد خداوند عالم ہے **ولنبلونکم** ہم تمہیں آزمائیں گے یعنی قائم کے خروج سے پہلے مومنین کو آزمائیں گے، **بشی من الخوف** کچھ خوف سے یعنی شاہان بنی عباس کے خوف سے ان کی سلطنت کے آخری دنوں میں **والجوع** اور بھوک سے یعنی غلے کی گرانی سے **ونقص من الاموال** اور مال کی کمی سے یعنی تجارت مندی ہونے اور برکت کم ہونے سے **والانفس** اور جانوں کی کمی سے یعنی ہمہ گیر موت سے **والثمرات** اور پھلوں کی کمی سے یعنی پیداوار کی کمی سے **وبشر الصابرین** صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیدو کہ اس وقت بہت جلد ہی قائم خروج فرمائیں گے اور حکومت اہلبیت پیغمبر کی ہوگی لہٰذا تم ابھی خاموشی سے بیٹھے رہو اور اس وقت تک بازرہو جب تک اس کی مذکورہ علامات ظاہر نہ ہوجائیں ہاں جس وقت روم اور

قومیں تم پر حملہ آور ہو جائیں اور فوجوں کی پرورش ہو اور تمہارا وہ حکمران جو اموال کو جمع کرتا تھا مر جائے اور اس کے بعد ایک درشت شخص کی حکومت ہو اور وہ دو برس کے بعد معزول ہو جائے تو اس وقت سمجھ لو کہ اب ان کی سلطنت تباہ ہونیوالی ہے۔

آپ کی ایک تقریر جو آپ نے اپنے اصحاب کی وفا کے متعلق فرمائی

میں خدا کی مدح کرتا ہوں، بہترین مدح اور خوشحالی و بدحالی دونوں حالتوں میں اس کا حمد و شکر بجالاتا ہوں، پالنے والے تیری حمد و شکر کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں نبوت کے ذریعہ عزت بخشی ہمیں قرآن کی تعلیم دی، دین کی سمجھ عنایت فرمائی، ہمیں گوش شنوا، چشم بینا اور دل حق آگاہ عنایت فرمایا ہمیں اپنے شکر گزاروں میں سے بھی قرار دے میں کسی کے اصحاب کو نہیں جانتا جو میرے اصحاب سے زیادہ بہتر و وفادار ہوں اور نہ کسی کے اہلبیت ایسے نظر سے گزرے جیسے میرے اہلبیت، نیکوکار اور صلۂ رحم کرنے والے ہیں۔ تم لوگوں کو خداوند عالم میری طرف سے بہترین جزا عنایت فرمائے دیکھو مجھے یقین ہے کہ ہمیں ان لوگوں سے سخت مقابلہ درپیش ہوگا۔ دیکھو میں تمہیں اجازت دے رہا ہوں۔ تم سب چلے جاؤ۔ تمہارے لئے چلا جانا جائز و مباح ہے۔ میری طرف سے تم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ رات تم کو اپنے پردے میں ڈھانکے ہے۔ اس رات کو مرتکب بنالو اور تم میں سے ہر شخص میرے اہلبیت میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ لے اور تم اس رات کی تاریکی میں منتشر ہو جاؤ اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ تنہا چھوڑ دو کہ یہ بس میرے طلب گار ہیں۔

آپ کا ارشاد گرامی جو آپ نے اپنے لشکر اور اپنے اہلبیت سے فرمایا

آپ کا ارشاد گرامی جو آپ نے گردنوں سے کھولے دیتا ہوں تم اپنے قوم قبیلہ اور رشتہ داروں سے جا ملو اور آپ نے اپنے عزیزوں سے فرمایا کہ میں تمہارے لئے مباح کئے دیتا ہوں کہ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ۔ تم ان دشمنوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کی قوت بھی بہت زیادہ ہے اور یہ صرف مجھے چاہتے ہیں۔ مجھے اور ان لوگوں کو چھوڑ دو، خداوند عالم میری مدد کرے گی اور اپنی اچھی نگاہ مجھ سے نہ ہٹائے گا جیسا کہ میرے پاکیزہ

اسلاف کے ساتھ اس کا دستور رہا ہے اس حکم کے بعد لشکر والے تو جدا ہو گئے لیکن آپ کے اعزا اور قریبی رشتہ دار انھوں نے ساتھ چھوڑ کر جانے سے انکار کیا انھوں نے کہا کہ ہم آپ سے جدا نہ ہوں گے جو آپ پر گزرے گی، وہ ہم پر بھی گذرے گی، اور جو دکھ آپ جھیلیں گے وہی ہم بھی جھیلیں گے، جو مصیبت آپ پر آئے گی وہ ہم پر بھی آئے گی' ہم آپ کے ساتھ ہی رہ کر خدا سے زیادہ قریب رہ سکتے ہیں۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے بھی اپنے نفوس کو اس بات پر آمادہ کر لیا ہے جس پر میں اپنے نفس کو آمادہ کر چکا ہوں تو یہ جان لو کہ خداوند عالم اپنے بندوں کو اچھے مدارج مصائب جھیلنے میں صبر کرنے پر عنایت فرماتا ہے، اللہ نے مجھے میرے ان بزرگوں کی شرکت میں جن کی میں آخری فرد ہوں، مصائب کے برداشت کی وجہ سے جو عزتیں عطا کی ہیں ان خداوندی اعزازوں میں تمہارا بھی حصہ ہوگا اور تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا اس کا تلخ وشیریں سب کچھ ہے سب خواب ہی خواب ہے اور اس خواب سے بیداری آخرت میں ہوگی جو آخرت میں کامیاب رہا درحقیقت وہی کامیاب ہے اور جو آخرت میں بدبخت رہا وہی دراصل بدبخت ہے۔ اے ہمارے دوستو! ہمارے ماننے والو اور ہمارا دامن پکڑنے والو! کیا مناسب نہ ہوگا کہ میں تم سے اپنا اور تمہارا پہلا پہلا ماجرا بیان کروں تاکہ تمہارے لئے ان مصائب کی برداشت آسان ہو جائے جو تمہیں درپیش آنے والے ہیں؟ لوگوں نے کہا اے فرزند رسول ضرور بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب خداوند عالم نے آدم کو پیدا کیا اور تمہیں استقامت بخشی اور انھیں تمام چیزوں کے نام بتائے اور ملائکہ کے سامنے پیش کیا تو حضرت محمد مصطفےٰ علی ابن ابی طالب، سیدہ فاطمہ، حسن حسین کی پانچ شکلیں پشت آدم میں ودیعت کیں، اس وقت ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے نور سے آفاق روشن تھے۔ کل آسمان، تمام زمین، پردہ ہائے عرش وکرسی اور جنت بھی ان کے نور سے منور تھے اس کے بعد خداوند عالم نے آدم کی تعظیم کی خاطر ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ آدم کو خداوند عالم نے اسی وجہ سے یہ فضیلت بخشی کہ انھیں خزینہ دار بنایا تھا۔ ان شکلوں کا جن کے انوار سے تمام آفاق نورانی تھے، سب نے سجدہ کیا، سوا ابلیس کے اس نے آدم کی عظمت اور ہم اہلبیت کے انوار کے سامنے سر جھکانے سے انکار کیا حالانکہ کل ملائکہ نے سر جھکایا، مگر شیطان نے اپنے کو بڑا اور رفیع المنزلت سمجھا اور اپنے اس انکار اور تکبّر کی وجہ سے کافروں میں سے قرار دیا۔

آپ کی ایک تقریر جسمیں آپ نے اہل عراق کو نصیحت فرمائی ہے

تمام ستائشیں زیبا ہیں اس معبود برحق کے لئے جس نے دنیا کو خلق فرمایا اور پھر اسے فنا وزوال کا گھر اور اپنے بسنے والوں کو ایک حال سے دوسرے حال میں الٹنے پلٹنے والی بنایا۔ دھوکے میں وہی ہے جسے دنیا دھوکے میں ڈالے اور بدبخت وہ ہے جسے دنیا پھانس لے پس تمہیں یہ دنیا دھوکے میں نہ ڈالے کیونکہ جو بھی اس پر بھروسہ کرتا ہے اس کی امیدوں کو یہ منقطع کر دیتی ہے اور جو اس کی لالچ کرتا ہے۔ اسے محروم بناتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم سب نے ایسی بات پر ایکا کرلیا ہے جس کی وجہ سے خدا تم نے اپنے اوپر غضبناک کرلیا ہے اور اس نے اپنا منہ تم سے پھیر لیا ہے اور تم پر اپنا عذاب مسلط کر دیا ہے اور اپنی رحمت تم سے الگ کرلی ہے بہترین پروردگار ہمارا پروردگار ہے اور بدترین بندے تم لوگ ہو۔ تم نے اطاعت کا اقرار کیا پیغمبر خدا محمد مصطفے پر ایمان لائے اور ان سب کے بعد تم پیغمبر کی ذریت اور عترت پر لوٹ پڑے اور ہجوم کرکے انھیں قتل کرنا چاہتے ہو۔ تم پر شیطان غالب آگیا اور تم سے خدائے بزرگ و برتر کی یاد بھلادی۔ بربادی ہو تمہیں بھی اور تمہارے اس مقصد کی بھی جسے تم چاہتے ہو۔ ہم خدا ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف ہم پلٹنے والے ہیں۔ یہ لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ ہلاکت ہو ظالمین کی جماعت کو۔ شمر ملعون آگے بڑھا اور بولا کہ ہمیں سمجھا کے کہیئے تاکہ ہم اچھی طرح سمجھیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں کہتا ہوں کہ تم اپنے پروردگار معبود برحق سے ڈرو اور مجھے قتل نہ کرو کیونکہ میرا قتل تمہارے لئے کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا اور نہ میری ہتک حرمت تمہارے لئے مباح ہوسکتی ہے کیونکہ میں تمہارے نبی کی دختر کا فرزند ہوں اور میری نانی خدیجہ ہیں جو تمہارے پیغمبر کی بی بی تھیں اور تم نے اپنے پیغمبر کا یہ قول تو سنا ہوگا کہ حسن و حسین سردار جوانان جنت ہیں۔ پھر آپ نے بلند آواز سے پکار کر کہا۔ اے اہل عراق، اے لوگو، میری بات سنو اور جلد بازی سے کام نہ لو یہاں تک کہ میں تمھیں وعظ و پند کر دوں جو تمہارا حق ہے مجھ پر اور اپنا عذر تم سے بیان کرلوں اگر تم نے میرے ساتھ انصاف کیا تو تم اس کی وجہ سے نیک بخت ہوگے اور اگر تم نے انصاف نہ کیا تو کم سے کم اتنا تو کرو کہ باہم رائے مشورہ کرلو تاکہ تمہارا معاملہ تمہارے لئے پیچیدہ نہ رہے۔ پھر اپنے فیصلہ سے مجھے آگاہ کردو اور یہ بات

نظر انداز نہ کردینا کہ میرا نگراں وہ اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی اور وہی نیکوکاروں کا سرپرست ہے

آپ کا ارشاد گرامی جس میں آپ نے اپنے اصحاب کو بہشت اور اس کے قصروں کی بشارت دی ہے

اے عزت دارو! یہ جنت ہے جس کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں جس کی نہریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اور پھل پکنے کے قریب ہیں اور اس کے قصر آراستہ کیے گئے ہیں اور اس کے حور و غلمان اکٹھا کئے گئے ہیں اور یہ حضرت سرور کائنات اور وہ شہدا ہیں جو راہ خدا میں قتل کئے گئے، یہ سب تمہاری آمد کے منتظر ہیں اور تمہیں خوش آمدید کہنے کو تیار ہیں۔ تم دین خدا اور پیغمبر کے دین کی حمایت کرو اور حرم رسول سے دشمنوں کو مار بھگاؤ۔

آپ کی ایک تقریر جس میں آپ نے اہل کوفہ کے مقابلے میں احتجاج فرمایا ہے

حمد و ثنائے الٰہی فرمائی اور اس کے بعد فرمایا کہ اے اہل کوفہ! میرے شجرۂ نسب پر نظر ڈالو اور پھر غور کرو کہ میں کون ہوں اس کے بعد اپنے دل سے رجوع کرو اور اپنے نفس کی ملامت کرو اور سوچو کہ کیا میرا قتل اور میری ہتک حرمت مناسب اور تمہارے لئے جائز ہوسکتی ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ اور پیغمبر کے وصی اور چچازاد بھائی کا بیٹا نہیں جو خدا پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اور پیغمبر اور خدا کے یہاں سے ان کی لائی ہوئی باتوں کی تصدیق کرنے والے تھے۔ کیا حمزہ سید الشہداء میرے چچا نہ تھے؟ کیا تم تک پیغمبر کا یہ ارشاد گرامی نہیں پہنچا جو آپ نے میرے اور میرے بھائی کے لئے فرمایا ہے کہ یہ دونوں سردار جوانان جنت ہیں؟ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اگر تم اس کی تصدیق کرتے ہو اور میں سچ ہی کہہ رہا ہوں خدا کی قسم میں جب سے سن شعور کو پہنچا، کبھی جھوٹ نہ بولا، خدا جھوٹوں کو ان کے جھوٹ کی وجہ سے دشمن رکھتا ہے اور اگر تم مجھے جھوٹا ہی سمجھتے ہو تو تم میں ایسے افراد موجود ہیں کہ اگر تم ان سے پوچھو تو وہ تمہیں خبر دیں گے۔ پوچھو جابر بن عبد اللہ انصاری سے، ابو سعید خدری سے، سہل بن سعد ساعدی سے، براء بن عازب سے، زید بن ارقم یا انس بن مالک سے، وہ تمہیں بتائیں گے کہ انھوں نے اس کلام کو خود رسالت مآب سے سنا ہے جو آپ نے

میرے اور میرے بھائی کے لئے فرمایا تھا، کیا اس حدیث میں ایسی بات نہیں جو تمہیں میرا خون بہانے سے روکے؟

پھر آپ نے ان سے ارشاد فرمایا۔ اگر تم اس میں شک کرتے ہو تو کیا اس میں بھی تمھیں شک ہے کہ میں دختر پیغمبر کا فرزند ہوں؟ خدا کی قسم مشرق و مغرب کے درمیان تم میں اور تمہارے ماسوا لوگوں میں میرے سوا کوئی نہیں جو دختر پیغمبر کا فرزند ہو۔ وائے ہو تم پر کیا میں نے تمہارے کسی شخص کو قتل کیا ہے جس کے قصاص میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو، یا میں نے تمہارا مال نقصان کیا ہے یا میں نے تمھیں کوئی زخم پہنچایا ہے جس کا انتقام لینا چاہتے ہو۔ اس پر سب خاموش ہو گئے، کوئی نہ بولا۔

پھر آپ نے پکار کر کہا" اے شبث بن ربعی، اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث! کیا تمہیں لوگوں نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پکنے کے قریب ہیں اور میدان سرسبز و شاداب ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا۔ ہم نے نہیں لکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اگر تم مجھے ناپسند کرتے ہو تو میں اس زمین کے کسی اور حصے کی طرف چلا جاؤں۔

قیس بن اشعث بولا آپ جو کہہ رہے ہیں وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا لیکن آپ اپنے چچا کی اولاد (یعنی یزید) کی تعمیل حکم کیجئے، وہ آپ کے لئے وہی صورت سامنے لائیں گے جو آپ کی پسندیدہ خاطر ہیں۔

آپ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم نہیں میں ذلت کے ساتھ اپنا ہاتھ انھیں نہیں دوں گا، نہ غلاموں جیسا اقرار کروں گا۔ بندگان خدا میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس شخص سے جو متکبر اور روز حساب کا ایمان نہیں رکھتا۔

آپ کی ایک تقریر جو آپ نے تلوار پر ٹیک لگا کر ارشاد فرمائی!

میں تمھیں خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ تم مجھے پہچانتے ہو نا! لوگوں نے کہا ہاں آپ پیغمبر کے فرزند اور ان کے نواسے ہیں۔ آپ نے کہا تمھیں خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ میری ماں فاطمہ بنت پیغمبر تھیں، لوگوں نے کہا ہاں! ہم جانتے ہیں، آپ نے کہا تمہیں خدا کی قسم یہ بھی تم جانتے ہو نا کہ علی ابن ابی طالب میرے پدر بزرگوار ہیں، لوگوں نے کہا ہاں ہم جانتے ہیں۔ آپ نے کہا

تمھیں خدا کی قسم یہ بھی جانتے ہو ناکہ میری نانی خدیجہ بنت خویلد ہیں جو اس امت میں سب سے پہلے اسلام لانے والی خاتون ہیں۔ لوگوں نے کہا ہاں ہم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں خدا کی قسم یہ بھی تم جانتے ہو کہ جناب جعفر طیار جو جنت میں محو پرواز ہیں میرے چچا ہیں۔ لوگوں نے کہا ہاں ہم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں خدا کی قسم یہ بھی جانتے ہو کہ یہ تلوار جو میں لگائے ہوں پیغمبر کی تلوار ہے لوگوں نے کہا، ہاں ہم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمھیں خدا کی قسم یہ بھی جانتے ہو ناکہ یہ عمامہ جو میں پہنے ہوئے ہوں۔ پیغمبر کا عمامہ ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں ہم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں خدا کی قسم یہ بھی جانتے ہو ناکہ علی تمام لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے سب سے زیادہ عالم، سب سے بڑے حلیم اور ہر مومن و مومنہ کے مولا تھے۔

لوگوں نے کہا ہم یہ بھی جانتے ہو نا۔ آپ نے فرمایا پھر کس وجہ سے تم نے مجھے ذبح کرنا جائز سمجھ لیا۔ حالانکہ میرے ہی باپ حوض کوثر سے لوگوں کو ہنکانے والے ہیں، جیسے چشمے سے لوٹتے ہوئے اونٹ ہنکائے جاتے ہیں اور قیامت کے دن الحمد میرے باپ ہی کے ہاتھ میں ہوگا۔ لوگوں نے کہا ہم یہ سب باتیں جانتے ہیں لیکن ہم اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑیں گے جب تک تشنگی کے عالم میں آپ موت کا مزہ نہ چکھ لیں۔

آپ کا ایک خطبہ جو آپ نے بروز عاشورہ نماز صبح کے بعد ارشاد فرمایا جس میں اپنے اصحاب کو جنگ پر آمادہ فرمایا ہے

آپ نے پہلے حمد و ثنائے الٰہی ادا فرمائی اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے آج کے دن تمہارے اور میرے قتل ہونے کا فیصلہ کر دیا ہے لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ ثابت قدمی کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرو۔

آپ کا ایک خطبہ جو آپ نے ساحل فرات پر دنیا سے پرہیز کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا

بعد حمد و ثنائے الٰہی آپ نے ارشاد فرمایا، بندگان خدا! خدا سے ڈرو اور اس دنیا سے ہوشیار رہو۔ اگر یہ دنیا کسی کے لئے ہمیشہ باقی رہتی اور دنیا میں کوئی ہمیشہ باقی رہ سکتا تو انبیا ہمیشہ باقی رہنے

کے زیادہ حقدار تھے اور اس کے زیادہ مستحق تھے کہ ہر بات ان کی مرضی کے مطابق ہو اور وہ سب سے زیادہ تقدیر کے فیصلے اپنی پسند کے مطابق پلٹتے مگر یہ کہ خدا نے اس دنیا کو بلاء و مصیبت ہی کے لئے خلق کیا ہے اور اس دنیا کے لوگوں کو فنا ہو جانے کے لئے دنیا کی ہر چیز کہنہ ہو جانیوالی اور اس کی نعمتیں فرسودہ ہو جانے والی اس کی خوشی بس نمائشی خوشی ہے۔ یہ ایک دوسری منزل کا پیش خیمہ اور ناقابل سکونت گھر ہے لہٰذا اس دنیا سے زادِ راہ فراہم کر لو اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ خدا سے ڈرو امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

آپ کا ارشاد گرامی جس میں آپ نے اپنے اصحاب کو صبر کی تلقین فرمائی ہے اور آخرت کا شوق دلایا ہے

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ کی مصیبت انتہا کو پہنچ گئی تو آپ نے اپنے ہمراہیوں کی طرف نگاہ کی۔ وہ آپ کی طرح مطمئن دل نہ تھے کیونکہ ان پر جب سختی بڑھ جاتی تو ان کے رنگ متغیر ہو جاتے، جوڑ بند کانپنے لگتے اور دل سہم جاتا اور خود امام اور آپ کے چند رفقاء جو آپ کی خصوصیات کے حامل تھے ان کی کیفیت یہ تھی کہ ان کے چہرے کا رنگ کھل جاتا، دل مطمئن ہو جاتے اور نفس کو سکون ہوتا تھا۔ تو آپ کے بعض ساتھیوں نے دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ امام کو دیکھو، آپ کو موت کی پرواہ ہی نہیں۔ امام نے ان سے ارشاد فرمایا صبر سے کام لو۔ اے شریفوں کی اولاد موت تو ایک پل ہے جس کے ذریعہ تم مصائب و شدائد جھیل کر وسیع جنت اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں تک پہنچ جاؤ گے تم میں کسے ناپسند ہے کہ قید خانے سے منتقل ہو کر قصر عالیشان میں پہنچ جائے موت تمہارے دشمنوں کے لئے ایسی ہے جیسے کوئی قصر سے منتقل ہو کر قید خانے و عذاب میں پہنچ جائے۔ میرے والد ماجد نے پیغمبر خدا سے حدیث روایت کی ہے کہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے اور موت مومنوں کو جنت تک پہنچانے والا اور کافروں کو جہنم تک پہنچانے والا پل ہے۔ نہ میں جھوٹ کہتا ہوں اور نہ مجھ سے جھوٹ بنایا گیا ہے۔

کوفے والوں کی مذمت میں آپ کی ایک تقریر

جو آپ کی غیرت و حمیت اور بلند کرداری کا آئینہ ہے

حمد و ثنائے الہٰی اور پیغمبر اکرم اور دیگر انبیاء اور ملائکہ پر درود و سلام اس طرح ادا فرمایا جس طرح کسی فصیح و بلیغ متکلم سے اس کے پہلے نہیں سنا گیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہلاکت و مصیبت ہو تمہارے لئے، اے لوگو! ارے جب خود ہی تم لوگوں نے بدحواس ہو کر ہم سے فریاد کی اور ہم پوری تیاری کے ساتھ دوڑتے ہوئے تمہاری فریاد کو پہنچے تو کل جو تلواریں تمہارے ہاتھوں میں ہماری حمایت کے لئے بلند تھیں آج انھیں تلواروں کو تم نے ہم پر کھینچا ہے اور کل جو آگ ہم نے اور تم نے مل کر اپنے مشترکہ دشمن کے لئے بھڑکائی تھی وہی آگ آج تم میرے لئے بھڑکا رہے ہو۔ دشمن کے دست و بازو بن کر آج تم اپنے ہی دوستوں پر ٹوٹ پڑے حالانکہ تمہارے دشمنوں نے تمہارے ساتھ کوئی انصاف نہیں برتا اور نہ تم کو ان سے کسی منفعت ہی کی امید ہے۔ سوا اس کے کہ دنیا کی حرام چیزیں تم نے ان سے حاصل کی ہیں اور ذلیل عشرت کے سامان کی ان سے لالچ کی ہے حالانکہ ہم سے تمہارے خلاف کوئی بات بھی رونما نہیں ہوئی اور نہ ہمارے متعلق تمہارا عقیدہ غلط ثابت ہوا ہے کیونکہ تمہارے لئے بربادی و ہلاکت ہو کہ تم نے ہمیں ناپسند کیا، ہمیں چھوڑ دیا، جنگ کی تیاریاں کیں حالانکہ ہماری تلواریں نیام میں تھیں دل تمہاری طرف سے مطمئن تھے تمہارے متعلق رائے بھی بدلی نہ تھی لیکن تم جنگ کے لئے یوں امنڈ پڑے جس طرح ٹڈیوں کے دل کے دل امنڈ پڑتے ہیں اور یوں ٹوٹ پڑے جس طرح پروانے شمع پر ٹوٹتے ہیں۔ اے لوگو ہلاکت و بربادی ہو تمہاری تم امت کے سرکش لوگوں میں سے ہو، جماعت سے علیحدہ رہنے والے اور کتاب خدا کو چھوڑ دینے والے شیطان کے سحر کا شکار، گنہگاروں کی ٹولی، کتاب خدا میں تحریف کرنے والے، سنتوں کو مٹا دینے والا، اولاد انبیاء کو قتل کرنیوالے، اوصیاء کی نسل کو ہلاک کرنیوالے، زنا کی اولاد کو نسبی اولاد قرار دینے والے، مومنین کو اذیت دینے والے اور آیات الہٰی کے ساتھ تمسخر کرنے والی ٹولی کے سرغنہ کی مدد کرنیوالے ہو، جنھوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا بہت ہی بری چیز ان کے سامنے ان کے نفسوں نے پیش کی ہے وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے تم حرب کے بیٹے اور اس کے پیرؤوں کی مدد کر رہے ہو اور ہمارے ساتھ بے وفائی کر رہے ہو، ہاں کیوں نہ ہو؟ تمہا

بیوفائی کرنا دنیا جانتی ہے اس پر تمہاری جڑوں نے جگہ پکڑی اسی سے تمہاری شاخیں بار آور ہوئیں اسی پر تمہارے دل قائم اور اسی کو تمہارے سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ تم بدترین پھل ہو۔ دیکھنے والوں کے لئے رنج واندوہ اور غاصب کے لئے لقمہ ہو۔ خدا کی لعنت ہو۔ عہد و پیمان توڑنے والوں پر جو عہد و پیمان استوار کر کے توڑ ڈالتے ہیں حالانکہ اپنے عہد و پیمان پر خدا کو ضامن بھی بنا چکے تھے۔ تم لوگ خدا کی قسم وہی ہو۔ دیکھو! یہ حرامی کا حرامی لڑکا (ابن زیاد) دو باتوں کے درمیان جم گیا ہے، یا تو مجھ پر تلوار کھینچے یا مطیع بنا کر مجھے ذلیل کرے۔ اطاعت کی ذلت خواری برداشت کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے خداوند عالم، اس کا رسول پاکیزہ گود، طیب و طاہر آغوش، اونچی ناک، غیرتمند نفس ہمیں قطعاً اجازت نہیں دیتے کہ ہم شریفانہ موت کو چھوڑ کر کمینوں کی اطاعت اختیار کریں۔ دیکھو! میں نے اپنا عذر بیان کر دیا۔ تمہیں خدا کا خوف بھی دلایا میں اپنے لوگوں کے ساتھ در آں حالیکہ یہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں اور دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ دوستوں نے منہ چرالیا ہے، احباب نے مدد سے دست کشی کر لی ہے مگر ان سب کے باوجود میں مقابلہ کر کے رہوں گا۔ اس کے بعد آپ نے فروہ بن مسیک مرادی کے یہ اشعار پڑھے۔

اگر آج ہم شکست کھا جائیں تو خیر، پہلے تو ہم ہی شکست دیتے رہے ہیں

اور اگر آج ہم مغلوب ہو جائیں تو ہمیشہ ایسا نہیں ہوا ہے کہ مغلوب ہی ہوتے رہے ہوں

ہم میں کوئی بزدلی پیدا نہیں ہوئی ہے مگر ہماری موت کا وقت قریب آگیا ہے

اور دوسروں کی قسمت میں اقتدار حاصل کرنا ہے

اگر موت کچھ لوگوں سے اپنا سینہ ہٹا لے

تو دوسروں پر مسلط ہو کر رہے گی!

اسی موت نے ہماری قوم کے سرداروں کو فنا کیا

جس طرح اگلے زمانے کے لوگوں کو فنا کیا!

اگر بادشاہ ہمیشہ زندہ رہے ہوتے تو ہم بھی زندہ رہتے

اگر شریف و عزت والے انسان ہمیشہ باقی رہے ہوتے تو ہم بھی باقی رہتے

جو ہماری موت پر خوش ہوتے ہیں ان سے کہدو کہ ہوش میں آؤ

ہماری موت پر خوش ہونیوالے بھی اسی موت کا سامنا کریں گے جس کا ہم نے سامنا کیا ہے

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد خدا کی قسم تم بس اتنی ہی دیر ٹکنے پاؤ گے جتنی دیر گھوڑے پر سوار ہونے میں لگتی ہے۔ یہاں تک کہ خود آسی چکی کی گردش تمھیں گردش دے گی اور چرخی کی طرح چکر میں ڈالے گی۔ میرے پدر بزرگوار میرے نانا سرورِ کائنات سے سن کر مجھ سے اس کا وعدہ فرما چکے ہیں تو تم اور تمہارے شریک سب مل کر اپنا کام ٹھیک کر لو۔ پھر تمہاری بات تم میں سے کسی پر مخفی نہ رہے پھر تمہارا جو جی چاہے میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے دم مارنے کی بھی مہلت نہ دو میں تو صرف خدا ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی اور روئے زمین پر جتنے چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اسی کے ہاتھ میں ہے اس میں تو شک ہی نہیں کہ میرا پروردگار انصاف کی سیدھی راہ پر ہے"۔

بارالٰہا! ان سے بارش کے قطرے روک لے، ویسے ہی قحط سے ان کا سامنا کر جیسی قحط سالی حضرت یوسف کے زمانے میں ہوئی تھی ان پر ثقیف کے نوجوانوں کو مسلط کر دے جو انھیں کڑوا جام پلادے اور اس وقت تک انھیں نہ چھوڑے جب تک ان سے قتل کا بدلہ قتل کی صورت میں وار کا بدلہ وار کر کے نہ لے ہیرا اور میرے تمام انصار، میرے اہلبیت، میرے شیعوں کا ان سے انتقام لے کیونکہ انھوں نے ہمیں دھوکہ دیا، ہمیں جھٹلایا، ہماری مدد سے گریز کیا، تو ہی ہمارا پروردگار ہے اور تجھ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف ہماری بازگشت ہے۔

اس نے اہل کوفہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا

اور اس وقت آپ پیدل ہو کر جہاد فرما رہے تھے

ارے کیا میرے قتل پر باہم ایک دوسرے کو ابھارتے ہو۔ خدا کی قسم مجھے قتل کرنے پر خداوند عالم جس قدر غضبناک ہو گا۔ میرے بعد اور کسی بندے کے قتل پر اتنا غضبناک نہ ہو گا قسم بخدا مجھے امید ہے کہ اللہ مجھے، تمہیں ذلیل کر کے عزت بخشے گا پھر میرا انتقام بھی تم سے اس طرح لے گا جس کا تمہیں وہم و گمان بھی نہ ہو۔ خدا کی قسم اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو خداوند عالم اپنا قہر و دبدبہ اور غضب تم پر مسلط کر دے گا، تمہارا خون بہائے گا، پھر کبھی تم سے راضی نہ ہو گا اور

تمہارے لئے دردناک عذاب دوچند کر دے گا۔

جب آپ نے کثرت سے اپنے اصحاب کو قتل ہوتے دیکھا تو اپنی ریش مقدس مٹھی میں لیکر ارشاد فرمایا

خداوند عالم یہودیوں پر بیحد غضبناک ہوا کیونکہ انھوں نے اس کیلئے لڑکا قرار دیا تھا عیسائیوں پر بیحد غضبناک ہوا کیونکہ انھوں نے خداوند عالم کو تین میں کا تیسرا قرار دیا۔ مجوس پر بیحد غضبناک ہوا کیونکہ انھوں نے خداوند عالم کو چھوڑ کر آفتاب و ماہتاب کی پرستش کی اب اس قوم پر شدید غضبناک ہوگا جنھوں نے اپنے پیغمبر کے نواسے کے قتل پر اتفاق کر لیا۔ خدا کی قسم وہ جو مجھ سے چاہتے ہیں اس میں سے ایک بات بھی میں منظور نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ میں اپنے خون میں رنگا ہوا خداوند عالم سے ملاقات کروں اس کے بعد آپ نے با آواز بلند فرمایا، کیا کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں جو میری فریاد کو پہنچے۔ کیا کوئی دشمنوں کو دفع کرنے والا نہیں جو حرم رسول سے دشمنوں کو دفع کر دے (امام کی اس فریاد پر اہل حرم کی صدائے گریہ و نالہ بلند ہوئی)

صبح عاشورا جب لشکر عمر سعد نے جنگ کا آغاز کیا ہے تو آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر عرض کیا

پالنے والے! تجھ ہی پر ہر رنج و اندوہ میں میرا بھروسہ ہے، ہر سختی میں تو ہی میری امیدوں کا مرکز رہا ہے۔ جب بھی مجھ پر کوئی مصیبت پڑی تو ہی میرا آسرا اور (اس مصیبت سے بچنے کا) سامان رہا ہے، بخدا نے کتنے مصائب آلام تھے جن میں دل کمزور، راہ چارہ و تدبیر مسدود ہوگئی، دوستوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ دشمنوں نے خوشیاں منائیں۔ میں نے ان مصائب و آلام میں گھر کر تیری طرف رجوع کیا۔ تجھ سے اپنا غم بیان کیا، تیرے ماسوا سے بے نیاز ہو کر تجھ ہی سے آرزو مند ہوا اور تو نے مجھ مصائب و آلام میں گھر کر ان کے گھیرے سے مجھے باہر نکال لایا تو ہی ہر نعمت کا مالک اور ہر نیکیوں والا ہے تو ہی قبلۂ حاجات ہے۔

اسوقت کا کلام جب آپ رخصت آخر کو خیمے میں آئے ہیں اور اہل حرم کو صبر کی تاکید کی ہے

تو آپ نے ارشاد فرمایا مصیبتیں جھیلنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور یہ جان لو کہ خدا تمہارا مددگار اور محافظ ہے اور وہ عنقریب تمھیں دشمنوں کے شر سے نجات دے گا اور تمہارا انجام کار بخیر ہوگا اور تمہارے دشمنوں کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرے گا اور اس مصیبت کے بدلے میں تمہیں قسم قسم کی نعمتیں اور عز و شرف بخشے گا لہذا حرف شکایت زبان پر نہ آئے اور نہ کوئی ایسی بات دہن سے نکلے جو تمہاری قدر و منزلت گھٹانے کے باعث ہو۔

ایک اور خطبہ جو آپ کی طرف منسوب ہے جس میں آپ ارشاد فرماتے ہیں

اے دین اسلام کی طرف اپنے کو جھوٹی نسبت دینے والو! اے بدترین خلائق کے پیروؤ! یہ آخری موقع ہے کہ میں تمھیں متنبہ کرتا ہوں اور تم سے احتجاج کرتا ہوں، تم سمجھتے ہو کہ مجھے قتل کرنے کے بعد تم دنیا میں لذتوں سے لطف اندوز ہوگے۔ اپنے محلات میں مقیم ہوگے۔ ناممکن ہے، ناممکن ہے۔ عنقریب تم ایسے آفتوں میں گھر جاؤ گے جس سے تمہارے جوڑ بند کانپنے لگیں گے۔ تمہارے دل تھرا اٹھیں گے یہانتک کہ تمہیں کہیں پناہ نہ ملے گی نہ کہیں ٹھکانہ نصیب ہوگا اور یہاں تک کہ تم امت کے ذلیل ترین لوگوں میں سے ہو جاؤ گے اور کیوں نہیں تم ویسے ہوگے، جب تم نے جی میں قسم کھالی ہے کہ پیغمبر کا خون بہاؤ گے، ان کی اولاد کو قتل کروگے ان کے بچوں کو پیاس سے تڑپاؤ گے اور ان کی عورتوں کو قیدی بناؤ گے۔ میں نے تمہارے سامنے تین باتیں پیش کیں کہ کسی ایک کو پسند کرلو مگر تم نے ایک بھی نہ مانی اور اپنی طاقت و کثرت کے گھمنڈ میں رہ گئے۔ بھلا میں تمہارے بے دین پیشوا (یزید) کی اطاعت کروں؟ خدا کی پناہ! غیرتمند نفس، اونچی ناک ذلیل باتوں کی طرف ہمیں بھٹکنے بھی نہیں دیتیں اور عزت کے ساتھ ہمیں موت کے گھاٹ تک جانے پر آمادہ کرتی ہے (پھر آپ نے اپنے انصار کی لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) مجھے اپنے ان نوجوانوں سے جلد مل جانے اور اپنے معبود سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرنے کا کتنا اشتیاق ہے۔ تم سوچ سمجھ لو پھر سب مل کر مجھ پر داؤں چلاؤ۔ پھر مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔

حضرت سید الشہداء کے مکتوبات و مراسلات

اہل بصرہ نے "صمد" کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمن الرحیم، دیکھو قرآن میں دخل نہ دو، نہ بغیر علم کے اس میں بحث و مباحثہ کرو کیونکہ میں نے اپنے نانا پیغمبر خدا کو یہ کہتے سنا ہے کہ "جو شخص بغیر علم کے قرآن کے متعلق لب کشائی کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے"۔

خداوند عالم نے لفظ صمد کی تفسیر فرمادی ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے "اللہ الصمد" پھر اس لفظ صمد کی تفسیر اپنے بعد کے اس جملے سے فرمائی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد"، نہ تو اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے نہ اس کا کوئی ہمسر ہے "لم یلد" کسی کو پیدا نہیں کرتا یعنی اس سے نہ تو کوئی ٹھوس چیز برآمد ہوتی ہے جیسے لڑکا لڑکی یا دیگر مادی چیزیں جو عموماً مخلوقات سے پیدا ہوتی رہتی ہے اور نہ کوئی لطیف چیز اس سے برآمد ہوئی ہے جیسے نفس اور نہ عارضی حالات اس میں نمودار ہوتے ہیں جیسے سونگھنا سونا، اندیشہ، تصور، رنج، غم، خوشی، ہنسنا، رونا، ڈر، امید، رغبت، تھکن، بھوک کا ہونا، شکم سیر ہونا، خداوند عالم بزرگ و برتر ہے کہ اس سے کوئی چیز خارج ہو اور ٹھوس یا لطیف چیز اس سے متولد ہو "ولم یولد" یعنی کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا، کسی شے سے نکلا نہیں جیسے اور دیگر ٹھوس چیزیں اپنے عناصر سے متولد ہوتی ہیں، چیز چیز سے، چوپایہ چوپایے سے، نبات زمین سے، پانی چشموں سے، پھل درختوں سے اور نہ اس طرح کسی چیز سے برآمد ہوا جس طرح لطیف چیزیں اپنے مرکزوں سے برآمد ہوتی ہیں، جیسے نگاہ آنکھوں سے، سماعت کانوں سے، سونگھنا ناک سے، چکھنا منہ سے، بات زبان سے، معرفت شناخت دل سے یا آگ پتھر سے (خدا لطیف و کثیف کسی چیز سے متولد نہیں ہوا) بلکہ وہ اللہ الصمد ہے جو نہ تو کسی چیز سے ہے نہ کسی چیز میں ہے نہ کسی چیز پر ہے، اشیاء کا ایجاد کرنیوالا اور ان کا خالق ہے۔ اپنی قدرت و اختیار سے چیزوں کو خلق کرتا ہے جن چیزوں کو اس نے فنا ہو جانے کے لئے پیدا کیا ہے وہ اس کی مشیت سے نابود

ہو جاتی ہیں اور جن چیزوں کو رہنے کے لئے پیدا کیا وہ اس کے علم کے سبب باقی رہتی ہیں پس یہی تمہارا خدا بے نیاز ہے جو نہ کسی چیز کو پیدا کرتا ہے نہ کسی چیز سے پیدا ہوا، حاضر وغائب کا جاننے والا بزرگ و برتر ہے کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

(۲) آپ کا مکتوب حسن بصری کے نام

انھوں نے قدر کے متعلق سوال کیا تھا، اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا

دیکھو پیروی کرو اس کی جو میں تمہیں قدر کے متعلق لکھتا ہوں اس علم سے جو ہم اہلبیت تک پہنچا ہے، اس لئے کہ جو شخص اچھی اور بری ہر قسم کی تقدیر پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے اور جو گناہوں کی ذمہ داری اللہ پر قرار دے اس نے خدا پر بہت بڑا بہتان باندھا خداوند عالم کی اطاعت زبردستی نہیں ہوتی اور نہ نافرمانی خدا کے مقابلہ میں غالب آنے کی بناء پر ہوتی ہے اور نہ وہ اپنی حکمت سے اپنے بندوں کو مطلق العنان چھوڑتا ہے بلکہ وہ مالک ہے اس کا بھی جسے اس نے ان کی ملکیت میں دیا ہے اور قادر ہے اس پر بھی جسے اس نے ان کی قدرت میں رکھا ہے لہٰذا اگر وہ اس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہیں تو اللہ اس سے روکنے والا یا دیر کرنے والا نہ ہوگا اور اگر گناہ کرنا چاہیں تو اس وقت اگر وہ چاہے کہ اپنے احسان سے کچھ موانع پیدا کر کے ان کو ان کے ارادہ کئے ہوئے گناہ سے باز رکھے تو ایسا کر دیتا ہے لیکن اگر ایسا نہ کرے تب بھی ان کے گناہ کا باعث اور مجبور کرنیوالا وہ نہ ہوگا اور نہ یہ کہ اس نے زبردستی اس کا مرتکب کیا ہوگا بلکہ قدرت دینے کے ساتھ انھیں پورے طور پر اچھا برا بتانے اور حجت تمام کرنے کے بعد اس نے انھیں اپنے افعال پر طاقت دی ہے اور ان کے لئے راستہ کھلا رکھا ہے اس عمل کو اختیار کریں جس کی طرف اس نے اپنی دعوت دی ہے اور اسے ترک کریں کہ جس سے اس نے انھیں منع کیا ہے انھیں پورے طور پر قادر بنایا ہے ان اعمال کے کرنے پر جن کا انھیں حکم دیا تھا، چاہے یہ انھیں بجا نہ لائیں اور ان چیزوں کے ترک پر جن سے انھیں منع کیا ہے چاہے یہ انھیں ترک کریں یا نہیں اور مسلسل و متصل حمد ہے اس اللہ کے لئے جس نے اپنے بندوں کو طاقت دے رکھی ہے اپنے احکام کی تعمیل پر اور اسی طاقت سے (جب چاہتے ہیں) وہ تعمیل کرتے ہیں اور احکام کی مخالفت پر بھی طاقت دی ہے اور

جس کے لئے راستہ تعمیل احکام کا موجود ہی نہ ہو اسے تو معذور قرار دیا ہے (وہ مکلف ہی نہیں ہے) یہی میرا مسلک ہے اور بخدا اسی کا میں قائل ہوں اور میں اور میرے تمام اصحاب بحمد اللہ اسی پر قائم ہیں۔

(۳) آپ نے ایک کنیز کو آزاد کر کے اس سے عقد کر لیا تھا اس پر معاویہ نے اعتراض کرتے ہوئے آپ کو ایک خط لکھا جسکے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا

تمہارا نوشتہ مجھے ملا جس میں تم نے مجھ پر اعتراض کیا ہے کہ میں نے اپنی آزاد کردہ کنیز سے عقد کر لیا اور قریش میں سے کسی برابر کی لڑکی سے شادی نہ کی تو ظاہر ہے رسول کی قرابت سے بڑھ کر (جو کہ مجھے حاصل ہے) نہ تو کوئی شرف ہے نہ اس کے برابر نسب کی کوئی منزل ہے وہ پہلے میری کنیز تھی جسے میں نے ثواب خدا حاصل کرنے کے لئے آزاد کر کے اپنی ملکیت سے نکال دیا۔ پھر میں نے پیغمبر کی سنت پر عمل کرتے ہوئے (عقد کر کے) اسے اپنے پاس پلٹا لیا۔ خداوند عالم نے اسلام کے ذریعہ ہر پستی کو بلندی بخش دی ہے اور اسی اسلام کے ذریعہ ہم (مسلمانوں) سے ہر کمی کو دور کر دیا ہے لہذا مرد مسلمان اسی وقت مستحق ملامت ہے جبکہ اس سے کسی گناہ کا ارتکاب ہو۔ ذلیل دگھٹیا اور بڑی کمینگی تو یہ ہے کہ مسلمان ہو کر جاہلیت کی ذہنیت پر برقرار رہے۔

(۴) آپکا مکتوب بنام معاویہ کے خط کے جواب میں عام ملکی معاملات کے متعلق

مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ میرے متعلق تمہیں کچھ خبریں پہنچی ہیں جنہیں تم میرے لئے ناپسند کرتے ہو اور اگر یہ باتیں مجھ سے ظہور میں نہ آئیں تو تمہارے نزدیک زیادہ بہتر تھا حالانکہ حقیقت امر یہ ہے کہ نیکیوں کی ہدایت کرنیوالا اور ان کی توفیق شامل حال کرنے والا صرف خداوند عالم ہے اور تم نے جو یہ لکھا ہے کہ تم تک میرے متعلق یہ باتیں پہنچی ہیں تو معلوم ہو کہ یہ باتیں تم تک چغل خور، پھوٹ ڈالنے والے، جھوٹے، گمراہ لوگوں ہی نے پہنچائی ہیں، میرا تم سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور نہ تم سے مخالفت کرنے کا ابھی تک قصد کیا ہے اگرچہ ایسا نہ کرنے کی وجہ سے میں خدا سے ڈرتا ہوں (کہ وہ مجھ سے جواب نہ طلب کرے) کہ میں نے تمہارے مقابلے

میں اور تمہارے ان ستم گار اور لامذہب ساتھیوں کے مقابلے جو ظالموں کا جتھا اور شیطان کے پیرو ہیں پوری پوری امکانی کوشش کیوں نہ کر لی۔ کیا تم حجر بن عدی کے جو قبیلہ کندہ سے تھے اور ان کے عبادت گزار نمازی اصحاب کے قاتل نہیں ہو جو ظالم سے انکاری اور بدعتوں کے مخالف تھے، امر بالمعروف کرتے تھے اور بری باتوں سے روکتے تھے اور خدا کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرتے تھے پھر انھیں تم نے سخت قسم کے عہد و پیمان کرنے اور ٹھوس وعدہ کرنے کے باوجود خدا پر جرأت کر کے اور اس کے عہد کو خفیف سمجھ کر محض از راہ ظلم و جور شہید کر ڈالا کیا تم عمیر و بن حق کے قاتل نہیں ہو جو رسول کے صحابی اور نیکو کار اللہ کے بندے تھے جنھیں عبادت نے اتنا لاغر کر دیا تھا کہ ان کا جسم کاہیدہ اور ان کا رنگ زرد ہو گیا تھا، تم نے انھیں امان دینے کے بعد ایسے سخت و شدید وعدے کرنے کے بعد کہ اگر ایسے وعدے بز کوہی سے کئے جائیں تو وہ بھی پہاڑ چھوڑ کر نیچے اتر آئے، قتل کیا تم نے زیاد بن سمیہ کو جو ثقیف کے غلام کے گھر پیدا ہوا تھا بھائی نہیں بنایا اور یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ تمہارے باپ کا بیٹا ہے حالانکہ پیغمبر فرما چکے تھے کہ لڑکا شوہر کے لئے ہے اور زنا کاری کے لئے سنگساری ہے۔ تم نے عمداً شریعت پیغمبر سے گریز کیا اور اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس میں خدا کی طرف سے بالکل ہدایت پر نہیں تھے۔ پھر اسی پر تم نے بس نہ کی بلکہ) اس زیاد کو تم نے مسلمانوں پر مسلط کر دیا کہ وہ انھیں قتل کرے، ان کے ہاتھ پیر کاٹے، ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائے اور درخت خرما پر پھانسی چڑھا دے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم اس امت سے ہو ہی نہیں اور نہ یہ امت اسلام تم سے سروکار رکھتی ہے کیا تم نے حضرمی جماعت کو قتل نہیں کیا جس کے متعلق زیاد نے تمہیں لکھا تھا کہ وہ علی کے دین پر ہیں، تو تم نے زیاد کو لکھا کہ جو بھی علی کے دین پر ہو اسے قتل کر ڈالو۔ تمہارے حکم کی بناء پر اس نے سب کو قتل کر ڈالا اور تمہارے حکم کی وجہ سے اس نے ان کا مثلہ کیا (ہاتھ پیر کاٹے) حالانکہ علی کا دین بعینہ محمد مصطفٰے کا دین ہے وہ محمد مصطفٰے جن کی وجہ سے آج تم اس جگہ پر بیٹھے ہو اگر وہ نہ ہوتے تو تمہاری اور تمہارے آباؤ اجداد کی عزت بس پھیریاں لگاتی ہوتی جاڑے کی پھیری اور گرمی کی پھیری اور تم نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ذرا اپنے اور اپنی مذہبی ذمہ داریوں کے متعلق خوب غور کریں اور میں نے خوب غور کیا تو اپنے لئے اور اپنے مذہبی مفاد اور امت حضرت محمد مصطفٰے کے لئے اس سے بہتر کچھ نظر نہیں

آتا کہ جہاں تک ہو سکے میں تمہارا مقابلہ کروں اب اگر میں نے ایسا کیا تو میرے لیے رضائے الٰہی کا ذریعہ ہوگا اور اگر اسے ترک کیا تو پھر خدا سے مجھے اپنے مذہبی فرض کی بنا پر طالب مغفرت ہونا پڑے گا اور اسی سے میری درخواست ہے کہ وہ مجھے صحیح طریقہ کار کے اختیار کرنے کی توفیق عطا کرے اور تم نے اپنے سلسلۂ کلام میں مجھے دھمکایا ہے کہ اگر میں تم سے مخالفت کروں گا تو تم بھی تدبیر کرو گے مخالف ہو جاؤ گے اور میں تمہارے مقابلے میں تدبیر کروں گا تو تم بھی تدبیر کرو گے۔ اچھا تو تم جو چاہو میرے خلاف تدبیر کرلو مجھے امید ہے کہ تمہاری تدبیروں سے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور سب سے زیادہ نقصان خود تم ہی کو ہوگا اس لئے کہ تم جہالت کی سواری پر سوار ہو اپنے عہد کے توڑنے کی فکر میں ہو اور مجھے اپنی زندگی کی قسم ہے کہ تم نے ایک شرط بھی پوری نہیں کی ہے اور تم اپنا عہد توڑ چکے ہو ان لوگوں کو قتل کر کے جو تمہارے ساتھ مصالحت کر چکے تھے اور جن کے لئے امان دیئے جانے کی قسمیں اور عہد و پیمان ہو چکے تھے تم نے انہیں قتل کر ڈالا بغیر اس کے کہ وہ جنگ کرتے اور کسی کو قتل کرتے اور تم نے یہ سلوک ان سے صرف اس جرم میں کیا کہ وہ ہمارے فضائل بیان کرتے تھے۔ اور ہمارے حقوق کا احترام کرتے تھے تو تم نے انھیں قتل کر ڈالا صرف ایسے خطرات کی توہمات کی بنا پر جو اگر تم انھیں قتل نہ کرتے تو شاید تمہاری زندگی میں وہ خطرات در پیش نہ آتے یا ممکن ہے کہ اس قسم کے اقدامات سے پہلے وہ ہی مر جاتے اب تمہیں مبارک ہو کہ ان کا قصاص تم سے ضرور لیا جائے گا اور تمہیں آخرت میں باز پرس کا یقین رکھنا چاہیئے اور معلوم ہونا چاہیئے کہ خداوند عالم کی طرف سے ہر شخص کا ایک اعمال نامہ مرتب ہوتا رہتا ہے جس میں کوئی چھوٹا بڑا کام ایسا نہیں ہوتا جو درج نہ ہو اور خدا فراموش نہیں کرے گا تمہارے ان افعال کو کہ تم نے لوگوں کو صرف بدگمانیوں کی بنا پر گرفتار کیا اور دوستان خدا کو بے بنیاد الزامات پر قتل کیا اور انھیں ان کے گھروں سے جلاوطن کر کے پردیس میں پہنچایا اور لوگوں کو اپنے اس گمراہ لڑکے کی بیعت پر مجبور کیا جو شراب خور اور کتوں سے کھیلنے والا ہے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم نے اپنے کو بڑے خسارے میں مبتلا کر رکھا ہے اور اپنے دین کو تباہ و برباد کر دیا ہے اور اپنے رعایا سے کھسوٹ کی ہے اور اپنے امانتداروں کو رسوا کر دیا تھا اور جاہل احمقوں کی باتوں پر عمل کیا ہے اور متقی و پرہیز گار افراد کو خوف و دہشت میں مبتلا کیا ہے۔

(۵) اہل کوفہ میں سے ایک شخص نے آپ کو لکھا کہ مولا مجھے دنیا و آخرت کی بھلائی بتائیے اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جو شخص لوگوں کو ناخوش کر کے خدا کی خوشنودی چاہے تو خداوند عالم اس کو لوگوں کی امداد سے بے نیاز کر دے گا اور جو خدا کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش رکھنا چاہے خدا اسے لوگوں ہی کے حوالے کر دیگا (اور اپنی توفیق و تائید سلب کرے گا)

(۶) ایک شخص نے آپ کو لکھا کہ ہمیں دو حرفوں سے نصیحت فرمائیے اور انھیں دونوں حرفوں میں دنیا و آخرت کی بھلائی آجائے

آپ نے تحریر فرمایا، جو شخص خدا کی نافرمانی کر کے کوئی کام کرنا چاہے تو جس چیز کے ملنے کی امید رکھتا ہے وہ نہ ملے گی اور جس چیز سے ڈرتا ہے (اور چاہتا ہے کہ اس کا سامنا نہ کرنا پڑے) وہ بہت جلد پیش آئے گی۔

(۷) آپ کا ایک خط امام حسن کے نام جس میں آپ نے شعراء کو عطیہ و بخشش دینے کے متعلق تحریر فرمایا ہے

آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ مال وہی اچھا ہے جس سے آبرو کی حفاظت ہو۔

(۸) جب آپ عراق تشریف لے جا رہے تھے تو عمرو بن سعد نے ایک خط آپ کو لکھا، آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا

جو شخص خدا کی طرف دعوت دے اور عمل صالح کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں تو وہ خدا اور رسول کا مخالف ہرگز سمجھا نہیں جا سکتا۔ تم نے مجھے امان، سلوک، صلہ رحم کی طرف دعوت دی تو امان خدا ہی کی بہتر ہے، خدا قیامت کے دن ہرگز اس شخص کو امان نہ دے گا جو دنیا میں خدا سے ڈرتا نہ رہا۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہم دنیا میں اس سے ڈرتے رہیں تاکہ

وہ بروز قیامت امان کا ہمیں مستحق سمجھے۔ رہ گیا یہ کہ اگر تم نے یہ خط بھیج کر صلہ رحم اور میرے ساتھ نیکی کرنی چاہی ہے تو خدا تم کو دنیا و آخرت میں اس کی نیک جزا دے۔

(۹) آپ کا ایک نوشتہ جو آپ نے عراق کی روانگی کے

وقت اپنے بھائی محمد حنفیہ کو بطور وصیت نامہ تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وصیت ہے حسین بن علی کی اپنے بھائی محمد سے جو ابن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں، حسین گواہی دیتا ہے کہ کوئی معبود نہیں سوا اس معبود حقیقی کے اور وہ واحد و یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس کے پاس سے حق کی باتیں لیکر آئے ہیں اور جنت و جہنم حق ہے قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور خدا قبر کے مردوں کو زندہ کرے گا اور میں بڑا بننے، اکڑنے، فساد پھیلانے اور ظلم کرنے کے لئے نہیں نکل رہا ہوں بلکہ اپنے نانا کی امت اور اپنے والد بزرگوار کے شیعوں کی اصلاح کے ارادے سے نکلا ہوں جو مجھے حق سمجھ کر قبول کرے گا تو خداوند عالم حق کا زیادہ سزاوار ہے (یعنی وہی اس کی حقیقی جزا دے گا) اور جو مجھے رد کر دے گا تو میں صبر کو راہ دوں گا یہاں تک کہ خداوند عالم میرے اور اس جماعت کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہ میری وصیت ہے تم سے اے میرے بھائی! مجھے توفیق شامل حال ہونا خدا ہی کے ذریعہ ہے اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں"۔ پھر آپ نے نوشتہ تہہ کر کے اس پر اپنی انگوٹھی سے مہر کی اور اپنے بھائی کو دے دیا۔

(۱۰) آپ کا ایک مکتوب اہل مدینہ کے نام

انھوں نے چند اشعار آپ کی خدمت میں بھیجے جو حقیقت میں یزید کے تھے لیکن ان لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ یہ اشعار یزید کے ہیں جب امام مظلوم نے ان اشعار پر نظر کی آپ

سمجھ گئے کہ یہ اشعار اسی کی کے ہیں پھر آپ نے ان کے جواب میں تحریر فرمایا۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پس اگر وہ تمہاری تکذیب کریں تو کہہ دو کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے جو کچھ میں کرتا ہوں اس سے تم بری ہو اور جو تم کرتے ہو اس سے میں بری ہوں۔

(۱۱) آپ کا مکتوب شرفائے بصرہ کے نام

جس میں آپ نے انھیں اپنی مدد کیلئے بلایا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین ابن علی کی طرف سے مالک بن مسمع، احنف بن قیس، منذر بن جارود، مسعود بن عمرو اور قیس بن ہثیم کی طرف، تم پر میرا سلام ہو۔ میں تمہیں حق کے آثار زندہ کرنے اور بدعتوں کو مردہ کرنے کی طرف دعوت دیتا ہوں اگر تم نے میری دعوت قبول کی تو فلاح دنیکی کے راستوں کی طرف ہدایت پاؤ گے۔

(۱۲) آپ کا نوشتہ بنی ہاشم کے نام

حسین بن علی کی طرف سے بنی ہاشم کے نام۔ جو مجھ سے آملے گا وہ درجۂ شہادت پر فائز ہوگا اور جو گریز کرے گا وہ کامرانی کو نہ پہنچے گا۔

(۱۳) آپ کا مکتوب محمد بن حنفیہ کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین ابن علی کی طرف سے محمد بن علی اور دیگر بنی ہاشم کی طرف۔ دنیا کو سمجھو کبھی تھی ہی نہیں اور آخرت کو سمجھو کہ ہمیشہ سے ہے۔

(۱۴) آپ کا مکتوب اہل بصرہ کے نام جسمیں آپ نے انھیں مدد کیلئے بلایا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین ابن علی ابن طالب کی طرف سے خداوند عالم نے محمد

مصطفےٰ کو اپنی تمام مخلوقات سے برگزیدہ کیا اور نبی بنا کر انھیں معزز بنایا اور انھیں رسالت بخشی، پھر عزت و احترام کے ساتھ انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ محمد مصطفےٰ نے بندوں کی خیرخواہی کی خدا کے پیام ان تک پہنچائے اور ان کے بعد ان کے اہلبیت اور ان کے پیارے ان کی جانشینی کے زیادہ حق دار ہیں۔ ایک قوم ہم پر زبردستی حکمراں بن بیٹھی۔ ہم نے ان سے جھگڑا نہیں کیا اور بظاہر راضی رہے مسلمانوں میں شورش انگیزی کو ناپسند کرنے اور امن قائم رکھنے کے خیال سے اب میں یہ خط تمھیں بھیج رہا ہوں۔ اور تمہیں کتاب خدا اور سنت پیغمبر کی طرف بلاتا ہوں اگر تم نے میری بات سنی اور میرا حکم مانا تو میں بھلائی کی راہ کی طرف تمہاری رہبری کروں گا۔

(۱۵) آپ کے چچازاد بھائی عبداللہ بن جعفر طیار نے آپ کو

ایک خط لکھا تھا اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا

تمہارا خط مجھے ملا اور میں نے اسے پڑھا اور تمہارا مطلب سمجھا سنو! میں نے اپنے نانا پیغمبر خداؐ کو خواب میں دیکھا ہے انھوں نے مجھے ایسے کام کا حکم دیا ہے جسے میں بہرحال پورا کروں گا چاہے نتیجہ میرے موافق ہو یا مخالف۔ اے بھائی! خدا کی قسم اگر میں زمین کے کیڑے مکوڑوں میں سے کسی کیڑے کے سوراخ میں بھی جا چھپوں تو یہ وہاں سے مجھے نکال لیں گے بخدا میرے ساتھ اس طرح زیادتی کریں گے جیسے یہودیوں نے ہفتے کے دن میں زیادتی کی تھی۔

(۱۶) جناب مسلم بن عقیل نے آپ کو ایک خط لکھا تھا

ان کے خط کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حسین ابن علی کی طرف سے ان کے چچا کے بیٹے مسلم بن عقیل کی

کی طرف۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں دل کی کمزوری نے ہی تمہیں یہ خط لکھنے پر آمادہ نہ کیا ہو جس میں تم نے معافی چاہی ہے اس طرف جانے سے جدھر میں نے تم کو روانہ کیا ہے اے میرے بھائی! میں نے جدھر تمھیں روانہ کیا ہے بلا تامل ادھر متوجہ رہو میں نے اپنے نانا محمد مصطفےٰ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ ہم اہلبیت میں سے وہ نہیں جو برا شگون لے یا جس کے ذریعہ شگون لیا جائے لہٰذا جب میری یہ خط تمہاری نظر سے گزرے تو جدھر کا میں نے حکم دیا ہے ادھر روانہ ہو جاؤ۔ تم پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو۔

(۱۷) عراق جاتے ہوئے آپ نے اہل کوفہ کو یہ خط لکھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حسین ابن علی کی طرف سے برادران مومنین و مسلمین کی طرف تم پر میرا سلام۔ میں حمد و ستائش کرتا ہوں اس معبود برحق کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے مجھے مسلم ابن عقیل کا خط ملا ہے جس میں انھوں نے تمہاری رائے کی عمدگی اور ہماری مدد اور ہمارے حق کی طلب پر تمہاری جماعتوں کے متفق ہونے کی خبر دی ہے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس بات پر تمہیں گراں قدر اجر بخشے میں مکہ سے منگل کے دن ۸ ذی الحجہ بروز ترویہ تمہاری طرف روانہ ہو رہا ہوں لہٰذا جب میرا قاصد تمہارے پاس پہنچے تو اپنے کام میں تیزی سے مصروف ہو جاؤ اور سرگرمی سے کوشش کرو میں انہیں دنوں تمہارے پاس پہنچا چاہتا ہوں تم پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو۔

(۱۸) آپ کا نوشتہ اہل کوفہ کے نام ان کے خط کے جواب میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حسین ابن علی کی طرف سے مومنین و مسلمین کے گروہ کی طرف، ہانی و سعید میرے پاس تمہارے خطوط لیکر پہنچے یہ دونوں تمہارے آخری قاصد ہیں جو میرے پاس آئے تم نے جو باتیں بیان کی ہیں اور جن امور کا ذکر کیا ہے، انھیں میں سمجھا، تمہارے معزز لوگوں کا یہ قول ہے کہ ہمارا کوئی امام نہیں جلد تشریف لائیے کہ خدا آپ کی بدولت ہمیں ہدایت نصیب کرے، اب میں تمہاری طرف اپنے بھائی، چچا کے بیٹے اور اپنے اہل بیت میں

بھروسے کے لائق شخص مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں، اگر انھوں نے وہاں پہنچکر لکھا کہ تمہارے معزز افراد اور صاحبان عقل وخرد کی رائے بھی وہی ہے جو تمہارے قاصدوں نے آکر بیان کی ہے اور جسے میں نے تمہارے خطوں میں پڑھا ہے تو میں جلدی ہی تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ میری زندگی کی قسم امام بس وہی ہے جو از روئے کتاب الٰہی فیصلہ کرنے والا انصاف قائم کرنے والا، خدا کے دین کا پابند اور اپنے نفس کا محاسبہ کرنے والا ہو۔ والسلام

(۱۹) حبیب ابن مظاہر کے نام کوفہ جاتے وقت آپ نے یہ خط لکھا

جب آپ کے چچازاد بھائی مسلم ابن عقیل اور اہل کوفہ کی بے وفائی کی خبر ملی تو آپ نے بارہ نشان تیار کئے اور چند افراد کو منتخب فرماکر حکم دیا کہ ہر شخص ایک ایک نشان اٹھائے، ایک نشان باقی بچ گیا بعض اصحاب نے عرض کی کہ اسے اٹھانے کا ہمیں شرف عنایت فرمایئے آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور فرمایا کہ اس کا اٹھانے والا آیا ہی چاہتا ہے اس کے بعد آپ نے یہ نوشتہ لکھا۔

"حسین ابن علی ابن ابی طالب کی طرف سے مرد فقیہہ حبیب بن مظاہر کے نام اے حبیب تم بخوبی جانتے ہو کہ ہمیں رسول سے کیا قرابت ہے اور دوسروں کی بہ نسبت ہماری معرفت بھی تمھیں زیادہ ہے نیز تم غیرت ومروت والے شخص ہو لہٰذا اپنی جان ہم سے عزیز مت رکھنا۔ اس کی جزا تمہیں ہمارے نانا پیغمبر خدا قیامت کے دن دیں گے۔

حضرت امام حسین کے مختصر فقرے

جن میں حکمت کی باتیں بھی ہیں، مواعظ بھی اور اچھے آداب بھی

(۱) فرمایا حضرت نے "جس نے خداوند عالم کی ٹھیک ٹھیک عبادت کی، خداوند عالم اسے اس کی تمناؤں سے زیادہ اور ضرورت سے فاضل عنایت فرمائے گا۔

(۲) فرمایا حضرت نے "جس نے اپنے افضل واشرف دونوں روحانی باپ محمد مصطفےٰ

(علی مرتضیٰ) کے حقوق پہچانے اور ان کی پوری پوری اطاعت کی، اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں جہاں دل چاہے رہ۔"

(۳) فرمایا حضرت نے "ایک جماعت نے خدا کی عبادت کی ثواب کی امید میں، یہ تاجروں کی سی عبادت ہے اور ایک جماعت نے عذاب کے خوف سے عبادت کی، یہ غلاموں کی سی عبادت ہے اور ایک جماعت نے ازراہ شکر گزاری عبادت کی" یہ البتہ آزاد اور شریف آدمیوں کی عبادت ہے اور یہ تمام عبادتوں میں سب سے افضل ہے۔

(۴) آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کس حال میں صبح کی، تو آپ نے فرمایا، میں نے اس طرح صبح کی کہ میرا پروردگار میرے فوق ہے اور آتش جہنم سامنے ہے اور موت میری طلبگار ہے اور حساب مجھ پر نگاہ جمائے ہے اور میں اپنے اعمال کا اسیر ہوں، جو چاہتا ہوں وہ پاتا نہیں اور جس سے بیزار ہوں اس کو اپنے سے دور نہیں کر سکتا اور کل امور کسی اور کے ہاتھ میں ہیں وہ چاہے تو مجھ پر عذاب کرے اور اگر چاہے تو معاف کر دے لہٰذا اب کون نادار مجھ سے بڑھ کر نادار ہو سکتا ہے۔

(۵) آپ نے فرمایا کہ اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو فرزند آدم کسی چیز کے آگے سر نہ جھکاتا۔ ناداری، بیماری اور موت۔

(۶) آپ نے فرمایا کہ اگر تین چیزیں نہ ہوتیں وہ چار باتوں میں سے کسی ایک بات سے محروم نہ رہے گا یا تو کسی محکم آیت کے معانی و مطالب کی تفسیر سے واقفیت حاصل کرے گا یا کسی عادلانہ فیصلہ سے مطلع ہوگا یا اپنا کوئی بھائی پائے گا یا علماء کی ہم نشینی حاصل ہوگی۔

(۷) آپ کی خدمت میں کسی نے کسی کی غیبت کی، آپ نے ٹوکا کہ غیبت سے باز رہو کیونکہ غیبت جہنم کے کتوں کی غذا ہے۔

(۸) فرمایا آپ نے "خدا کا اپنے بندے کو ڈھیل دینا یہ ہے کہ نعمتوں سے نہال کر دے اور شکر کرنے کی توفیق چھین لے۔

(۹) فرمایا آپ نے "بخیل وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل کرے"۔

(۱۰) ایک شخص نے کہا کہ جب نیکی نااہل کے ساتھ کی جائے گی تو ضائع جائے گی، آپ نے

فرمایا "ایسا نہیں۔ احسان بارش کی بڑی بوندوں کی طرح ہونا چاہیئے جو ہر نیکو کار و بدکار کو پہنچتا ہے۔

(۱۱) ایک شخص نے بغیر سلام و دعا کے گفتگو کی ابتدا ہی یوں کی "کیسے ہیں آپ؟ خدا آپ کو تندرستی عنایت فرمائے"۔ آپ نے فرمایا سب سے پہلے سلام ہونا چاہیئے، خدا تمہیں بھی تندرستی عنایت فرمائے"۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جب تک کوئی سلام نہ کرے گفتگو کی اجازت نہ دو۔

(۱۲) ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سوال کرنا، تین ہی وقتوں میں مناسب ہے جب کہ شدید قرض ہو یا جان لیوا ناداری ہو یا ناقابل برداشت بوجھ پیٹھ پر لدا ہو۔ اس شخص نے کہا، میں ان تین باتوں ہی میں سے کسی ایک وجہ سے حاضر ہوا ہوں، آپ نے سو دینار دیئے جانے کا حکم دیا"۔

(۱۳) آپ سے واما بنعمة ربک فحدث (اپنے پروردگار کی نعمت کا اظہار کرو) کے معنی پوچھے گئے۔

تو آپ نے فرمایا "خدا نے حکم دیا ہے کہ دین کی جو نعمت خدا نے بخشی ہے اس کا اظہار کرو۔

(۱۴) آپ نے اپنے فرزند علی سے فرمایا، "خبردار ایسے پر کبھی ظلم نہ کرنا جو تمہارے مقابلے میں خدا کے سوا کوئی دوسرا مددگار نہ رکھتا ہو"۔

انصار میں سے ایک شخص کسی حاجت براری کے لئے سوال کرنے آیا۔

(۱۵) تو آپ نے فرمایا "اے انصاری بھائی سوال کی ذلت سے اپنے کو بچاؤ جو تمہاری حاجت ہو اسے رقعے میں لکھ کر دے دو، خدا نے چاہا تو تمہاری خوشی ہی کی بات ہوگی"۔ اس نے رقعہ لکھا "اے ابو عبداللہ فلاں شخص کے ۵۰۰ دینار مجھ پر قرض ہیں اور اب وہ مجھ سے شدید تقاضے کر رہا ہے آپ اسے کہہ سن کر اس وقت تک کی مہلت دلا دیجئے جب تک اتنی رقم میں مہیا کر لوں"۔ جب آپ نے یہ رقعہ پڑھا، گھر میں تشریف لے گئے اور ایک تھیلی لائے جس میں ہزار دینار تھے اسے دیکر فرمایا ۵۰۰ دینار سے تو تم اپنا قرضہ ادا کر دو اور ۵۰۰ وقت ضرورت کام میں لاؤ اور دیکھو اپنی احتیاج تین شخصوں میں سے کسی ایک سے بیان کرو دیندار سے، مروت والے سے یا حسب والے سے،

دین دار سے تو اس لئے کہ جب تم اس سے سوال کرو گے تو وہ دین کی حفاظت کے خیال سے تمھاری حاجت روائی کرے گا اور مروت والے سے اس لئے کہ وہ تمہاری حاجت پوری نہ کرے گا تو اپنی مروت کی وجہ سے شرمائے گا اور اونچے حسب والے سے اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ تم نے اپنی حاجت بیان کرنے میں اپنی آبرو عزیز نہ کی تو وہ بھی بغیر تمھاری حاجت پوری کئے تمہیں لوٹانے میں اپنی آبرو بچائے گا۔

(۱۶) مقبولیت کی علامتوں میں سے صاحبان عقل کی صحبت نشینی ہے اور جہالت کی علامتوں میں سے کافروں کو چھوڑ کر خود اپنوں سے الجھتے رہنا ہے اور عالم کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی بات کی جانچ پڑتال کرے اور فنون کی حقیقتوں سے آگاہ ہو۔

(۱۷) مومن کی شان یہ ہے کہ اللہ اس کو گناہوں سے بچنے کی توفیق کرامت فرماتا ہے اور اس کی گفتار اس کے باطن کی آئینہ دار ہوتی ہے وہ کبھی مومنین کے اوصاف پر نظر کرتا ہے اور کبھی جبار و سرکش لوگوں کے اوصاف پر غور کرتا ہے (تاکہ پہلی صفتوں سے اپنے کو آراستہ اور دوسری سے دور رکھے) اس طرح وہ ہمیشہ اپنی دل بستگیوں میں لگا رہتا ہے اور اپنے نفس ہی کی شناخت کرتا رہتا ہے اور اپنے خیالات میں یقین کے درجے پر اور اپنے تقدس میں قرار و سکون کی منزل پر رہتا ہے۔

(۱۸) ایسے کام سے بچو جس میں عذر و معذرت کی ضرورت پیش آئے کیونکہ مومن نہ تو برائی کرتا ہے، نہ معذرت کرنے کی اس کو ضرورت لاحق ہوتی ہے اور منافق آئے دن برائی کرتا ہے اور پھر اس کی معذرت کرتا ہے۔

(۱۹) ستر نیکیاں ہوتی ہیں، اُنہتر اس کے لئے جو کسی کار خیر کی ابتدا کرے اور ایک اس کے لئے جو اسے پھر دہرائے۔

(۲۰) خدا خوب جانتا ہے کہ جو عمل ظاہر ہوا ہے وہ اس کے لئے ہے یا اس کے غیر کے لئے ہے اور اگر جانتا ہو کہ کسی نے صرف خوشنودی الٰہی کے لئے اپنے کار خیر کو نظر خلق سے چھپایا ہے تو وہ اسے نمایاں کر کے رہتا ہے اگر یہ بے ایمان نفس انصاف سے کام لے تو اپنی زندگی میں کمی کرے اور اس کی شرارتوں کی کمی اسے خیر سے نزدیک کرے۔

(۲۱) صاحب حاجت نے تم سے سوال کر کے اپنی آبرو کا خیال نہ کیا تو تم بھی اپنی آبرو کا خیال کرتے ہوئے اسے محروم پلٹانے سے پرہیز کرو۔

(۲۲) جس نے ہمیں خوشنودی خدا کے لئے محبوب رکھا تو ہم اور وہ نبی کے پاس یوں اکٹھا پہنچیں گے جیسے یہ دو انگلیاں (آپ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر بتایا) اور جو ہمیں دنیا کے لئے محبوب رکھے گا تو دنیا تو نیک اور بد سب ہی کو مل جاتی ہے۔

(۲۳) جو شخص رائے قائم نہ کرنے پائے اور راہ چارہ و تدبیر مسدود ہو جائے تو بیانہ روی اس کی کلید ہو گی۔

(۲۴) جو ہمارے کسی یتیم کی جسے ہماری غیبت کی مجبوری نے ہم سے جدا کر دیا ہے اسطرح کفالت کرے کہ اسے ہمارے ان علوم سے جو اس تک پہنچے ہیں، بہرہ مند بنائے یہاں تک کہ اس کی رہبری و ہدایت کرے تو خدائے تعالیٰ اس سے فرماتا ہے! اے ہمدردی کرنیوالے نیک مرد تجھ سے زیادہ فیاضی کرنے کا حق دار میں ہوں۔ اے میرے فرشتو! اس کے لئے بہشت میں ہر ایک حرف کی تعداد کے مطابق جس کی اس نے تعلیم دی ہے ہزار ہزار محل بنا دو اور ہر ایک قصر میں جو دوسری مناسب نعمتیں ہیں وہ سب بھی فراہم کر دو۔

(۲۵) اگر تقیہ کا فریضہ نہ ہوتا تو ہمارے دوست اور دشمن میں امتیاز نہ ہوتا اور اگر بھائی بندوں کے حقوق کی شناخت نہ ہوتی تو کوئی خطا کسی سے ایسی سرزد نہ ہوتی جس کی اسے سزا نہ ملے مگر خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ جو تمہیں مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں میں ہے اور بہت سی باتوں کو خدا بھی معاف کر دیتا ہے۔

ایک شخص نے آپ سے کہا کہ فرزند رسول میں آپ کے مخصوص شیعوں میں سے ہوں۔

(۲۶) تو آپ نے فرمایا تب تو تم مثل خلیل خدا ابراہیم ہو جن کے متعلق خداوند عالم نے فرمایا ہے "یقیناً ان ہی شیعوں میں سے ابراہیم بھی تھے جب وہ پروردگار کی طرف ایسا دل لئے ہوئے بڑھے جو ہر عیب سے پاک تھا" تو اگر تمہارا دل بھی انہی کے دل کا ایسا ہو تو تم بھی ہمارے شیعوں میں سے ہے، اور اگر تمہارا دل ان کے دل کا ایسا نہیں مگر مکر و فریب اور کھوٹ سے پاک ہے تو تم ہمارے دوستداروں میں سے ہو اور اگر ایسا بھی نہیں ہے اور تم نے

یہ جان کر کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں، یہ فقرہ کہا تو تم پر خدا کرے گا جس میں مرتے دم تک تم مبتلا رہو گے یا کوڑھ ہو جائے گا، تا کہ تمہارے جھوٹ کا کفارہ ہو سکے۔

ایک اور شخص نے کہا۔ فرزند رسول میں آپ کے شیعوں میں سے ہوں۔

(۲۷) آپ نے فرمایا۔ خدا سے ڈرو اور کسی بات کا دعویٰ نہ کرو، خدا کا یہی حکم تمہارے لئے ہے تم اپنے دعوے میں جھوٹ بولے اور گنہگار ہوئے، ہمارے شیعوں میں سے وہ ہیں جن کے دل کھوٹ، آمیزش، فساد کی باتوں سے پاک و صاف ہوں، ہاں یہ کہو کہ میں آپ کے دوستداروں اور ماننے والوں میں سے ہوں۔

ایک شخص نے کہا، فرزند رسول مجھے نصیحت فرمایئے۔

(۲۸) آپ نے فرمایا۔ پانچ باتیں کرو، اس کے بعد جو چاہے گناہ کرو۔ پہلی بات تو یہ کہ خدا کا رزق نہ کھاؤ اس کے بعد جو چاہو گناہ کرو۔ دوسرے یہ کہ خدا کی سلطنت سے نکل جاؤ اس کے بعد جو چاہے گناہ کرو، تیسرے یہ کہ ایسی جگہ تلاش کرو جہاں خدا تمہیں نہ دیکھے پھر جو چاہو گناہ کرو۔ چوتھے یہ کہ ملک الموت جب تمہاری روح قبض کرنے کے لئے آئیں تو انہیں اپنے نفس سے دور کردو اور روح قبض نہ کرنے دو پھر جو گناہ چاہو کرو، پانچویں یہ کہ جب مالک خازن جہنم تمہیں جہنم میں لے جائے تو جانے سے انکار کردو اور پھر جو چاہو گناہ کرو۔

(۲۹) آپ نے فرمایا کہ بھائی چار طرح کے ہیں منجملہ ان کے ایک تو وہ جو تمہارے لئے بھی مفید دوسرے وہ جو سراسر تمہارے لئے مضر نہ تمہارے لئے مفید نہ اپنے لئے مفید۔ آپ سے اس کی تشریح چاہی گئی فرمایا وہ بھائی جو تمہارے اور اپنے دونوں کے لئے مفید ہے وہ بھائی ہے جس کا مقصد یہ ہو کہ اخوت ہمیشہ قائم رہے اور اس کا درپے نہ ہو کہ (اس کی خود غرضیوں کو دیکھ کر) برادری بالکل ختم ہی ہو جائے۔ یہ وہ ہے جو تمہارے اور اپنے دونوں کے لئے مفید ہو گا اس لئے کہ جب برادری ایسی مکمل ہو گی تو دونوں کی زندگی خوشگوار ہو گی اور جب برادری کا یہ عالم ہو گیا کہ اختلاف طبیعت نے ضدم ضدا کی شکل اختیار کر لی تو دونوں طرف کے رشتے قطع ہو جائیں گے اور وہ بھائی جو تمہارے ہی لئے مفید ہے وہ ہی جس نے ہر طرح کی لالچ کو خیر باد کہہ کر بس تمہاری رضا کے حصول کے لئے اپنے کو وقف کر دیا ہے اور اس نے تمہاری برادری کے لئے دنیا کی لالچ دل سے نکال ہی دی ہے یہ وہ ہے جو

بالکل تمہارا ہو گیا ہے اور وہ بھائی جو تمہارے لئے ضرر رساں ہے وہ ہے جو طرح طرح سے تمہیں نقصان پہنچانے کا درپے رہتا ہو، تمہارے رازوں کو افشا کرتا اور مجمعوں میں تم پر تہمت لگاتا اور تمہارے چہرے پر حسد کے ساتھ نظر کرتا ہو، یہ وہ ہے جس پر واحد حقیقی کی لعنت ہے اور وہ بھائی جو نہ تمہارے لئے مفید ہے اور نہ اپنے لئے وہ ہے جس کی باتیں حماقت سے بھری ہوتی ہیں تو خدا اسے غارت کرے۔ وہ اپنے کو تم پر ترجیح دیتا ہے اور پھر تم سے نفع اٹھانے کا طلبگار بھی رہتا ہے

(۳۰) حضرت نے ایک شخص سے فرمایا کہ تمہیں کیا زیادہ محبوب ہے۔ ایک شخص کسی بیگناہ کے قتل کا ارادہ کئے ہو اور تم اسے اس ظالم کے ہاتھ سے چھڑا لو یا ایک دشمن اہلبیت ہمارے سادہ لوح شیعہ عوام میں سے کسی کو گمراہ کرنا چاہتا ہو اور تم اسے ایسے دلائل بتا دو کہ وہ اس مخالف کو شکست دیدے (وہ خاموش رہا۔ خود حضرت نے فرمایا) اس بیچارے شیعہ کا چھڑانا اس مخالف مذہب کے ہاتھ سے بہتر ہے اس لئے کہ ارشاد الٰہی ہے جو ایک نفس کو زندہ کرے اس نے گویا تمام نوع انسانی کو زندہ کیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ فولادی تلواروں سے قتل ہو گئے تھے (بلکہ گمراہ ہو رہے تھے، ان کی ہدایت کی)

(۳۱) بادشاہوں کی بدترین خصلت دشمن کے مقابلے میں بزدلی، کمزوروں پر سختی اور داد و دہش سے بخل ہے۔

(۳۲) جس کام کو تم سنبھال نہیں سکتے اس کے لئے تم مشقت نہ اٹھاؤ اور جسے تم پا نہیں سکتے اس کے پیچھے نہ پڑو اور اپنے قابو کے کام سے آگے بڑھ کر ایسے کام پر اقدام نہ کرو جو قابو میں نہ ہو اور اتنا ہی خرچ کرو جتنے سے تم فائدہ حاصل کر سکو اور جتنا کرو اتنے ہی پر جزا طلب کرو اور خوش ہو، بس اس کام سے جو خدا کی اطاعت میں انجام دیا ہو اور اسی پر ہاتھ ڈالو جس کے لائق اپنے کو سمجھو۔

(۳۳) امانتدار مطمئن، بے قصور دلیر اور خائف و بدکار سراسیمہ ہوتا ہے۔

جب مرد عقلمند پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو ہوشیاری سے کام لے کر رنج و غم پاس پھٹکنے نہیں دیتا اور عقل کو یکسوئی کے ساتھ راہ چارہ و تدبیر تلاش کرنے میں لگا دیتا ہے۔

(۳۴) کسی بادشاہ کے سامنے کسی دوا کی تعریف نہ کرو کیونکہ اگر وہ دوا اسے فائدہ پہنچائے گی، تو بادشاہ تمہارا شکر گزار نہ ہوگا اور اگر نقصان کر گئی تو تمہیں متہم کرے گا۔

آپ کے سامنے کچھ لوگوں نے عبداللہ بن عمرو عاص کے عذر بیان کرنے کا ذکر کیا جو وہ صفین میں امیرالمومنین کے ساتھ شریک نہ ہونے پر بیان کرتے تھے۔

(۳۵) تو آپ نے فرمایا بہت سے گناہ عذر گناہ سے بہتر ہوتے ہیں (عذر گناہ بدتر از گناہ)

(۳۶) تمہارا مال اگر تمہارے لئے نہ ہوگا تو تم اس کے لئے ہو اس پر ترس نہ کھاؤ، کیونکہ وہ بھی تم پر ترس نہ کھائے گا اور قبل اس کے کہ وہ مال تمہیں کھا جائے، تم اسے کھا ڈالو۔

(۳۷) جس نے تمہارا عطیہ قبول کیا اس نے فیاضی میں تمہاری مدد کی۔

(۳۸) معبود میرے مجھ پر احسان کر کے مجھے ڈھیل نہ دے اور بلاؤ مصیبت کے میری تادیب نہ کر۔

(۳۹) فرمایا آپ نے سچائی، عزت، جھوٹ، عاجزی، راز، امانت، ہمسائیگی، رشتہ داری، مددگاری دوستی، عمل، تجربہ، اچھا خلق، عبادت، خاموشی، زینت، کنجوسی، ناداری، سخاوت، مال اور نرمی عقلمندی ہے۔

(۴۰) آپ نے حسن بصری سے فرمایا" (اس وقت جب حسن آپ کو نہ پہچانتے تھے) اے پیر مرد تم اس دن کے لئے جب خدا کے سامنے لائے جاؤ اپنی موجودہ حالت پر اطمینان رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا نہیں۔ فرمایا تو کیا ان افعال کے ترک کا ارادہ رکھتے ہو جن کی وجہ سے روز حشر و نشر کے لئے تم غیر مطمئن ہو۔ کہا ہاں، مگر حقیقی طور پر نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ پھر تم سے زیادہ اپنے نفس کا بدخواہ کون ہو سکتا ہے کہ تم حقیقی طور پر ان اعمال کے ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہو جنھیں خود اپنے لئے باعث نقصان سمجھتے ہو۔

(۴۱) ایک دن آپ نے ابن عباس سے کہا بے مطلب کی باتوں میں لب کشائی نہ کرو، ڈرتا ہوں کہ کہیں بوجھ تلے دب نہ جاؤ، فضول چیزوں کے متعلق گفتگو نہ کرو یہاں تک کہ گفتگو کا موقع و محل دیکھ لو۔ بہت سے بولنے والے ہوتے ہیں جو بولتے حق مگر پھر بھی (بے موقع بولنے کی وجہ سے) انھیں عیب لگایا جاتا ہے اور کسی مرد حلیم و بردبار یا بیوقوف و جاہل سے بحث و تکرار نہ کرو۔ حلیم شخص تو حلم سے کام لے کر تمہیں الٹ دے گا اور بیوقوف شخص تمہیں اذیت پہنچائے گا اور جب کوئی برادر مومن تمہارے پاس موجود نہ ہو تو اس کے متعلق ایسی ہی بات بیان کرو جیسی بات تم اپنے متعلق اپنی عدم موجودگی میں کہی جانی پسند کرتے ہو (مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم یہ نہیں چاہتے کہ مجھے پیٹھ پیچھے کوئی برا کہے اسی طرح

برادر مومن کو اس کے پیٹھ پیچھے برا نہ کہو) اور اس شخص کی طرح عمل کرو جو یہ سمجھتا ہو کہ وہ اپنے جرموں کی وجہ سے گرفتار ہوگا اور اسے اپنی نیکیوں کی وجہ سے جزا دی جائے گی۔

(۴۲) آپ نے فرمایا کہ عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

(۴۳) ایک شخص نے کہا کہ آپ میں تکبر ہے۔ آپ نے فرمایا، کبریائی تنہا خدائے وحدہ لاشریک کے لئے ہے اور اس کے سوا کسی کے لئے نہیں، خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ عزت بس خدا اور رسول مومنین ہی کے لئے ہے۔

(۴۴) علم کا سیکھنا معرفت کی پیداوار کا ذریعہ ہے اور طولانی تجربہ عقل کی زیادتی کا باعث ہے اور شرف کا تقویٰ میں انحصار ہے اور قناعت بدن کی راحت ہے جو تمہیں محبوب رکھے گا وہ ناپسندیدہ باتوں سے تمہیں روکے گا اور جو تمہارا دشمن ہوگا وہ ابھارے گا۔

آپ سے پوچھا گیا کہ خداوند عالم نے بندوں پر روزے کیوں واجب کیئے۔

(۴۵) آپ نے فرمایا تاکہ مالدار بھی بھوک کا مزہ چکھیں اور پھر فقراء و مساکین پر احسان کریں۔

(۴۶) جب تم کسی کے متعلق سنو کہ وہ لوگوں کی عزت پر حملے کرتا ہے تو کوشش کرو کہ وہ تمہیں جاننے پہچاننے ہی نہ پائے کیونکہ ایسے شخص کے جان پہچان والے لوگوں کی عزت زیادہ رسوا ہوتی ہے

آپ سے پوچھا گیا کہ آپ خدا سے کتنا ڈرتے ہیں۔

(۴۷) تو آپ نے فرمایا جو خدا سے دنیا میں ڈرا ہو وہی بس قیامت کے دن امن واطمینان پا سکتا ہے۔

آپ سے پوچھا گیا کہ جہاد سنت ہے یا فرض؟

(۴۸) تو آپ نے فرمایا کہ جہاد چار طرح کے ہوتا ہے، دو جہاد فرض ہیں اور ایک جہاد سنت ہے مگر کسی نہ کسی فرض کے ساتھ وابستہ ہے اور ایک جہاد سنت ہے۔ دو جہاد فرض ہیں ان میں سے ایک انسان کا اپنے نفس سے جہاد کرنا ہے (نفس خدا کی نافرمانی اور معصیت کی طرف راغب ہو اور انسان نفس پر جبر کر کے معصیت سے باز رہے) یہ جہاد تمام جہادوں سے افضل ہے دوسرے کفار حربی سے جہاد کرنا اور وہ جہاد جو ہے تو سنت مگر فرض کی ادائیگی کے ساتھ وابستہ ہے وہ دشمن سے جنگ کرنا ہے جو جمیع امت پر فرض ہے اگر امت والے جہاد نہ کریں تو ان پر عذاب

نازل ہو اور یہ تنہا امام کے لئے سنت ہے کہ وہ امت کے ساتھ خود بھی دشمن کے مقابلے میں آئے اور ان سے جنگ کرے اور وہ جہاد جو سنت ہے اس سے مراد ہر وہ سنت ہے جس کی انسان پابندی کرے، اس کے قائم کرنے، اس کے زندہ رکھنے میں جد و جہد کرے اس امر میں سعی افضل اعمال سے ہوگی کیونکہ یہ تو سنت کا زندہ کرنا ہے، حضرت رسول خدا فرماتے ہیں جو کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرے تو اس کو اس ایجاد کا بھی ثواب ملے گا اور جتنے لوگ قیامت تک اس کے ایجاد کردہ طریقے پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی ثواب ملے گا اور پھر عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔

ایک شخص نے آپ سے اس آیت کے معنی پوچھے۔

"جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے"۔

(۴۹) آپ نے فرمایا ایک امام تو وہ ہیں جنھوں نے لوگوں کو خدا کی طرف بلایا اور ان لوگوں نے ان کی آواز پر لبیک کہی، ان کے بلانے پر آئے اور ایک امام وہ ہیں جنھوں نے لوگوں کو گمراہی کی طرف بلایا اور لوگ دوڑ پڑے، تو پہلے لوگ سب کے سب جنت میں جائیں گے اور دوسرے سب کے سب جہنم میں۔ یہی مطلب ہے خداوند عالم کے اس ارشاد کا کہ ایک جماعت جنت میں ہوگی اور ایک جہنم میں۔

(۵۰) اے فرزند آدم! تم دنوں کا مجموعہ ہو جو دن گزرا تمھارا ایک جزو کم ہوگیا۔

(۵۱) خداوند عالم نے چار باتیں فرض قرار دی ہیں۔ عبادت، اشارت، لطائف، حقائق۔ عبادت عوام کے لئے فرض ہے۔ اشارت خواص کے لئے، لطائف اولیاء کیلئے اور حقائق انبیاء کے لئے۔

ایک شخص نے آپ سے کہا کہ: بیٹھیے ہم دین کے متعلق بحث و مباحثہ کریں۔

(۵۲) آپ نے فرمایا کہ میں اپنے دین کی معرفت تام رکھتا ہوں اور میرا راہ راست پر ہونا مجھ پر واضح ہے البتہ اگر تم اپنے دین سے ناواقف ہو تو جاؤ ڈھونڈو، مجھے بحث و تکرار سے کیا سروکار۔ شیطان انسان کو وسوسے میں ڈالتا اور اس کے کان میں پھونکتا رہتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگوں سے دین کے متعلق مناظرہ کرو تاکہ لوگ تمہیں عاجز و جاہل نہ خیال کریں۔ (پھر دیکھو) بحث و مباحثہ چار صورتوں سے خالی نہیں یا تو تم اور تمھارا ساتھی ایسے امر کے متعلق بحث و مباحثہ کرو گے جسے تم اور وہ دونوں

جانتے ہوں بجائے اس کے کہ تم نے خیر خواہی نہ کی اور رسوائی کے طالب ہوئے اور اپنے علم کو ضائع کیا، یا تم دونوں اس سے جاہل ہو تو اس صورت میں تمھاری بحث و تکرار کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے اپنے جہل کا اظہار کیا اور از راہ جہالت جھگڑے یا تم اس امر کو جانتے ہو اور تمھارا ساتھی نہیں جانتا تو اس صورت میں بحث و تکرار کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنے ساتھی کا احترام نہیں کرتے اور نہ اس کی منزلت برقرار رکھی (کیونکہ تم جاہل تھے اور وہ عالم اور تم نے جاہل ہوتے ہوئے اس سے تکرار کی) یہ سب باتیں محال ہیں جس شخص نے انصاف سے کام لیا یا حق کو قبول کیا اور بحث و تکرار سے گریز کیا، اس نے اپنے ایمان کو مضبوط کیا، اپنے دین کا اچھا ساتھ دیا اور اپنی عقل کی حفاظت کی۔

(۵۳) جس مومن کی آنکھ سے ایک قطرہ اشک یا ایک بوند آنسو کی نکلی ہمارے غم میں تو اس کے لئے ہمارا حق (خدا پر) یہ ہے کہ خداوند عالم اسے جنت میں جگہ دے گا۔

(۵۴) بس اسی شخص پر اطمینان کرو جو خوف خدا رکھتا ہو۔

(۵۵) خدا کے خوف سے رونا آتش جہنم سے نجات کا باعث ہے۔

(۵۶) آنکھوں کا رونا اور دلوں کا ڈرنا خدا کی رحمت سے ہے۔

(۵۷) جو کسی پر معترض نہ ہو اسے بھی غلطیوں پر دوسرے معاف کرتے نظر آئیں گے۔

(۵۸) تمھارا گذری ہوئی نعمت پر شکر گذار ہونا سبب ہو گا آئندہ نعمت (پانے کا)

(۵۹) اقتدار غیظ و غضب کو بر پا بنا دیتا ہے انسان اپنی حالت سے خود زیادہ واقف ہے۔

(۶۰) حق پروری کے تقاضے میں جو ناگوار صورتیں درپیش ہوں اس پر صبر کرو اور ہدایت کی راہ پر چلنے میں دل پسند باتوں کی جدائی کو برداشت کرو۔

(۶۱) ابان بن تغلب بیان کرتے ہیں کہ مظلوم کربلا نے فرمایا جو شخص ہمیں دوست رکھے گا وہ ہم اہلبیت میں سے ہوگا میں نے عرض کی آپ اہل بیت میں سے؟ امام نے فرمایا ہم اہلبیت میں سے، یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ کیا تم نے عبد صالح کا قول نہیں سنا کہ جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہے۔

منذر بن جارود کا آپ کی طرف گذر ہوا، انھوں نے پوچھا اے فرزند رسول آپ پر قربان

جاؤں، کیا حال ہے۔

(۶۲) آپ نے فرمایا صورت حال یہ ہے کہ عرب والے عجم والوں پر فخر کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا ہم میں سے تھے اور عجم والے اس بات کا اعتراض کرتے ہیں اور ہمارا اور قریش والوں کا عالم یہ ہے کہ وہ ہمارے فضل وشرف کے معترف ہیں مگر ہمیں امام بنانے پر تیار نہیں اس امت کے لئے مصیبت یہ ہے کہ جب ہم انھیں بلاتے ہیں تو یہ ہماری سنتے نہیں اور اگر ہم انھیں چھوڑ دیتے ہیں تو بغیر ہمارے یہ ہدایت پا نہیں سکتے۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

(۶۳) کہ اخطب کا وفد گزرا تو آپ نے فرمایا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم جو رحمت کے گھر والے نبوت کا شجر اور علم کی کان ہیں آخر ہم سے کس بات پر لوگ ناراض ہیں۔

(۶۴) آپ کے ایک بچے کا انتقال ہو گیا مگر آپ پر رنج وغم کا کوئی اثر نہ دیکھا گیا۔ اس پر لوگوں نے کچھ کہا سنا تو آپ نے ارشاد فرمایا ہم اہلبیت خدا سے سوال کرتے ہیں تو وہ ہمیں عنایت فرماتا ہے اور جب وہ کسی ایسی بات کا ارادہ کرتا ہے جسے ہم ناپسند کرتے ہیں مگر اس کی مرضی اسی میں ہوتی ہے تو ہم بھی اس کی مرضی پر راضی ہو جاتے ہیں۔

آپ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور سلام کیا امام نے جواب سلام دیا۔ اس نے کہا مولا مجھے ایک سوال پوچھنا ہے۔

(۶۵) امام نے فرمایا پوچھو، اس نے کہا ایمان اور یقین میں کتنا فرق ہے؟ فرمایا چار انگل کا۔ کہا کیسے؟ فرمایا ہم جو کچھ سنیں وہ تو ہے ایمان اور جو کچھ دیکھیں وہ ہے یقین اور آنکھ اور کان کے درمیان چار انگل کا فاصلہ ہے، اس نے کہا، آسمان وزمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ فرمایا بس اتنا ہی کہ آفتاب ایک دن میں طے کر لیتا ہے، پوچھا مرد کی عزت کیا ہے؟ فرمایا لوگوں سے بے نیاز رہنا۔ پوچھا بدترین چیز کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا، بدکاری بوڑھے کے لئے بدترین ہے تیزی وتندی بادشاہ کے لئے بدترین ہے۔ لالچ عالم کے لئے بدترین ہے اس نے کہا سچ فرمایا آپ نے اے فرزند رسول اچھا مجھے بتائیے کہ بعد پیغمبر کتنے امام ہوں گے آپ نے فرمایا۔ بارہ۔ نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق۔ اس نے کہا سب کے نام بتائیے امام کچھ دیر سر جھکائے رہے پھر آپ

نے سر اٹھا کر ارشاد فرمایا، اچھا اے عرب کے رہنے والے میں تمہیں نام بھی بتاتا ہوں۔ پیغمبر کے بعد امام و خلیفہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہیں، ان کے بعد حسنؑ، ان کے بعد میں، اور میرے بعد میری نسل سے نو افراد، میرے بیٹے علی، ان کے بعد علی کے فرزند محمد، ان کے بعد ان کے فرزند جعفر ان کے بعد ان کے فرزند موسیٰ، ان کے بعد ان کے فرزند علی (رضا)، ان کے بعد ان کے فرزند محمد، ان کے بعد ان کے فرزند علی، ان کے بعد ان کے فرزند حسن، ان کے بعد مہدی، وہ میری نسل سے نویں فرزند ہوں گے جو آخر زمانے میں دین کے حاکم ہوں گے۔

امیر المومنین نے اپنے فرزند امام حسین سے پوچھا بیٹا! سرداری کیا ہے۔؟

(۶۶) آپ نے جواب دیا قرابتداروں کے ساتھ احسان کرنا۔ ان سے اگر کوئی خطا ہو جائے جس کا انھیں تاوان دینا پڑے تو ان کی طرف سے تاوان ادا کر دینا، امیر المومنین نے پوچھا، مالداری کیا ہے، کہا آرزوؤں کا کم ہونا اور بقدر ضرورت پر راضی رہنا، پوچھا محتاجی کیا ہے؟ کہا لالچ اور بہی یا یوسی اچھا ذلت کیا ہے؟ کہا انسان کا اپنی جان عزیز رکھنا اور زن مرید ہونا۔ پوچھا بے ڈھنگا پن کیا ہے؟ کہا اپنے حاکم اور اس سے جو اس کے نفع و نقصان پر قدرت رکھتا ہو دشمنی کرنا۔ اس کے بعد امیر المومنین حارث اعور کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ حارث یہ حکمت کی باتیں اپنے بچوں کو تعلیم دو کیونکہ یہ (یعنی امام حسین کا کلام) عقل و دور اندیشی اور سمجھ بوجھ میں زیادتی کا باعث ہے۔

آپ سے پوچھا گیا کہ تمام لوگوں سے قدر و منزلت میں کون بڑھا ہوا ہے؟

(۶۷) آپ نے فرمایا وہ جسے اس کی پرواہ نہ ہو کہ دنیا کس کے ہاتھوں میں ہے۔

ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ میں نے ایک گھر بنایا ہے، چاہتا ہوں کہ آپ اس میں جلوہ فرما ہوتے اور دعا فرماتے۔

(۶۸) آپ تشریف لائے دیکھا بھالا پھر ارشاد فرمایا تم نے اپنے (اصلی) گھر کو ویران کیا اور دوسرے کے گھر کو آباد کیا۔ زمین کے رہنے والے تو تمہاری عزت کریں گے (کہ بڑا اچھا گھر بنایا) اور آسمان والا تمھیں ناپسند کرے گا۔

(۶۹) امام نے فرمایا زیادہ قسمیں کھانے سے پرہیز کرو کیونکہ انسان چار باتوں ہی کی وجہ سے قسم کھاتا ہے یا تو احساس کمتری کی وجہ سے جو اسے آمادہ کرتا ہے کہ وہ قسم کھا کر لوگوں سے اپنے

قول کی تصدیق کی التجا کرے یا ٹھیک طرح بات کرنے کا سلیقہ نہ ہونے کی وجہ سے لہٰذا اپنی گفتگو کے بیچ بیچ بھرتی اور سخن تکیے کے طور پر قسم کھاتا ہے یا متہم ہونے کی وجہ سے جانتا ہو کہ لوگ مجھے سچا نہیں سمجھتے اور جب تک میں قسم نہ کھاؤں میری بات تسلیم ہی نہ کریں گے، یا اپنی زبان کو بے لگام چھوڑ دینے کی وجہ سے قسم کھاتا ہے۔

(۷۰) آپ نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا کرے گا، اے لوگو! تم میں سے جس کا کوئی اجر خدا کے ذمہ ہو، وہ اٹھ کھڑا ہو، یہ ندا ان کر نیکی کرنے والے اٹھ کھڑے ہوں گے آپ اکثر یہ شعر بطور مثال پڑھا کرتے ہے

اے وہ جسے دنیا کی لذتیں حاصل ہیں ان لذتوں کو بقا نہیں
زائل ہو جانے والے سائے سے فریب کھانا حماقت ہے

(۷۱) آپ نے فرمایا لوگ دنیا کے بندے ہیں اور دین ان کی زبان پر چاٹ کی طرح ہے جب تک اس دین کے ذریعے سامان معیشت ملتا رہتا ہے اس دین کی حفاظت کرتے ہیں لیکن جب آزمائش میں پڑتے ہیں تو دیندار بہت تھوڑے رہ جاتے ہیں (اس کلام کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا، نہ کوئی کلام اس کلام کے برابر سمجھا جا سکتا ہے اور یہ جملہ غور و فکر کرنیوالے کو نصیحت، حکمت اور عبرت کے لئے کافی ہے۔)

(۷۲) قرآن کا ظاہر بہت ہی خوش نما اور باطن بیحد گہرا ہے۔

ایک شخص امیر المومنین کی خدمت میں آیا اور کہا کہ اگر آپ واقعی عالم ہیں تو ناس، اشباہ ناس اور نسناس مجھے بتایئے امیر المومنین علیہ السلام نے امام حسین سے فرمایا کہ اس شخص کو جواب دو۔

(۷۳) امام حسین نے ارشاد فرمایا کہ تم نے جو یہ کہا ہے کہ ناس (یعنی حقیقی انسان) کے متعلق مجھے بتایئے تو سنو! حقیقی انسان ہم ہیں اسی وجہ سے خداوند عالم نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے "جہاں سے انسان چل کھڑے ہوئے اتم بھی چل کھڑے ہو۔ رسول اللہ ہی تو وہ تھے جو لوگوں کو ساتھ لیکر چل کھڑے ہوئے اب رہ گیا تمہارا سوال اشباہ (یعنی) انسانوں سے ملتے ہوئے اشخاص) کے متعلق تو وہ ہمارے دوستدار اور شیعہ ہیں اسی وجہ سے جناب ابراہیم نے کہا تھا جس نے میرا اتباع کیا وہ مجھ سے ہے رہ گئے نسناس تو وہ سواد اعظم ہیں یہ کہہ کر آپ نے لوگوں کی بھیڑ کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد آپ نے

یہ آیت پڑھی" وہ چوپایوں کے ایسے ہیں بلکہ وہ اور بھی زیادہ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں"۔

(۴) آپ نے فرمایا کہ انسان کی خوبی سے یہ بات ہے کہ وہ بے مطلب کی باتیں چھوڑ دے (یہ فقرہ حضرت سرورکائنات سے بھی مروی ہے تعجب نہیں کہ توارد ہوا ہو کیونکہ امام حسین کی سیرابی بھی تو بحر نبوت ہی سے تھی)

امام کے پاس لوگوں نے عقل کا تذکرہ کیا۔

(۵) تو آپ نے فرمایا عقل اس وقت کامل ہو گی کہ جب حق کی پیروی ہو۔

اس پر ایک شخص نے پوچھا اے ابوعبداللہ بچے کو دینا کب واجب ہے۔

(۶) آپ نے فرمایا کہ جب بچہ پیدا ہونے کے بعد بلند آواز سے رونے لگے تب اس کی عطا اور اس کا رزق واجب ہو گا۔

(۷) جس نے ہم سے عداوت کی اس نے پیغمبر خدا سے عداوت کی۔

(۸) آپ نے فرمایا آسمان جتنی چیزوں پر طلوع کرتا ہے شرق و غرب، خشکی و تری، ہموار و ناہموار زمین غرضیکہ تمام چیزیں خدا کے اولیاء میں ولی اور حق خدا کی معرفت رکھنے والے کے نزدیک یوں ہیں جیسے سایہ دار چیز کا سایہ، پھر آپ نے فرمایا شریف شخص اس دنیا کو دنیا والوں ہی کے لئے چھوڑ دیتا ہے تمہارے نفوس کی کوئی چیز قیمت بن ہی نہیں سکتی سوا جنت کے، لہٰذا جنت کے علاوہ اور کسی چیز کے بدلے اپنے نفوس کو نہ بیچو کیونکہ جو شخص خدا سے صرف دنیا لینے پر راضی ہو گیا وہ بہت ذلیل اور گھٹیا چیز پر راضی ہوا۔

خاتمہ۔ مختلف موضوعات پر آپکے کلمات

(۹) آپ نے فرمایا ہم اور بنی امیہ خدا کے بارے میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں ہم اور وہ قیامت تک یوں ہی ایک دوسرے کے دشمن رہیں گے جبرئیل حق کا علم لے کر آئے اور انھوں نے اسے ہمارے درمیان نصب کر دیا اور شیطان باطل کا جھنڈا لے کر آیا اور اسے بنی امیہ کے درمیان نصب کر دیا۔ پہلا قطرہ جو منافقین کے خون سے روئے زمین پر بہا ہے وہ عثمان کا خون ہے۔

آپ نے فرمایا کہ عثمان پل صراط پر ایک مردار ہے جو اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا وہ اہل

جہنم میں مقیم ہوگا اور جو اس پر سے گزر گیا وہ گزر کے جنت میں پہنچ جائے گا۔

جناب حبیب بن مظاہر اسدی نے آپ سے پوچھا کہ جناب آدم کی خلقت کے قبل آپ کیا تھے؟

(۸۱) فرمایا ہم نور کے پیکر تھے، عرش خدا کے گرد گھومتے تھے اور ملائکہ کو تسبیح و تہلیل و تحمید کی تعلیم دیتے تھے۔

(۸۲) ابوبکر و عمر نے امر خلافت کو اپنا لیا حالانکہ خلافت پوری کی پوری ہمارے لئے تھی انھوں نے اس خلافت میں ہمارا اس طرح کا حصہ رکھا جیسا میراث میں دادی کا ہوا کرتا ہے خدا کی قسم جس دن لوگ ہماری شفاعت کے طلبگار ہوں گے اس دن ان کے نفوس انھیں فکر و اندوہ میں ڈالیں گے۔

(۸۳) آپ نے فرمایا میں تو ملت ابراہیمی پر کسی کو نہیں دیکھتا بس ہم اور ہمارے شیعہ ملت ابراہیمی پر ہیں اور تمام لوگ اس ملت ابراہیمی سے الگ ہیں۔

نصر بن مالک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام حسین سے عرض کی کہ اے ابو عبداللہ قول خداوند عالم "یہ دو جھگڑالو ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں جھگڑا کیا" کی تفسیر فرمائیے۔

(۸۴) فرمایا ہم نے اور بنو امیہ نے اللہ کے بارے میں نزاع کی۔ ہم نے کہا "خدا نے سچ کہا ہے"۔ اور بنی امیہ نے کہا "خدا نے جھوٹ کہا ہے"۔ لہٰذا ہم اور بنی امیہ ہی قیامت کے دن دو جھگڑا کرنے والے ہوں گے۔

حارث اعور نے امام حسین سے کہا، فرزند رسول قربان جاؤں خداوند عالم نے اپنے کلام پاک میں "والشمس وضحٰها" جو فرمایا ہے تو اس سے کیا مراد ہے۔

(۸۵) تو آپ نے فرمایا وائے ہو تم پر اے حارث شمس سے مراد حضرت محمد مصطفٰی ہیں۔ حارث کہتے ہیں میں نے پوچھا۔ "والقمر اذا تلٰها" (قسم ہے چاند کی جو سورج کے پیچھے چلتا ہے) سے کیا مراد ہے، فرمایا اس سے مراد امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہیں جو آں حضرت کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ میں نے کہا "والنهار اذا جلّٰها" (قسم ہے دن کی جب اسے روشن کیا) سے کیا

مراد ہے، فرمایا اس سے مراد قائم آل محمد ہیں جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے اور "والیل اذا یغشٰہا" (قسم ہے رات کی جب وہ دن کو ڈھک لے) سے مراد بنو امیہ ہے۔

(۸۶) آپ نے فرمایا ہم میں سے بارہ مہدی ہوں گے اول ان کے امیر المومنین علی ابن ابی طالب اور آخر ان کے میری نسل سے نواں فرزند ہمارا ہے اور وہ امام قائم بالحق ہیں خدا ان کے ذریعہ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرے گا اور دین کو فتحیاب کرے گا اور تمام دینوں پر پورا پورا غلبہ عنایت فرمائے گا چاہے مشرکوں کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔ انھیں غیبت ہوگی جس میں بہت سے گروہ مرتد ہو جائیں گے اور کچھ دوسرے گروہ دین پر باقی رہیں گے جن کو ستایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اگر تم سچے ہو تو (مہدی کے ظہور کا) وعدہ کب پورا ہوگا۔ جو شخص ان کے زمانۂ غیبت میں اذیتوں پر جھٹلائے جانے پر صبر کرے گا تو اس کی قدر و منزلت اس شخص کی ایسی ہوگی جو تلوار لے کر پیغمبر خدا کی بیعت میں جہاد کرے۔

(۸۷) آپ نے فرمایا کہ میرے نویں فرزند میں جناب یوسف کی سیرت بھی ہوگی اور جناب موسٰی کا کردار بھی، وہ ہم اہلبیت کے قائم ہیں۔ خدا ان کے امور کو ایک رات میں ٹھیک کر دے گا۔

آپ نے فرمایا کہ اس امت کے قائم میری نسل سے ہوں گے، وہی صاحب غیبت ہیں یہ وہی ہیں جن کی میراث ان کے جیتے جی ہی تقسیم ہو جائے گی۔

حرث بن مغیرہ نضری کہتے ہیں کہ میں نے امام حسین سے پوچھا کہ ہم کن علامات کے ذریعے مہدی کو پہچانیں گے؟

(۸۹) آپ نے فرمایا سکون و وقار دیکھ کر۔ میں نے کہا اور کس چیز سے؟ کہا حلال و حرام خدا کی معرفت کا حامل ہونا اور لوگوں کا ان کا محتاج ہونا اور ان کا کسی کا محتاج نہ ہونا۔

(۹۰) آپ نے فرمایا کہ وہ بات نہیں ہونے کی جس کی تم راہ دیکھ رہے ہو (یعنی ظہور مہدی آخر الزماں) جب تک کہ تمہارے بعض بعض سے برأت نہ کریں، تمہارے بعض بعض کے خلاف گواہی نہ دیں اور تمہارے بعض بعض پر لعنت نہ بھیجنے لگیں راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی تب تو اس زمانے کوئی بھلائی نہیں ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ ساری بھلائی تو اسی زمانے میں، ہوگی، مہدی ظہور کریں گے اور ان سب باتوں کو برطرف کر دیں گے۔

آپ نے فرمایا کہ صاحب الامر کے لئے دو غیبتیں ہوں گی (ایک مختصر) اور ایک اتنی طولانی کہ کہ بعض کہیں گے کہ انتقال کر گئے، کوئی کہے گا قتل ہو گئے ، ... ... بعض کہیں گے کہ کہیں چلے گئے ان کی حقیقت حال سے کوئی باخبر نہ ہوگا سوا اس کے جو ان کے امور کا نگران ہوگا۔

محمد بن صامت نے حضرت سے ظہور حضرت حجت کی علامت کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ ہاں بہت سی علامتیں ہیں۔ انھوں نے پوچھا وہ کیا؟

(۹۲) آپ نے فرمایا عباس کی ہلاکت اور سفیانی کا خروج اور بیدار (ایک مقام) میں زمین کا دھنسنا، محمد بن صامت کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی تب تو بڑی دیر لگے گی۔ آپ نے فرمایا یہ علامات مثل پونہ کی لڑی کے ہیں ایک کے بعد دوسرے، دوسرے کے بعد تیسرے واقعات مسلسل ظہور میں آئیں گے۔

(۹۳) آپ نے فرمایا کہ جب تم مشرق کی طرف سے آگ تین دن یا سات دن تک روشن ہوتے دیکھنا تو کشائش آل محمد (ظہور حضرت حجۃ) کے متوقع رہنا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آسمان سے ایک منادی مہدی کا نام لے کر پکارے گا اور وہ آواز مشرق و مغرب سے سنی جائے گی وہ آواز ایسی ہوگی کہ سوتا ہوا شخص بیدار اور کھڑا ہوا بیٹھ جائے گا اور بیٹھا ہوا خوف کے مارے اٹھ کھڑا ہوگا پس خدا رحمت نازل کرے گا اس پر جو اس آواز کو سنے اور سن کر لبیک کہے کیونکہ پہلی آواز جبرئیل روحی الامیں کی ہوگی۔

(۹۴) آپ نے فرمایا کہ جس وقت مہدی ظہور فرمائیں گے تو لوگ انھیں پہچانیں گے نہیں کیونکہ لوگ انھیں بوڑھا سمجھ رہے ہوں گے اور وہ نوجوانی کے عالم میں ان کے پاس آئیں گے۔

(۹۵) آپ نے فرمایا کہ جس وقت مہدی ظہور فرمائیں گے تو لوگ انھیں پہچانیں گے نہیں کیونکہ لوگ انھیں بوڑھا سمجھ رہے ہوں گے یہ ان کا جلد ظاہر ہونا نہیں چاہتے۔ خدا بہتر جانتا ہے ان کا لباس موٹا ہی ہوگا اور ان کی غذا جو ہوگی اور نہیں ہونگے لیکن موت تلوار کے سایہ تلے۔

عیسی خشاب کہتے ہیں کہ میں نے امام حسین علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ ہی صاحب الامر ہیں

(۹۹) آپ نے فرمایا نہیں لیکن صاحب الامر وہ ہے جو نکالا ہوا بھگایا ہوا ہوگا جو اپنے باپ کا

انتقام لے گا، جس کی کنیت اس کے چچا کے نام پر ہو گی ۸ مہینے تک تلوار اپنے کاندھوں پر لئے رہے گا۔

آپ بنی امیہ کی ایک جماعت کی طرف سے گزرے جو مسجد رسول میں حلقہ کئے بیٹھے تھے

(۹۷) آپ نے فرمایا قسم بخدا یہ دنیا اس وقت تک ناپید نہ ہو گی جب تک کہ میری نسل سے خدا ایک شخص نہ لائے جو تم میں سے ہزار، دو ہزار اور ہزار در ہزار کو قتل نہ کرے راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ہو جاؤں یہ لوگ اتنے گنتی کے افراد کی اولاد ہیں اور اتنے شخصوں کی اولاد اتنی تعداد کو نہ پہنچے گی (جتنی آپ نے ابھی کہی ہے) آپ نے فرمایا وائے ہو تجھ پر اس زمانے میں آدمی کے صلب سے اتنی اتنی اولاد پیدا ہو گی پھران کے غلام، ان کے دوست، ان کے دوست، ان کے احباب بھی تو انھیں میں شمار کئے جائیں گے۔

(۹۸) آپ نے فرمایا کہ مہدی کی پانچ نشانیاں ہیں۔ سفیانی کا خروج اور یمین والے کا نکلنا اور آسمان سے شدید آواز، اور بیداء میں زمین کا دھنسنا اور نفس زکیہ کا قتل ہونا۔

(۹۹) آپ نے فرمایا کہ مہدی ۱۹ برس اور چند مہینے بادشاہت کریں گے۔

بشر بن غالب اسدی کہتے کہ مجھ سے امام حسین نے ارشاد فرمایا۔

(۱۰۰) اے بشر اس وقت قریش کا وجود باقی نہ رہے گا جب حضرت قائم قریش کے ۵۰۰ افراد کو آگے کریں اور ان کی گردن ماریں گے پھر ۵۰۰ آگے بڑھائیں گے اور ان کی گردن ماریں گے پھر ۵۰۰ آگے بڑھائیں گے اور ان کو روک کر تہ تیغ کریں گے۔ میں نے کہا خدا آپ کا بھلا کرے گا کیا وہ اتنی تعداد میں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ کسی قوم کے غلام یا دوست بھی اسی قوم میں شمار ہوتے ہیں

(۱۰۱) آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بنی امیہ کی سلطنت اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک مجھے قتل نہ کر لیں اور وہی بنی امیہ میرے قاتل ہیں اگر انھوں نے مجھے قتل کیا تو پھر کبھی ان کی شیرازہ بندی قائم نہیں ہو سکتی نہ انھیں جمع ہو کر نمازیں ادا کرنے کا موقع ملے گا اور نہ خیر خیرات کا روپیہ ملے گا اس امت کا پہلا مقتول میں اور میرے اہلبیت ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک روئے زمین پر کوئی ہاشمی بھی چلتا پھرتا ہو۔

(۱۰۲) میں کشتۂ گریہ ہوں جو مومن مجھے یاد کرے گا۔ روئے گا۔

(۱۰۳) آپ نے فرمایا چند کلمے ہیں جن کو میں اگر دہرا لوں تو اگر مجھ پر جن و انس بھی مل کر یورش کریں تو میں پروا نہ کروں گا وہ دعا یہ ہے بسم اللہ وفی سبیل اللہ الخ یعنی اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ کے ساتھ اور اللہ کی طرف اور اللہ کی راہ میں اور پیغمبر خدا کی ملت پر، خدایا اپنی قوت، قدرت، طاقت کے ذریعہ ہر فریبی کے فریب اور بدکاروں کے مکر و فریب سے مجھے محفوظ رکھ کہ میں نیکوکار اور صاحبانِ خیر کو دوست رکھتا ہوں اور خدا رحمت نازل کرے محمد مصطفےٰ اور ان کی آل پر اور انھیں سلامتی عنایت فرمائے۔

امام حسین کا ذکر عبد اللہ بن عمرو عاص کی طرف سے ہوا۔ اس نے آپ کو دیکھ کر کہا جو شخص ایسے شخص کو دیکھنا چاہتا ہو جو روئے زمین کے باشندوں میں آسمان کے رہنے والوں کو سب سے پیارا ہو تو وہ آپ کو دیکھے۔

مجھے شہدائے صفین کے بعد آج تک شرف کلامی نصیب نہ ہوا، ابو سعید خدری عبد الرحمن کو لئے ہوئے امام کے پاس آئے۔

(۱۰۴) امام نے پوچھا تم جانتے ہو کہ میں اہل زمین میں محبوب ترین شخص ہوں اہل آسمان کے نزدیک پھر بھی مجھ سے اور میرے باپ سے صفین میں برسر پیکار رہے خدا کی قسم میرے باپ تو مجھ سے بھی بہتر تھے عبد اللہ نے معذرت کی کہ پیغمبر نے مجھے حکم دیا تھا کہ باپ کی اطاعت کرنا نیز پیغمبر کا یہ ارشاد کہ وہی فرمانبرداری فرمانبرداری ہے جو اچھے کاموں میں ہو نیز یہ ارشاد پیغمبر بھی کہ خدا کی نافرمانی کرنے کے لئے کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

ایک شخص نے آپ سے عرض حاجت کی۔

(۱۰۵) تو آپ نے فرمایا اے شخص تیرا مجھ سے سوال کرنا میرے نزدیک بہت اہم ہے اور تیرا جو حق اپنے اوپر واجب سمجھتا ہوں وہ بہت بڑا ہے اور تو جو کچھ پانے کا مستحق ہے اس کے دینے سے میرا ہاتھ قاصر ہے اور خدا کی راہ میں کثیر بھی بہت قلیل ہے اور نہ میرے ملک میں اتنا مال ہے جسے میں تجھے دیکر تیرے اس احسان کا جو تو نے مجھ پر مجھ سے سوال کر کے کیا ہے پوری شکر گذاری کر سکوں، تو جو کچھ مجھے میسر ہے اگر تم اسے قبول کر لو تو مجھ سے اس تلخی کو دور کر دو گے جو مجھے تمہاری

حاجت پوری کرنے کی چارہ جوئی میں ہوگی اور اس فکر و پریشانی سے بچا لوگے جو تمہارا واجبی حق پورا کرنے میں ہوگی۔

اس شخص نے کہا فرزند رسول جو کچھ آپ دے سکیں گے میں قبول کر لوں گا اور آپ کے عطیے کا شکر گزار رہوں گا اور جو نہ دے سکیں گے اس سے معذور سمجھوں گا۔ امام نے اپنے وکیل کو بلایا اور اس سے اخراجات کا حساب لینے لگے یہاں تک کہ پورا حساب لے لیا اس کے بعد فرمایا تین لاکھ درہم میں سے جتنا فاضل بچا ہے وہ لے آؤ وہ پچاس ہزار درہم لایا۔ آپ نے وکیل سے پوچھا وہ ۵۰۰ دینار کیا کیے، کہا وہ میرے پاس ہیں فرمایا اسے بھی لاؤ آپ نے وہ کل درہم و دینار اس شخص کے حوالے کئے اور فرمایا مزدور بلا لو جو یہ مال تمہارے ساتھ اٹھا کر لے جائے وہ مزدوروں کو بلا لایا آپ نے ان مزدوروں کو مزدوری میں اپنی ردا اتار کر حوالے کی اور وہ تمام درہم و دینار اٹھا کر لے گئے آپ کے ایک غلام نے کہا خدا کی قسم اب ہمارے پاس ایک درہم بھی نہیں بچا۔ امام نے فرمایا لیکن میں اپنے اس فعل کی بدولت اجر عظیم کا خدا سے امیدوار ہوں۔

(۱۰۶) امام نے ابو عبدالرحمٰن سے فرمایا اے ابو عبدالرحمٰن تمہیں معلوم نہیں کہ خدا کی نگاہوں میں دنیا کی حقارت و ذلت سے یہ بات بھی تھی کہ یحییٰ بن زکریا کا سر بنی اسرائیل کی فاحشہ عورتوں میں سے ایک فاحشہ کو تحفۃً پیش کیا گیا تمہیں معلوم نہیں کہ بنی اسرائیل طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک ستر نبیوں کو قتل کرتے تھے پھر اپنے بازاروں میں بیٹھ کر اتنی بے فکری سے خرید و فروخت کرتے تھے جیسے انھوں نے کچھ کیا ہی نہیں پھر بھی خداوند عالم نے ان پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کی بلکہ بعد میں اتنی شدید گرفت میں لیا جتنی شدید گرفت قوی و طاقتور انتقام لینے والے کی ہوتی ہے اے عبدالرحمٰن! خدا سے ڈرو اور میری نصرت ترک نہ کرنا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زینبؑ اور ام کلثومؑ کے نایاب خطبات

شیرِ خداؑ کی بیٹیوں کے کلام سے یزیدیت بوکھلا اٹھی

دخترانِ علیؑ شیرِ خدا اور فاطمہ زہراؑ خاتونِ جنت کے ان خطبات کو سپردِ قلم کیا گیا ہے جنہوں نے کربلا سے کوفہ تک اور کوفہ سے دربارِ یزید ملعون تک پیغامِ حسینیؑ اور حق کا پرچم بلند رکھا۔ اور یزیدیت کی ظاہری فتح کو ملوکیت اور آمریت کا پس منظر قرار دیا۔ اور دنیا کے سب سے بڑے آمر کا نام گالی بنوا دیا کہ آج اولادِ یزید بھی اپنے لئے اولادِ یزید کہلوانا گوارا نہیں کرتی۔

مخدوراتِ عصمت و طہارت کے ان خطبات کے بعد یزیدیت کی بھیانک تصویر اہلِ بصیرت کی نظر میں پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ملوکیت کے ناپاک عزائم اور اسلام دشمنی کھل کر یزیدیت کی شکل میں دنیا کے سامنے آچکے ہیں۔

یہ کل سات عدد خطبات ہیں جو میں حاصل کر سکا ہوں، قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ یہ خطبات میں نے کتاب "خطبات زینبؑ و کلثومؑ" مرتبہ خضر ایم اے ناشر سبط زہرا اکیڈمی سے لئے ہیں۔

جنابِ زینبؑ کا وہ خطبہ جو آپ نے لاشۂ شہدا پر کربلا میں دیا

قافلہ اہلِ بیت رسولؐ اسیر ہو کر کوفے کی طرف روانہ ہوا تو اس کا گذر جب مقتولین کی لاشوں کے پاس سے ہوا اور سیدانیوں کی نظر لاشہائے شہدا پر پڑی تو وہ چیخ اُٹھیں اور اپنے مُنہ پر طمانچے مارنے لگیں۔ راوی کہتا ہے کہ بخدا میں زینب بنتِ علی علیہ السلام کو نہیں بھول سکتا جو حسینؑ کو پکارتی تھیں اور نہایت درد بھری آواز اور غم زدہ دل سے فریاد کر رہی تھیں کہ

"اے محمد مصطفےٰ! آپ پر آسمان کے فرشتوں نے نماز پڑھی لیکن آپ کا یہ حسینؑ خون میں آلودہ پڑا ہوا ہے اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے گئے ہیں آپ کی بیٹیاں قید کر لی گئیں، اے خدا! تیری بارگاہ میں فریاد ہے۔ اے نانا مصطفےٰؐ مدد کو آؤ، اے بابا علیؑ مرتضےٰ فریاد کو پہنچو اے ماں فاطمہ زہرا خبر لو، اے حمزہؑ سید الشہدا نصرت کو آؤ۔

اے محمدؐ! آپ کا فرزند حسینؑ زمینِ کربلا پر پڑا ہوا ہے اس کی لاش پر گرد و غبار اُڑ رہی ہے۔ اس کو بدکار عورتوں کی اولاد نے شہید کر دیا۔ اُف کتنا سخت رنج ہے۔ اُف کتنا عظیم غم ہے آج میرے نانا رسولؐ اللہ دنیا سے اُٹھ گئے اے محمدؐ کے صحابیوؓ۔ دیکھو یہ محمدؐ مصطفےٰ کی ذُرّیت کا حال ہے۔ ان کو قید کر کے پھرایا جا رہا ہے۔

اے محمدؐ! آپ کی بیٹیاں قید کر دی گئیں اور آپ کی ذُرّیت قتل کر دی گئی ان کی لاشوں پر گرد و غبار اور ہوا اُڑ رہی ہے۔ یہ حسینؑ کی حالت ہے ان کا سرِ پسِ گردن سے کاٹ لیا گیا ان کا عمامہ چھین لیا گیا۔ ان کی ردا لوٹ لی گئی۔

راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم! زینبؑ کا بین سن کر ہر دوست دشمن رو دیا

پھر جناب سکینہؑ اپنے باپ سے لپٹ گئیں لیکن لشکر یزید ملعون کے کچھ لوگ آئے اور آپ کو کھینچ کر حسینؑ سے جدا کر دیا۔

حضرت اُمّ کلثومؑ بنتِ علیؑ مرتضےٰ کا وہ خطبہ جو آپ نے اہلِ کوفہ کے سامنے دیا

روایت ہے کہ کوفیوں نے ندامت و پشیمانی کی حالت میں سید الشہداء کے بچّوں کو صدقے کے خرمے پیش کئے کہ جناب اُمّ کلثومؑ جو اپنے ہاتھ اور گردن رسیّوں میں بندھے ہوئے ایک اونٹ کی ننگی پشت پر سوار تھیں یہ دیکھ کر چیخ اُٹھیں اور فرمایا اے کوفیو! صدقہ ہم پر حرام ہے۔ آپ بچّوں کے ہاتھوں سے (خرمے) لیکر پھینک رہی تھیں (اس حالت کو دیکھ کر تمام لوگ رونے پیٹنے لگے۔ جناب اُمّ کلثومؑ نے فرمایا، تمہارے مرد ہم کو (ہمارے مردوں کو) قتل کرتے ہیں اور تمہاری عورتیں ہم پر روتی ہیں۔

اے کوفیو! تم نے ہم سے دشمنی کی اور ہمارے اوپر بڑا ظلم کیا۔ تم نے بہت بڑے جُرم کا ارتکاب کیا۔ عنقریب آسمان پھٹ پڑیں گے۔ زمین دھنس جائے گی اور پہاڑوں کی دھجّیاں اُڑ جائیں گی۔ جب کوفی اپنی دغابازی اور غدّاری پر پشیمان ہونے اور رونے لگے۔

بازارِ کوفہ میں جناب اُمّ کلثومؑ کا ایک عجیب خطبہ

اے کوفیو! تمہارا بُرا ہو۔ تم نے حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ان کو شہید کر دیا۔ ان کا مال لوٹ لیا اور اس مال کے وارث بن گئے ان کی عورتوں کو قید کیا اور ان پر مصائب کے پہاڑ توڑے۔ تمہارا بُرا ہو اور تم پر عذاب ہو۔

تم پر تُف ہے۔ کیا جانتے ہو کہ تم نے کس طرح اپنے بغض و کینہ کو نکالا اور کتنے عظیم گناہ کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھایا۔ کن لوگوں کا خون بہایا اور کن بزرگ و برتر ہستیوں پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے۔ کن اموال کو لوٹا۔ تم نے حضرت نبیؐ خدا کے بعد جو بہترین لوگ تھے ان کو قتل کر ڈالا۔ رحم و ہمدردی تمہارے دلوں سے ختم ہوگئی لیکن سمجھ لو کہ خدا کا گروہ کامیاب ہوتا ہے اور شیطان کا گروہ ناکام رہتا ہے۔

لہوف ص۶۷ بحار جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۹

جناب زینبؑ بنتِ علیؑ کا کوفیوں سے خطاب

تاریخ کا ایک دردناک موڑ

شیرِ خداؑ کی بیٹیؑ بھی شیر تھیں!

ام کلثوم صلوٰۃ اللہ علیہا کی تقریر سن کر کوفیوں کا ایک جم غفیر ہو گیا۔ تو میری پیاری شہزادی جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا نے بدعہد کوفیوں کے ہجوم کو دیکھ کر فرمایا " حمد و ثنا ہے خدا کے لئے درود و سلام ہو میرے نانا محمدؐ مصطفےٰ اور ان کی پاک و پاکیزہ عترتؑ پر۔ اے کوفیو! اے مکّارو! اور اے دغابازو! کیا اب تم رو رہے ہو۔ خدا کرے تمہارے آنسو کبھی نہ رکیں اور تمہارے گریہ و بکا کی آوازوں میں کبھی سکون پیدا نہ ہو۔ تمہاری مثال اس عورت کی ہے جو اپنا دھاگہ مضبوط بٹ کر خود ہی اس کو توڑ ڈالے تم اپنی قسمتوں کو اپنے مکر و فریب کا حیلہ قرار دیتے ہو۔ تم میں کچھ نہیں سوائے حسد۔ بدی۔ کینہ۔ چاپلوسی اور غیبت کرنے کے یا تم اس چراگاہ

چراگاہ کی طرح ہو جو گھوڑے پر ہو یا اس چاندی کی طرح ہو جو گھوڑے پر ہو یا اس چاندی کی طرح ہو جس سے قبر کو سجایا گیا ہو۔ تمہارے نفسوں نے تمہارے لئے ایسے بُرے اعمال پیش کئے جن سے خدا تم پر غضبناک ہے۔ تم عذاب خدا میں ہمیشہ مبتلا رہو گے۔ اے کوفیو! کیا تم رو رہے اور چیخ رہے ہو۔ ہاں ہاں بخدا زیادہ روؤ اور کم ہنسو۔ تمہارے دامن پر ننگ دغا اور کمینگی کا وہ دھبہ ہے جسے تم رو کر بھی نہیں مٹا سکتے اور فرزند ختم نبوّتؐ و معدنِ رسالت کے خون کا دھبّہ مٹا بھی کیسے سکتے ہو۔ یہ فرزندِ رسولؐ وہ تھا جو جوانانِ اہل جنت کا سردار تھا۔ تمہارے لئے محل امن تھا۔ مصیبتوں کے وقت تمہارے لئے جائے پناہ تھا۔ کتنا بُرا ہے وہ بوجھ جو تم نے اٹھایا۔ تمہارے لئے ہلاکت و بربادی و عذاب ہو۔ یقیناً تمہاری کوششیں بیکار رہیں۔ تم سب عذاب خدا کے مستحق ہوئے اور تم سب ذلیل و خوار ہوئے۔

اے کوفیو! تمہارا بُرا ہو۔ کیا تم نے یہ بھی سوچا کہ تم نے رسول اللہؐ کے کس جگر کو چاک کر ڈالا۔ ان کی کس پاکیزہ اور محبوب ہستی کو شہید کیا۔ ان کے کس خون کو بہایا اور ان کی کس بزرگ و محترم ذرّیت کو رُسوا کیا۔ تم ہم اہل بیت پر یہ بلا اس طرح لائے ہو کہ بلا در بلا ہے نہایت سخت و نازیبا اور بالکل خلاف مرضی الٰہی ہے۔ تم وہ مصیبتیں لائے ہو۔ جو روئے زمین کے برابر اور وسعت آسمان کے مساوی ہے۔ کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ آسمان سے خون برسا تو سمجھ لو کہ آخرت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ سخت ہو گا اور اس وقت تمہارا کوئی مددگار نہ ہو گا۔ اس اس دنیا میں۔ کیونکہ اس کو وقت انتقام کے گذر جانے کا خوف نہیں اور

خدا تو مہلت دیتا ہے پھر زبردست انتقام لیتا ہے۔

راوی کہتا ہے بخدا میں نے دیکھا کہ سب کے سب سکتہ کے عالم میں تھے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے چہروں پر رکھ کر رو رہے تھے۔ میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو میرے پہلو میں کھڑا ہوا رو رہا تھا اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

"ہمارے ماں باپ تم پر قربان۔ تمہارے بوڑھے تمام بوڑھوں میں۔ تمہارے جوان تمام جوانوں میں۔ تمہاری عورتیں تمام عورتوں میں اور تمہارا خاندان تمام خاندانوں میں سب سے افضل اور سب سے بہتر ہے"

تم کبھی ذلیل اور رسوا نہیں ہو سکتے۔ یہ تھا جادو جو سر پر چڑھ کر بول رہا تھا۔ اور اہل بیت کی مظلومی اور حق پرستی کی گواہی دے رہا تھا۔

جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا

اور ـــــــــ ابن زیاد ملعون کے درمیان مکالمہ!

علیؑ کی بیٹی نے وہ جوہر دکھائے جو تاریخ کبھی نہ بھلا سکے گی

اسیرانِ کربلا کا یہ قافلہ جب کوفہ میں ابن زیاد ملعون کے دربار میں پیش کیا گیا تو ابن زیاد ملعون قیصر شاہی میں بیٹھا اور لوگوں کو میں آنے کی عام اجازت دیدی۔ سیدالشہداؑ کا سرِ اقدس اس کے سامنے لا کر رکھا گیا۔ اور حسین کی عورتیں اور بچے بھی سامنے لائے گئے۔ زینبؑ بنت علیؑ ایک غیر معروف حالت میں تاکہ کوئی پہچان نہ سکے بیٹھ گئیں۔ سانحۂ کربلا کے

کے بعد لشکر یزید ملعون نے آپؑ کے دُر اور گوشوارے چھین لئے تھے آپؑ کے بال برہنہ تھے اور آپؑ اپنے چہرے کو آستینوں سے چھپائے ہوئے تھیں۔ ابن زیاد ملعون نے شمر ملعون سے آپؑ کے متعلق دریافت کیا۔ کہا گیا کہ آپؑ زینبؑ بنت علیؑ ہیں۔ ابن زیاد ملعون آپ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا:

ابن زیاد ملعون : خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم لوگوں کو رسوا کیا اور تمہارے جوانوں کو جھٹلایا۔

بی بی زینبؑ : بی بی نے جواب دیا اے ابن زیاد ملعون رسوا اور ذلیل وہ ہوتا ہے جو فاسق ہو اور جھٹلایا وہ جاتا ہے جو فاجر ہو اور وہ ہمارے علاوہ دوسرا ہے ہم اہل بیت رسولؐ ہیں نہ فاسق ہیں نہ فاجر۔

ابن زیاد ملعون : تم نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے بھائی اور تمہارے اہلبیت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

بی بی زینبؑ : میں نے تو اچھا ہی دیکھا ہے۔ میرے بھائی اور ان کے اصحاب کے لئے خداوند عالم نے شہادت کا درجہ متعین فرما رکھا تھا۔ وہ اپنی اپنی خوابگاہوں کی طرف چلے گئے۔ عنقریب خدا تجھ کو اور ان لوگوں کو مقام پرسش پر کھڑا کرے گا اور سوال و جواب ہوگا پھر تو دیکھے گا کہ اس دن کس کو فتح ہوگی۔ اے حرامزادے! تیری ماں تیرے غم میں روئے۔ اے بدکار عورت کے لڑکے! اگر میرے بھائی نے خلافت کو طلب بھی کیا تو وہ اپنے بزرگوار علیؑ مرتضٰےؑ اور اپنے نانا محمد مصطفٰےؐ کی طرف سے اس کے حق دار تھے۔ لیکن تو جواب دینے کو تیار ہو جا اس دربار میں جہاں خدا فیصلہ کرنے والا ہوگا۔ محمدؐ مصطفٰےؐ تیرے دشمن ہوں گے اور جہنم قید خانہ ہوگا۔ بی بی زینب کی اس گفتگو سے ابن زیاد ملعون اس قدر غضبناک ہوا کہ

آپؑ کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ (کیونکہ بھرے دربار میں بی بی نے اس کی اصلیت کھول دی تھی) مگر عمرو بن حارث نے یہ کہہ کر اس کا غیظ و غضب ٹھنڈا کیا کہ عورتوں کی باتوں میں کوئی سمجھ دار انسان کان نہیں دھرتا۔

ابن زیاد ملعون: بالآخر ابن زیاد ملعون نے اپنے غیظ کو اس طرح ٹھنڈا کیا

"زینبؑ خدا نے باغی اور سرکش حسینؑ کے قتل سے میرے دل کو شفا بخشی ہے۔"

بی بی زینبؑ: "اپنی جان کی قسم تو نے میرے ادھیڑ لوگوں کو مار ڈالا میرے اہل کو بے پردہ کیا میری شاخوں کو قطع کیا اور میری جڑوں کو کچل ڈالا۔ اگر یہ باتیں تیرے لئے شفا ہیں تو بے شک تو نے شفا حاصل کی۔"

یہ سن کر ابن زیاد ملعون غصہ سے کانپنے لگا۔ اور کہنے لگا:

ابن زیاد ملعون: زینبؑ کے فقروں میں حقانیتِ اہلِ بیت کا اظہار ہے۔ یقیناً زینبؑ فصیح و بلیغ ہیں اور ان کے باپ تو بہت بڑے شاعر اور فصیح و بلیغ تھے۔

دیکھا آپ نے حق حق ہے جو چھپائے سے بھی نہیں چھپ سکتا۔

جناب اُمّ کلثومؑ کا شمر ملعون کو للکارنا

بازارِ شام میں جب شمر ملعون سید الشہداؑ کے سر مبارک کو ہاتھ میں لے کر لوگوں کے سامنے اپنی بہادری بیان کر رہا تھا تو جناب اُمّ کلثومؑ نے اس کو للکارا۔ اور پھر ارشاد فرمایا:-

اے ملعون ابن ملعون! تو جھوٹا ہے۔ سمجھ لے کہ ظالمین پر خدا کی لعنت ہے۔ تجھ پر تُف ہے تو اس ذات کو شہید کر کے فخر کرتا ہے جس کی جبرئیلؑ اور میکائیلؑ

کھوا رئے جنبانی کرنے تھے۔ جس کا نام پروردگار عالم کے عرش کے پردوں پر لکھا ہوا ہے۔ جس کے نانا حضرت محمدؐ پر خدا نے رسالت ختم کی اور جس کے باپ علیؑ مرتضےٰ کے ذریعہ سے مشرکین کا قلع قمع کیا۔ پس کون ہے میرے نانا محمد مصطفےٰ کا مثل کون ہے میرے باپ علیؑ مرتضےٰ کا مقابل اور کون ہے میری ماں فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی نظیر۔

جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کا وہ تاریخی خطبہ

جو یزید ملعون کے بھرے دربار میں ادا کیا۔

جس نے یزیدیت کی نقاب اُلٹ دی، کفر کے قلعہ کو مسمار کر دیا!

اس خطبہ سے مجلس حسینؑ کی ابتدا ہوئی۔ جو آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی

یزید ملعون ابن معاویہ ظلم و استبداد کے تخت پر بیٹھا ہوا شراب کے نشہ میں مخمور جھوم رہا ہے۔ ہزاروں مقدسین دین اور ذمہ داران مذہب یزیدیت کے پائے پکڑے ہوئے ہیں اور لاکھوں محافظین دین اپنی ریش سے دربار شرابی میں جاروب کشی کر رہے ہیں۔ ہر شخص بجا سرکار، بجا حضور کہہ رہا ہے۔ بیرونی ممالک کے سفرا مرصع کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اجرابن قیس ملعون دربار میں داخل ہوا اور سید الشہدا حضرت امام عالی مقامؑ اور ان کے عزیز د اقارب کے قتل اور قافلہ مخدورات عصمت و طہارت کے قیدیوں کی اطلاع دی۔ ابن معاویہ نے اجازت دی۔ شمر ملعون سید الشہداؑ کے سر اقدس کو اپنے نیزے پر اٹھائے ہوئے دربار ملعون میں داخل ہوا اور نواسۂ رسول کے

سراقدس کو نوکِ نیزہ سے اُتار کر طشتِ طلا میں رکھا اور یزید ملعون کے سامنے پیش کیا جو اس وقت شراب کے نشے میں جھوم رہا تھا۔ یزید ملعون نے سراقدس کو دیکھا اور اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی بید کی چھڑی سے امامؑ عالیمقام کے دندانِ مبارک کے ساتھ بے ادبی کرنے لگا اور کہنے لگا۔ کاش میرے آباء واجداد جو جنگِ بدر میں قتل ہوئے وہ میرے اس کارناموں کو دیکھتے۔ یہ تو بنی ہاشم نے محمدؐ کو نبی بنا کر مُلک گیری کا ایک ڈھونگ رچایا تھا۔ ورنہ نہ تو کوئی آسمانی خبر (نبوّت) آئی نہ کوئی وحی نازل ہوئی میں بنی مناف سے نہ ہوتا اگر میں اولادِ رسولؐ سے ان تمام چیزوں کا جو محمدؐ نے میرے آباء واجداد کے ساتھ کیا تھا انتقام نہ لیتا۔ ہم نے علیؑ سے اپنے بزرگوں کے خون کا بدلہ لے لیا۔ اور سواروں کو قتل کیا جو شجاعت اور بہادری کے ہیبت ناک شیر تھے۔ آج اگر میرے بزرگ موجود ہوتے تو دیکھتے اور خوش ہوتے، مبارکباد دیتے اور کہتے اے یزید ملعون! تیرے ہاتھ کبھی شل نہ ہوں۔

یزیدیت کے مُنہ سے نکلے ہوئے بیہودہ کلمات کا جواب دینے کے لئے شیرِؑ خدا کی شیر دل بیٹی زینب صلوٰۃ اللہ علیہا ایک دم کھڑی ہوگئیں اور اپنے پُر جوش الفاظ میں ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا:۔

" تعریفیں اس خدا کے لئے ہے جو تمام دنیا کا پروردگار ہے اور درود وسلام ہو رسولؐ خدا اور ان کی تمام آلؑ پر۔ خداوند عالم نے ان لوگوں کا انجام کار کتنا بُرا فرمایا ہے جنہوں نے بُرائیاں کیں۔ یہ ہوا کہ انہوں نے آیاتِ خدا کو جھٹلایا اور اس کا مذاق اُڑایا۔

اے یزید ملعون! تو نے جب زمین وآسمان کے راستوں کو ہمارے اوپر تنگ کر دیا اور ہم قیدیوں کی طرح پھرائے گئے تو کیا تو نے

سمجھ لیا کہ ہم خدا کے نزدیک ذلیل ہو گئے اور تو بلند ہو گیا اور یہ جو کچھ بھی ہوا وہ اس لئے کہ تو خدا کی نگاہ میں قدر و منزلت رکھتا ہے اور جب تو نے دیکھا کہ دُنیا تیرے لئے فراہم ہو گئی اور سب اُمور درست ہو گئے اور ہمارے ملک اور ہماری سلطنت تیرے لئے خطروں سے صاف ہو گئی تو تو نے اپنی ناک اُونچی کر لی اور اپنی شان و شوکت پر اکڑنے لگا اور خوش ہونے لگا۔ تو ٹھہر اور چند روز توقف کر۔ کیا تو بھول گیا کہ خدا نے کیا ارشاد فرمایا ہے: "جو کافر ہو گئے ان کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان کو ہمارا ڈھیل دینا ان کے لئے بہتر اور فائدہ مند ہے۔ ہم نے ان کو صرف اس لئے مہلت دی کہ وہ اور زیادہ گناہوں کا ارتکاب کریں ان کے لئے تو ذلیل کرنے والا عذاب مہیا کیا گیا ہے۔"

اے پسر آزاد کردگاں! کیا یہی انصاف ہے کہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں کو تو پردہ میں رکھا ہے اور دخترانِ رسولؐ کو قید کر کے دربدر پھرایا۔ تو نے ان کو بے ردا و بے چادر کر دیا۔ ان کو بے پردہ کیا۔ (تیرے حکم سے) دشمنوں نے ایک شہر سے دوسرے شہر میں ان کی تشہیر کی۔ ہر کس و ناکس ان کو دیکھ رہا ہے۔ ہر قریب و بعید اور ہر ذلیل و شریف کی نظریں ان کے چہروں پر پڑ رہی ہیں۔ ان کے ساتھ نہ تو مردوں میں کوئی باقی رہا جو ان کی مدد کرے اور نہ ان کا کوئی حامی رہا جو ان کی حمایت کرے اور اس سے کیا امید کی جا سکتی ہے جس نے پاک و پاکیزہ لوگوں کے جگر چبائے اور جس کا گوشت پوست شہدا کے خون سے تیار ہوا اور کیا امید کی جا سکتی ہے ان دشمنانِ اہل بیت سے جو ہماری طرف کینہ۔ کدورت حسد اور بغض کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں پھر بغیر کسی گناہ اور جرمِ عظیم

کا احساس کئے ہوئے تو اپنے دربار میں بیٹھ کر جوانانِ اہلِ جنّت کے سردار ابو عبداللہ الحسینؑ کے دانتوں پر چھڑی مارتا جاتا ہے اور اپنے آباء و اجداد کو جو اسلام اور رسولؐ اسلام کے دشمن تھے اور جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے پکارتا ہے۔ کاش تیرے آباء و اجداد جو بدر میں قتل ہوئے موجود ہوتے تو تیری تعریف کرتے۔ تجھ کو شاباش دیتے۔ تجھ سے خوش ہوتے اور کہتے کہ اے یزید ملعون تیرے ہاتھ کبھی شل نہ ہوں کیونکہ تو نے محمدؐ کی آلؑ سے بڑا اچھا بدلہ لیا۔ اور تو کیوں نہ یہ کہے جبکہ تو نے ذُرّیت محمد مصطفےٰ اور اولاد عبدالمطلب کی زمین کے ستاروں کا خون بہا کر ہمارے دل کے زخم کو تازہ کر دیا۔ اور بیخ و بن کو اکھاڑ ڈالا۔ آج تو اپنے بزرگوں (مقتولین بدر) کو پکارتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ تو ان کو پکارے گا اور وہ تجھ کو جواب بھی دیں گے۔ تو بہت جلد آرزو کرے گا۔ کاش تیرے ہاتھ شل ہوتے تو گونگا ہوتا اور تو نے جو کچھ کہا وہ نہ کہتا اور جو کچھ کیا وہ نہ کرتا۔ خدایا تو ان ظالمین سے ہمارے حق واپس لے اور ہماری مدد فرما جنہوں نے ہم پر ظلم کیا ان سے انتقام لے اور جنہوں نے ہمارا خون بہایا اور ہمارے مددگاروں کو قتل کیا۔ ان پر غضب اور عذاب نازل فرما۔

اے یزید ملعون! خدا کی قسم! تو نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا خود اپنا ہی پوست چاک کیا ہے اور اپنا ہی گوشت پارہ پارہ کیا ہے۔ عنقریب تو رسولؐ اللہ کی خدمت میں بحیثیت مجرم پیش کیا جائے گا کیونکہ تو نے ان کی ذرّیت کا خون بہایا ہے اور ان کی جماعت اور گروہ کو اکٹھا کرے گا اور ان کا حق واپس لے گا اور ان کی نصرت و مدد کرے گا اور

جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کر دئے گئے انہیں مردہ ہرگز نہ سمجھو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے روزی پاتے ہیں اور تیرے لئے یہی کافی ہے کہ خدا بڑا حاکم اور فیصلہ کرنے والا ہوگا۔ حضرت محمدؐ تیرے دشمن ہوں گے اور جبرئیلؑ ان کی پشت پناہ ہوں گے اور عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے تیری مدد کی اور تجھ کو مسلمانوں پر مسلّط کیا معلوم ہو جائے گا کہ ظالمین کی جزا کتنی خراب ہے۔ اور تیری آخری منزل کتنی بڑی ہے اور تیرا لشکر کتنا کمزور ہے۔

اے یزید آج انقلاب زمانہ نے مجھ کو تجھ ایسے ذلیل انسان سے ہم کلام ہونے پر مجبور کر دیا لیکن میں تیرے مرتبہ کو حقیر اور تیری توبیخ و ملامت کو گراں سمجھتی ہوں اور کیوں نہ ہو ہماری آنکھیں گریاں ہیں اور ہمارے سینوں میں غم کی آگ بھڑ رہی ہے۔ تعجب اور زیادہ تعجب یہ ہے کہ شیاطین اور آزاد کردگانِ یزید اور اس کے ساتھیوں کے گروہ نے خدائے پاک و پاکیزہ گروہ کو شہید کر دیا ان شیاطین کے گروہ کے ہاتھوں نے ہمارا خون بہایا اور ان کے ذہن نے ہمارا گوشت چبایا اور گروہ خداوندی کے پاک و پاکیزہ اور طیّب و طاہر جسموں پر مکھیاں، بجّو اور جنگل کے جانور فریاد کر رہے ہیں، اے یزید! اگر آج تو نے مال غنیمت سمجھ کر ہم کو قبضہ میں کر لیا اور ہم کو قید کر لیا تو کل قیامت میں تو اپنے لئے ہم کو سخت نقصان پہنچانے والا پائے گا۔ اس وقت تجھ کو وہی ملے گا جو تیرے ہاتھوں نے کیا۔ اور تیرا پروردگار بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ انصاف کرتا ہے۔ ہمارا شکوہ تو صرف خدا سے ہے اور ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اے یزید! تو جو مکاری کرنا چاہے کر اور ہم کو قتل کرنے اور

ذلیل کرنے کی جتنی سعی اور کوشش کرنا چاہے کر لیکن خدا کی قسم تو ہمارے ذکر کو کبھی نہیں مٹا سکتا۔ اور ہماری شریعت کو کبھی نہیں فنا کر سکتا اور ہمارے مرتبہ کو کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور شرم و بے حیائی کے اس دھبہ کو جو تو نے اپنے دامن پر (ہم کو قتل کر کے اور ہم کو ذلیل کر کے) لگایا تھا اس کو کبھی نہیں دھو سکتا۔ تیری رائے اور تیری حیثیت پست ہے۔ تیری زندگی کا زمانہ چند دنوں اور باقی ہے اور تیری جماعت کمزور ہے (اس دن کے لئے تیار ہو جا) جس دن پکارنے والا پکارے گا کہ "خدا کی لعنت ہو ظالمین پر۔"

حمد و ثنا ہے اس خدا کے لئے جو تمام کا پروردگار ہے جس نے ہمارے پہلے (حضرت محمدؐ) کو سعادت اور بخشی اور ہمارے آخر (حسینؑ) کو شہادت، رحمت اور بزرگی بخشی۔ ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ان شہیدان راہ خدا کو ثواب عطا فرمائے اور ان کے مراتب کو بلند کرے اور ہمارے اوپر احسان کرے بے شک وہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔ وہی ہمارے لئے کافی ہے اور وہی ہمارا بہترین وکیل ہے۔"

(لہوف ص۹۷ بحار جلد ۱ ص۲۲۵ ریاض القدس جلد۲ ص۳۱)

زینبؑ بنت علیؑ کے خطبہ کے دوران ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام اہل دربار کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ ہر شخص بے حس و حرکت پتھر کی مورت بنا کھڑا رہا۔ ان کی زبانیں گنگ اور ہونٹ چپکے ہوئے تھے۔ کانوں میں درود و سلام کی آوازیں اور آنکھوں میں یزیدلعین کا خونخوار چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ خود یزیدلعین کا یہ عالم تھا کہ تخت پر بیٹھا ہوا کروٹیں بدل رہا تھا مگر زبان سے ایک لفظ نہ نکلتا تھا۔ علیؑ کی بیٹی نے بھرے دربار میں اہلبیت رسولؐ کی فضیلت اور یزید ملعون کی لادینیت کا پورا پورا جواب دیا۔ گویا یہ خطبہ علم و معرفت کا ایک خزینہ تھا۔ نوائے

رسولؐ کے اس خطبہ کے بعد یزیدیتؑ بے نقاب ہو چکی تھی اور بنی اُمیہ کی لادینیت کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔ غرض تمام اہلِ دربار یزیدیت پر لعنت کر رہے تھے۔ یزید نے جب یہ منظر دیکھا تو عالمِ گھبراہٹ میں بوکھلایا ہوا اُٹھ کر اپنے محل میں چلا گیا۔

اُمِّ کلثوم کا خطبہ مدینہ کی واپسی پر

قافلہ اہلبیتِ رسولؐ اپنے دل میں عزیزوں کا درد لیئے اور سروں پر کربلا و شام کی گرد ڈالے، فتح حسینؑ کا پرچم بلند اور شکستِ یزیدؑ کا اعلان کرتا ہوا شہرِ دمشق سے روانہ ہوا اور کربلا سے ہوتا ہوا جب مدینہ پہنچا اور ہادیٔ اعظمؐ کا سبز گنبد نظر آنے لگا تو جنابِ اُمِّ کلثومؑ بنت علیؑ کے مُنہ سے بے ساختہ نکلا۔

(اے ہمارے ناناؐ کے مدینے! تو ہمارا استقبال نہ کر کیونکہ ہم حسرتوں اور مصیبتوں کے ساتھ تیرے پاس آئے ہیں۔

(اے ناناؐ کے مدینے!) تو رسولؐ اللہ کو خبر کر دے کہ ہم رنج و غم کے ستائے ہوئے آئے ہیں۔ ہمارے مردوں کے جسم بغیر سروں کے زمین طف (کربلا) پر پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے بچے ذبح کر دیئے گئے۔ ہم جب تجھ سے رخصت ہوئے تھے تو ہمارے مرد اور بچّے ہمارے ساتھ تھے۔ اور جب ہم واپس لوٹے تو نہ ہمارے مرد رہے اور نہ بچّے۔ جب ہم رخصت ہوئے تھے تو ناقوں پہ سوار تھے اور اب نا امید و مایوس واپس آئے ہیں۔ اس وقت ہمارے مولا حسینؑ ہمارے مددگار تھے اور ہمارے ساتھ تھے۔ اب جب ہم واپس آئے تو نہ ہمارے ساتھ حسین ہیں اور نہ کوئی مددگار۔ اب ہمارے لئے راحت و آرام ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے کیونکہ حسینؑ جو تمام مخلوقات کی زینت تھے وہ قبر میں نہایت رنج و غم کے ساتھ دفن ہیں۔ اب ہم حسینؑ کے لئے رو رہے ہیں۔

ان کے لئے فریاد کر رہے ہیں اور ان پر آنسو بہا رہے ہیں۔ ہم آیس اور طٰہٰ (یعنی حضرت محمدؐ) کی بیٹیاں ہیں۔ اور ہم اپنے بھائی (حسینؑ) کے غم میں رو رہے ہیں۔ اے ناناؐ! لشکرِ یزید لعین نے حسینؑ کو (بے گناہ) شہید کر دیا۔

اے بدر بزرگوار! انھوں نے آپ کی بھی کوئی رعایت نہ کی۔

اے ناناؐ! لشکرِ یزید لعین نے زینبؑ کو خیمے سے باہر نکالا اور فاطمہؑ کا کوئی مدد کرنے والا نہ تھا۔ سکینہؑ گرمی کی شدت سے بے چین تھیں اور فریاد کرتی تھیں کہ "اے بھائی! لوگوں نے ہم پر ظلم کیا (لشکرِ یزید لعین نے) زین العابدینؑ کو قید کیا اور ان کے قتل کا ارادہ کیا دراں حالانکہ وہ خود نہایت رنج و غم کے مارے ہوئے تھے۔ ظالموں نے ہم کو شہر بہ شہر پھرایا اور تمام لوگوں کے سامنے ہم کو ذلیل کیا۔ یہ ہیں ہمارے واقعات اور حالات۔ اے مسلمانو! ہم پر گریہ و بکا کرو اور ہمارا غم مناؤ۔" (مقتل ابو اسحٰق ص ۱۹۶)

حق حق ہے
جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے

وہ خطبہ جو معاویہ بن یزید نے اپنے باپ یزیدؔ کی موت پر خلافت سے دست برداری کے موقعہ پر پڑھا

(صاحب حیٰوۃ الحیوان کہتے ہیں کہ) یزیدؔ کے بعد معاویہ بن یزید خلیفہ ہوا۔ یہ اپنے باپ سے بہتر تھا۔ اس میں دین و عقل دونوں تھے جس روز اس کا باپ مرا اسی روز اس کی بیعت کی گئی۔ جس پر چالیس روز تک یہ باقی رہا۔ اس کے بعد اس نے خلافت سے استعفا دے دیا۔

کئی شخصوں نے ذکر کیا ہے کہ معاویہ بن یزید نے جب اپنے کو خلافت سے اتارا تو وہ منبر پر گیا اور جانے کے بعد بڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ اس کے بعد اس نے اللہ کی حمد و ثنا بہترین طریقہ سے کی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی با حسن وجوہ ستائش کرنے کے بعد یوں مخاطب ہوا ______

"لوگو! مجھ کو تم پر حکومت کرنے کی مطلقاً رغبت نہیں ہے کیوں کہ تمہارے طریقوں کو میں سخت ناپسند کرتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم ہم (بنی امیہ) کو بھی اب (واقعۂ کربلا کے بعد) کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھتے کیوں کہ ہم نے ایک دوسرے کو اچھی طرح آزما لیا ہے۔"

سنو! میں آج اعلان کرتا ہوں کہ میرے دادا معاویہ نے اس خلافت کے معاملہ میں اس شخص (علیؑ بن ابی طالب) سے مخالفت مول لی جو نہ صرف معاویہ، بلکہ "دوسروں" کے مقابلہ میں بھی خلافت کا زیادہ سزا وار تھا۔ کیوں کہ وہ ______ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

قریب ترین عزیز تھا۔ فضائل اس کے بہت زیادہ تھے۔ اسلام میں اس کو سبقت حاصل تھی، تمام صحابہ و مہاجرین سے اس کی قدر و منزلت زیادہ سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ ذی علم، سب سے پہلے با ایمان، سب سے زیادہ شرف و مرتبہ رکھنے والا، سب سے قدیمی مصاحب رسولؐ بلکہ ان کا عم زاد ـــــــــ داماد ـــــــــ اور بھائی تھا۔ (انہی فضائل کی وجہ سے) رسولؐ نے اپنی با مرتبہ دختر فاطمہؑ کی شادی ان کے ساتھ کر دی اور اُن کو اپنی پسند سے سیدہؑ کا شوہر بنایا اور اسی طرح سیدہؑ کو اپنی پسند سے علی کی زوجہ بنایا۔ رسولؐ کے دو نوں نوا سے جوانانِ جناں کے شہزادے، جو اس امت سے افضل تھے، رسولؐ کی آغوشِ رحمت کے پروردہ تھے، فاطمہؑ کے لال، طیب و طاہر و پاکیزہ شجرہ کے میوۂ مراد یعنی حسنؑ و حسینؑ انہی علیؑ کے فرزند تو تھے ـــــــــ

مگر بایں ہمہ میرے دادا نے ان (علیؑ) کے ساتھ وہ کیا جس سے تم واقف ہو اور تم نے بھی جو کچھ کیا وہ بھی تمہارے پیشِ نظر ہے یہاں تک کہ میرے دادا کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے (اور دل کھول کر وہ دادِ عیش دے گئے) مگر جب اس کی اجل پہنچ گئی اور موت کے پنجے نے اس کو اپنی گرفت میں لے لیا تو اب وہ اس عالم میں ہوگا کہ اپنے اعمال کے پھندوں میں گرفتار، اکیلا و لاچار اپنی قبر میں پڑا ہے اور جو کچھ اس کے ہاتھوں سرزد ہو چکا ہے اس کے سامنے ہے جو مظالم اس نے کئے ہیں اُن کا خمیازہ اس کے پیشِ نظر ہے ـــــــــ اس کے بعد اس کے بیٹے اور میرے باپ یزید کی طرف یہ خلافت منتقل ہوئی تو وہ بھی اسی ہوا و ہوس کا شکار ہو کر تمہارا حاکم بن بیٹھا جس طرح اس کا باپ (معاویہ) بنا تھا۔ اور میرا باپ یزید تو اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے اور اپنی جان پر ظلم کرنے کی وجہ سے اُمت محمدؐ میں خلافت کا کسی طرح اہل نہ تھا کیوں کہ وہ تو ہوا و ہوس کے گھوڑے

پر خوب اچھی طرح چڑھ گیا تھا اور اپنی خطاؤں کو اپنا حسن سمجھنے لگا تھا اُس نے وہ اقدامات کئے جن سے اللہ کے مقابلے میں سرکشی اور بغاوت ظاہر ہے۔ اس نے تو اولادِ رسولؐ کا خون بہا کر ان کی بے حرمتی کی اب وہ اپنے گڑھے میں جکڑا پڑا اور اپنی سیہ کاریوں کے شکنجہ میں گرفتار ہے۔ اس کے مزے سب ختم ہو گئے، ان کا بوجھ اور ان کے نتائج بد برقرار ہیں۔ اب وہ بھی وہاں پہنچ گیا (جہاں اس کا باپ گیا) اور اب وہ نادم ہو رہا ہوگا مگر کب؟ جب کہ اس کو اس کی ندامت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی اب وہ ایسی حالت میں گرفتار ہے کہ ہم اس کا غم بھول گئے اب تو ہم کو اس کی حالتِ زار پر افسوس ہے (کہ کس عذاب میں مبتلا ہوگا) کاش کہ! کچھ پتہ چلتا کہ اس نے اپنے رب کے سامنے کیا عذر تراشے اور اس کو ان عذروں کا کیا جواب ملا، کیا اس کو اس کے گناہ کی سزا ملی اور اس کے کرتوتوں کی مجازات ہوئی .... یہ میرا گمان ہے .... اتنا کہہ کر گریہ اس کے گلوگیر ہو گیا اور وہ زار و قطار اونچی آواز سے بڑی دیر تک روتا رہا۔ جب گریہ تھا تو پھر تقریر جاری کی ....

...."اب میں بھی بنو امیہ کا تیسرا خلیفہ بنا ہوں لیکن عالم یہ ہے کہ مجھ سے ناراض افراد بہ نسبت راضی کے زیادہ ہیں۔ میں اپنے میں اس کا بوتا نہیں پاتا کہ تمہارے گناہوں کا پشتارہ اپنے کاندھوں پر اٹھاؤں۔ اللہ مجھے تمہارے بوجھوں سے جھکا ہوا نہ دیکھے اور نہ تمہارے گناہوں کو سمیٹ کر اس سے ملاقات کروں۔ اب تم جانو اور یہ خلافت! لو اس کو سنبھالو اور جس کو چاہو اپنا خلیفہ بنا ڈالو کیوں کہ میں نے اپنی بیعت تمہاری گردنوں سے اتار لی۔ خدا حافظ۔"

مروان بن حکم منبر کے نیچے ہی بیٹھا ہوا تھا۔ جب معاویہ کی

تقریر یہاں تک پہنچی تو وہ بولا اے ابولیل (معاویہ کی کنیت) آپ کا کیا مطلب ہے ہم لوگ حضرت عمر کے طریقہ پر چلیں ؟ اب اس کا معاویہ نے جو کچھ جواب دیا ہے وہ اصل عربی عبارت میں مرقوم ہے۔ شاید ترجمہ میں کوئی کسر رہ جائے یا کسر شان ہو جائے اس لئے وہیں ملاحظہ فرمالیں ــــــــــ

آخر میں معاویہ نے یہ کہہ کر اپنا خطبہ ختم کیا ــــــ خدا کی قسم اگر خلافت کوئی فائدہ بخش چیز تھی تو میرے باپ نے اس سے سوائے نقصان و معصیت کے اور کچھ نہ پایا ــــــــ اور اگر یہ (خود ساختہ) خلافت بڑی شے تھی تو اس نے جو کچھ اس میں سے حصہ لیا وہی اس کے لئے کافی ہے"

یہ کہہ کر وہ منبر سے اتر آیا اور محل سرا میں چلا گیا۔ محل میں اس کے اعزا و اقارب غم و غصہ کی حالت میں داخل ہوئے۔ سب سے زیادہ اس کی ماں کو اس ہونہار سپوت پر غصہ تھا، جس نے ساری کی کرائی کرکری کر ڈالی اور برسرعام بھانڈا پھوڑ دیا۔ اس نے کہا "معاویہ! کاش کہ تو پیدا ہونے کے بدلے حیض بن کر نکل جاتا اور یہ روز بد میں نہ دیکھتی" معاویہ نے جواب دیا "آپ جو فرماتی ہیں درست ہے مجھے خود اپنے وجود پر سخت افسوس ہے کیوں کہ اگر میرے پروردگار نے مجھ کو نہ بخشا تو میں کہیں کا نہ رہا ــــــــ معاویہ بن یزید کا ایک استاد تھا جس کا نام "عمر مقصوص" تھا۔ اب سب [illegible] پل پڑے اور اس سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب [illegible] تو ہی نے علیؑ و اولاد علیؑ کی محبت و الفت اس کے دل میں ڈال دی ہے اور اس نے ہمارے عیوب جو کچھ بیان کئے ان میں تیری ہی کارستانی ہے۔ عمر بے چارے نے ہر چند اپنی برأت پیش کی مگر "کون سنتا تھا

فغانِ درویش یا بے چارے کو قبر کھود کر زندہ دفن کر دیا۔ چند روز نہ گزرے تھے کہ معاویہ بھی اس حق گوئی کے بعد صرف ۲۳ برس کی عمر میں رات کے وقت انتقال کر گیا۔ (بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس کو قتل کرایا گیا)

حیٰوۃ الحیوان جلد نمبر ۱ ص ۵۵۔ تاریخ خمیس جلد نمبر ۲ ص ۳۰۱ تحریر الشہادتین ص ۱۰۳۔ تاریخ اسلام جلد نمبر ۱ ص ۳۸ وغیرہ وغیرہ۔

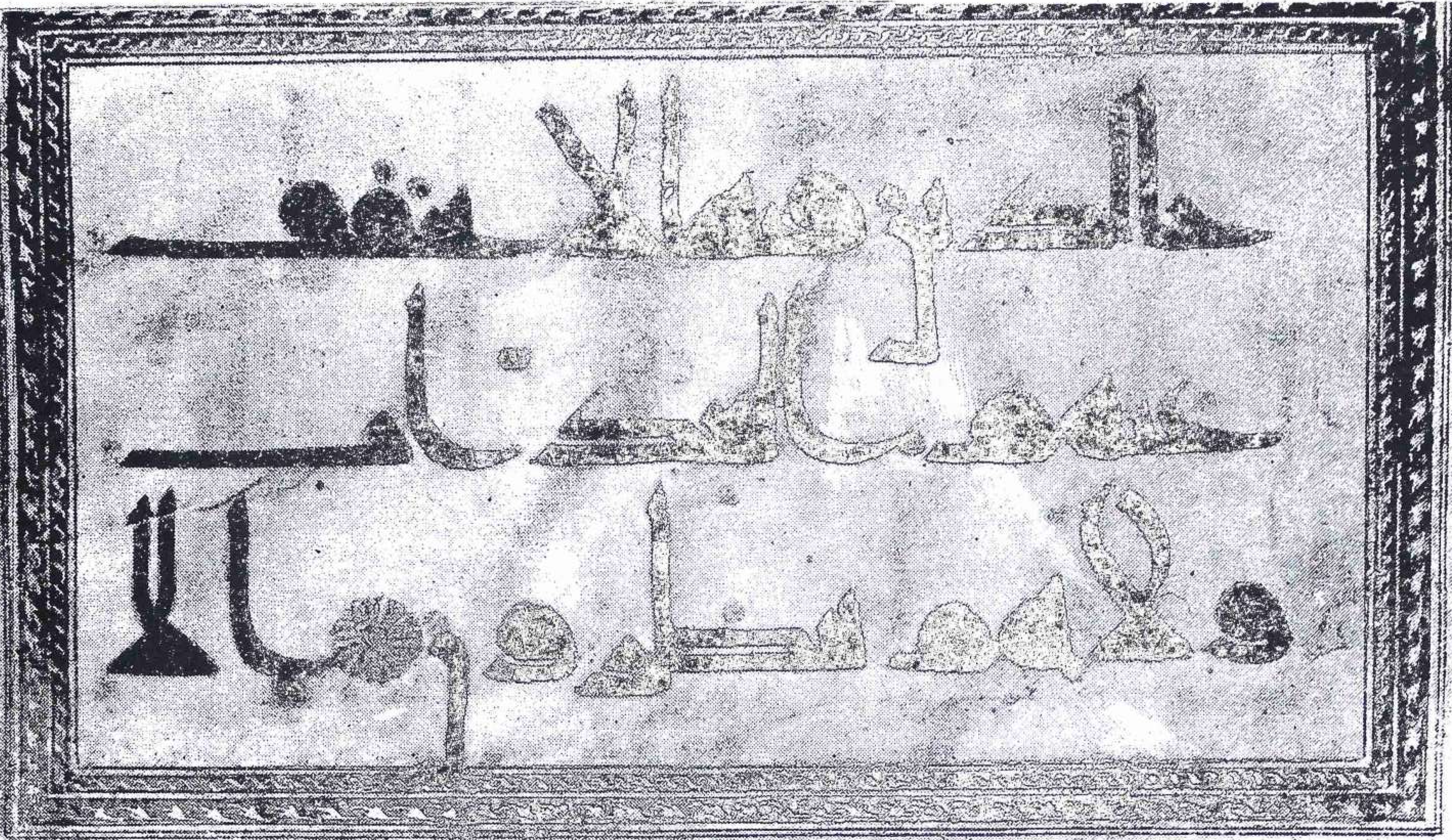

بخط مبارک مولا و آقا حضرت امام حسن علیہ السلام

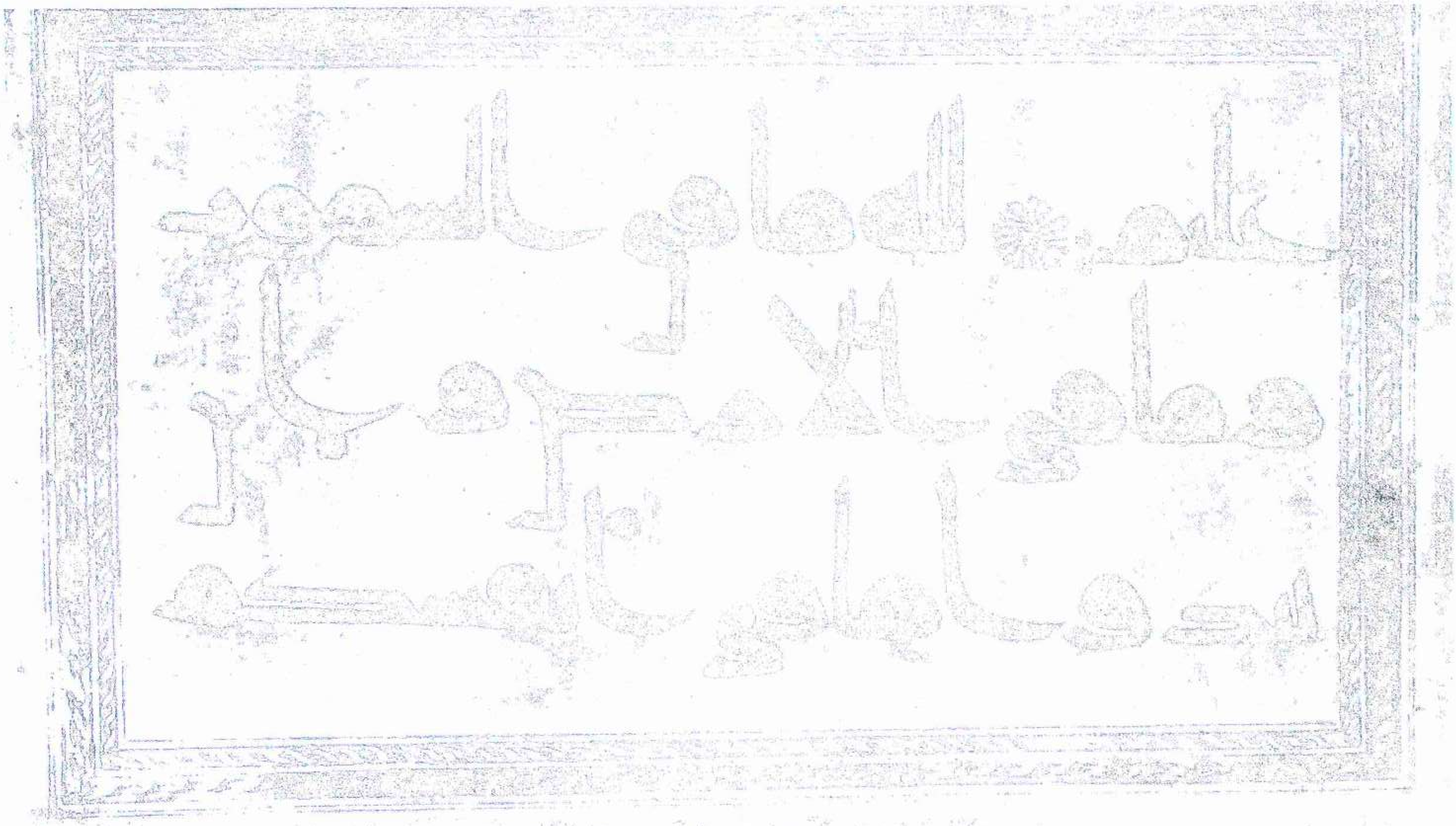

سیرت کی روشنی میں

نوحہ کی چند مثالی صُورتیں

نوحہ ندبہ عربی الفاظ ہیں جس کے معنی ہمارے محاورہ میں میت پر بین کرنے کے ہیں تعریف یہ ہے کہ میت کا بطور غم اس کے عمدہ صفات کے ساتھ ذکر نوائح ونائحات ان عورتوں کو کہتے ہیں جو کسی کی صف ماتم پر بیٹھ کر آہ و بکا کرتی ہیں نوحہ کا لفظ آج غلبۂ استعمال سے تذکرۂ مصائب امام حسین اور آپ پر گریہ کرنے سے مخصوص ہو گیا ہے جس طرح نوحہ کے بولنے پر نظم ہی کی ضرورت سمجھ میں آتی ہے حالانکہ بجائے خود نوحہ میں نظم یا نثر کی کوئی قید نہیں ہے نوحہ کے جواز یا عدم جواز کی بحث نہ چھیڑتے ہوئے صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور نوحہ تقاضائے فطرت اب اس تقاضہ کی رعایت کسی حد تک شریعت اسلام کی ہے یہ اسی وقت معلوم ہوگا جب عدم جواز کے فتوؤں کی جانچ قرآن حدیث و سیر سے کی جائے گی مطالعہ یقیناً ہم کو اس قسم کی شہادتیں فراہم کرتا ہے کہ نوحہ نہ محض ایک رسم ہے بلکہ عمل شارع کی موجودگی میں شریعت کی بات ہے آئندہ جس کی مثالیں آپ کے سامنے آنے والی ہیں اس بات کا یقین کیجئے کہ نوحہ نہ بے صبری ہے نہ صبر بے حسی کا نام ہے چوٹ لگتی ہے تو منہ سے آہ ضرور نکلتی ہے صدمہ پہنچتا ہے تو اس کا ردعمل ضرور ہوتا ہے بے شک وہ رونا جس میں میت کے اٹھنے سے اللہ پر الزام رکھا جائے اس سلسلے میں خلاف حق اظہار ہو قضا و قدر الہٰی کو انصاف پر مبنی نہ سمجھا جائے یقیناً ناجائز و حرام ہے لیکن اگر راضی و برضا رہ کر انصاف کا یقین کرتے ہوئے مرنے والے کو اس کے صفات و خصوصیات کے ساتھ بطور غم یاد کیا جائے جو خصوصیات یا فوائد اس کے ساتھ ساتھ رخصت ہو گئے تو یہ رونا عین انسانیت و شرافت ہے اس رونے پر قدغن نہ عقل کی طرف

سے ہے نہ شریعت کی جانب سے اسی مطلب کو شاعر نے نظم کیا ہے دل ہی
تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں، روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں
ستائے کیوں۔ فطرت کو اپنی عادت کا پابند بنانا ایسا ہی ہے جیسے لاٹھی مار کر پانی
الگ کرنا۔ نوحہ فطرت اور نوحہ سے رکنا یا روکنا خلاف فطرت ہے رہی یہ بات کہ
نوحہ میں زیادتی یا کمی کسی تسلسل کیا تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ نوحہ و بکا میں مرنیوالے
کی حیثیت و شخصیت کو پورا پورا دخل ہے اسی بناء پر اس کی زندگی مختصر و طویل ہوتی
ہے جیسی جس پایہ کی شخصیت ہوگی کم از کم ویسا ہی اس کا اثر ہوگا کم و بیش نوحہ کی تان
بھی کھنچی گی ایک مومن اور عالم عالم کی موت برابر نہیں۔ ایک عالم اور ایک اعلم کی موت
یکساں درجہ نہیں رکھتی ایک عالم اور ایک ولی اللہ کی موت کا پلہ ایک نہیں۔ ایک
امتی اور ایک نبی کی موت ہم وزن نہیں ایک نبی اور ایک رسول کی موت ایک درجہ کی
نہیں رسول اور رسول عزیم کی اور اولوالعزم اور سید المرسلین خاتم النبین کی رحلت و آئمہ طاہرین
کی شہادت و وفات میں بدرجہ تفاوت ہے اگر مومن پر نوحہ گھر سے محلہ و بستی تک
پھیل کر ختم ہو جاتا ہے تو عالم کا ماتم متعلقہ علمی حلقوں تک منتہی ہوتا ہے تمام حلقہ ائمہ
تک رہتا ہے اعلم کا ماتم دنیا میں دور تک ہوتا ہے نبی پر نوحہ پوری امت میں برپا
ہوتا ہے اور رسول یا رسول عزیم کے نوحہ کی بساط اس سے بھی دور تک پھیلتی ہے۔
جب نوحہ کی رو اس تدریج سے دوڑتی ہے تو خاتم النبین آئمہ طاہرین پر نوحہ کی
کائناتی آفاقی اثر کے ساتھ پھیلنا ہی چاہیئے نہ محض موت بلکہ نوحہ میں صورت موت
کو بھی بڑا دخل ہے۔ موت جیسی دردناک ہوگی اسی اعتبار سے نوحہ و ماتم ہوگا۔
ایک بچے کی موت ایک جوان کی موت، ایک بوڑھے کی موت، ایک باصفات کی موت
ایک غریب مسافر کی موت، ایک زخمی کی موت، ایک پیاسے کی موت، ایک ستم دیدہ
و ستمہام کی موت، ایک امام کی موت۔ ایک محافظ اسلام، حافظ شریعت کی موت میں
باہم بڑا فرق ہے پھر اگر کسی کی موت میں مصیبتیں ساری کی ساری جمع ہو جائیں تو اس پر
نوحہ و بکا کس قدر سخت اور شدید ہوگا اور مدت تک کھینچی ہوئی ہوگی جو لفسیات

سے باخبر ہیں کہ نوحہ کوئی تصنع و تکلیف کی بات نہیں اور اگر تصنع سے پیدا بھی ہو تو بھی وہ دیرپا نہیں بن سکتا۔ عیسائیوں نے کیا کچھ کم تدبیریں کیں کہ جناب عیسیٰ کے فرضی سولی کا قصہ سنا کر رلایا جائے اور آج تک اس امر کی کوشش ہے لیکن تصنع کی بات نہ چلی ہے نہ چل سکتی ہے لہٰذا سید الشہدا امام حسین علیہ السلام پر جو آج برسوں سال سے نوحہ ہو رہا ہے اس میں کسی شناخت ساز کو دخل نہیں بلکہ آپ کے مظلومانہ شہادت کی صورت و ہجوم مصائب کی یادگار کائنات میں اس طرح رچ بس گئی ہے کہ نام آتے ہی دل بھر آتا ہے آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا اٹھتی ہیں حالاں کہ نہ کوئی رونے کی فرمائش کرتا ہے اور نہ کسی مصیبت کو بیان کر کے رلاتا ہے معلوم ہوا کہ خود انسان فرض انسانیت پورا کرتا ہے۔ پانی کا بہاؤ روکنا آسان ہے لیکن نوحہ کی بندش مشکل ہے سیل اشک اگر جاری ہو گئے تو اس کے سرچشمہ کا بند کرنا بیکار دارد۔ اس لئے کہ اس کا سوتا دل سے پھوٹتا ہے اور آنکھوں کی راہ سے بہتا ہے۔ فطرت سے لڑنا، پہاڑ سے ٹکر لینا برابر ہے امام حسین کے نوحہ پر روکنے کی تدبیریں حکومت کی طرف سے نہیں ہوئیں۔ بڑی کوشش یزید نے کی کہ غم ابھرنے نہ پائے دب جائے لیکن اور تو اور خود پایہ تخت شام میں حسین پر نوحہ نہ رکا۔ صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے کہ شام میں جب نواسۂ رسول امام حسین کی شہادت کا چرچا ہونے لگا۔ گھر، باہر، مسجد ہر جگہ دو چار لوگ جب بھی اکٹھا ہوئے، ذکر حسین شروع ہو گیا۔ یزید کو جب اس امر کی خبر ہوئی تو اس نے قرآن کے پارے کر کے مسجدوں میں رکھوا دیئے تاکہ نماز ختم ہو تو وہ پارے تلاوت کے لئے ہر نمازی کے پاس دکھلائے جائیں تاکہ باہم کوئی ذکر شہادت نہ چھیڑے۔ لیکن حکومت کی یہ عیارانہ بخشش ثواب کی چال نہ چل سکی ختم نماز پر ذکر شہادت ہی بجائے تلاوت جاری ہوا۔ بھلا مٹی ڈالنے جناب یحییٰ کا بے گناہ خون بند ہوا۔

کتابیں گواہ ہیں کہ خون کی چھینٹ جو کنوئیں میں گری۔ طوفان نوح بن گئی پانی خون ہو کر ابلا اور ابلتا ہی رہا۔ مٹی سے دبانے کی کوشش کی گئی جس سے یہ تو ہوا کہ کنواں پٹ گیا لیکن خون نشیب سے فراز پر پہنچا جس قدر مٹی ڈالی خون ابھرا

اور ابھرتا ہی گیا۔ آخر مٹی کا ڈھیر پہاڑ کا ٹیلہ بن گیا جس کی چوٹی خون سے ابال کھا رہی تھی اب یہ خالص بغیر آمیزش خون تھا اور بے گناہی کی نشانی اللہ نے انہیں ہاتھوں سے جنھوں نے نبی کا خون کیا تھا اور خون کو چھپانے کے درپے تھے غم کی شدت دی بیگناہی کا نشان زمین کی پستی سے آسمان کی بلندی پر پہنچا یزیدی مسلک پر چلنے والے نوحہ و ماتم امام مظلوم کو رد کرنے کی کوشش دنکریں یاد رکھیں کہ وہ نوحہ کو جتقدر روکیں گے نوحہ اور بڑھے گا بندش ایسی چیز ہے کہ پانی غصہ سے دم نہیں لیتا، دیوار سے ٹکراتا رہتا ہے موجیں بنتا بلند بڑھتی اور سر دھنتی رہتی ہیں قطرے چیخ کر لاوے کی صورت بکھر جاتے ہیں بالآخر پیہم مقابلہ سے مضبوط سے مضبوط بند کمزور پڑتا ہے پھر پانی کا سیلاب ان حدود میں جاکر پھیلتا ہے جو بندش سے پہلے محفوظ تھے مجھے اس وقت نوحہ کی تاریخ و تدریجی صورت و کیفیت تمام تر نہیں پیش کرنا ہے صرف نوحہ کی معنوی چند مثالیں پیش کرنا مقصود ہیں۔ نوحہ کا موضوع بہت بڑا موضوع ہے اگر یہ تمام و کمال مدون ہو تو ایک ضخیم دفتر کی صورت میں ہمارے سامنے آئے گا۔ ایک فرزند رسول الثقلین حضرت ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام کے جو نوحے کتابوں میں مذکور ہیں یا آج تک برابر نظم ہو رہے ہیں اگر ان کی تحقیق کی جائے اور تحریر ہو تو بڑی کتاب بن جائے گی فہرست ہی ایک لامبے سلسلے پر ختم ہوگی۔ انبیاء کے نوحے، فرشتوں کے نوحے، جنوں کے نوحے، انسانوں کے نوحے، حیوانات کے نوحے، نباتات کے نوحے، جمادات کے نوحے، عزیزوں کے نوحے اور دوسروں کے نوحے، قبل شہادت کے نوحے، بعد شہادت کے نوحے، مختلف زمانوں کے، مختلف زبانوں کے نوحے، نثر میں نوحے، نظم میں نوحے، پرانے طرز کے نوحے، نئے طرز کے نوحے، نوحے کے اقسام تبلیغی، ملکی، اصلاحی وغیرہ وغیرہ ایک تاریخی عنوان سے اگر ان سب کو مرتب کیا جائے تو یہ اہم کاوش ہوگی خدا کرے کہ کوئی صاحب قلم اس پر اپنی توجہ منعطف کرے۔ ذیل میں ہم صرف اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں کہ نوحہ ایک طبعی فعل اور فطری بات ہے جو شرعی قباحت سے دور رہے انبیاء، اولیاء، علماء، اتقیاء کا وتیرہ رہا ہے چند مثالیں پیش ہیں۔

(ابوالبشر جناب آدم کا نوحہ) جس وقت قابیل باپ کی خدمت میں پہونچا جناب آدم نے احوال پرسی کی، پوچھا ہابیل کہاں ہے، جواب دیا، جیسے میں ہی ان کا کفیل و محافظ تھا کہ آپ مجھ سے طلب کر رہے ہیں غالباً اُن کی بھیڑ بکریوں نے ہماری کاشت کا نقصان کر ڈالا ہے جس کے ڈر سے وہ بھاگ گئے ہیں اسی جواب سے جناب آدم سمجھ گئے حقیقت حال کیا ہے بعض کتابوں میں میں نے خود دیکھا ہے کہ جبرئیل نے آنحضرت کو واقعہ شہادت ہابیل سے باخبر کیا۔ ہر دو صورت میں جناب آدم فرزند کے مرنے پر بہت روئے اس لئے کہ ہابیل نہایت رشید و عقیل تمام بیٹوں پر تھے حضرت آدم ان کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے چنانچہ آپ نے سریانی زبان میں چند کلمے کا مرثیہ مرتب کیا اور اس کو تمام بیٹوں کے سپرد فرمایا اور یہ نصیحت فرمائی کہ اس کو نسلاً بعد نسل پڑھا جائے اور مراسم عزاء مصیبت ہابیل اگلی پشتوں میں بجا لائے جائیں یہاں تک کہ جب یسیح بن یعرب بن مخطان کا دور آیا تو ان کلمات کو عربی نظم کی صورت دیدی گئی جس کا پہلا شعر یہ ہے۔ تغیرت البلاد و من علیہا، و وجہ الارض مغبر قبیح، آبادیاں اور ان کے رہنے والے دونوں غم سے پھٹ گئے اور زمین کا چہرہ بے رونق گرد آلود ہو گیا۔ مشہور ہونے کی بنا پر اسی شعر کے نقل پر اکتفا کی جاتی ہے جناب آدم نے عزائے ہابیل کے مراسم سے فراغت کے بعد قابیل پر لعنت کی روضۃ الصفا ج ۱ ص ۱۲ معلوم ہوا کہ شہادت ہابیل پر نہ محض جناب آدم روئے اور مرثیہ مرتب کیا اور بلکہ آئندہ تمام نسلوں کو اقامہ عزا ہابیل کی وصیت فرمائی اسی حیثیت سے یسیح بن یعرب بن مخطان نے سریانی زبان کے مرثیہ کو عربی نظم میں منتقل کیا مرثیہ کا پہلا شعر شاہد ہے کہ جناب ہابیل کے قتل ہونے سے دنیا کا حال دگرگوں ہو گیا اور اس کی رونق جاتی رہی افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را پھر جناب آدم جب مراسم عزا بجا لا چکے تو قابیل پر لعنت و نفرین کی یعنی قاتل پر لعنت کرنا بھی سنت آدم ہے جس کو آدمی ہو کر کوئی چھوڑ نہیں سکتا۔ تفسیر محمدی پ ۶ سورہ مائدہ ع ۵ میں اس طرح تحریر ہے کہ حضرت آدم کے دو بیٹے تھے قابیل اور ہابیل بڑے بھائی قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا اس اس غم میں حضرت آدم بہت روئے اور مرثیہ نظم کیا زندگی

بھر معمول رکھا کہ ہر سال اسی تاریخ مرثیہ پڑھ کر خود روتے اور دوسروں کو رلاتے ایسا کرنے کی اولاد کو بھی وصیت کی۔

جناب یعقوب کی فراق یوسف میں آہ وزاری

اگرچہ اس کو نوحہ ندبہ مرثیہ نہیں کہیں گے لیکن صورت نوحہ سے کم نہیں ہے کہ جناب یعقوب کی روتے روتے حالت یہ پہنچی کہ آنکھوں کی بینائی رخصت ہوگئی ہائے افسوس یوسف۔ بس آپ کی زبان پر تھا۔ سورۂ یوسف ر۱۳ ع ۱۲، روضتہ الصفا ج ص ۵۲ پر کچھ فقرے درج ہیں جو بیتابی میں جناب یعقوب کی زبان سے ادا ہوئے۔ اے یوسف اے فرزند، اے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اے خنکئ دل کس کنوئیں میں تجھ کو ڈال دیا کس سمندر میں تجھے ڈبو دیا۔ کس تلوار سے مارا تجھے۔ کس جگہ تم کو دفن کیا۔

نوحہ یعنی بین میت پر آدم سے سلسلہ بسلسلہ ہر نسل ہر دور میں ہر شخص تک پہنچا۔ انبیاء اولیاء، اتقیا اصفیا، سبھی اس میں شامل ہیں جناب ہارون کے انتقال پر تیس دن یعنی پورے ایک مہینہ تک جناب موسیٰ بنی اسرائیل سمیت روئے (توراۃ سفر ۴) جناب یوشع بن نون وصی جناب موسیٰ نے وفات پائی تو آپ کے جانشین جناب داؤد نے گریہ کیا (سموئیل ر س A تا ۲) حضرت یحییٰ اس قدر روتے کہ رخسار گل گئے۔

شہادت جناب حمزہ پر ماتم

جس وقت رسول اکرم (جنگ احد ختم ہونے پر) انصار کے گھروں کی جانب سے گزرے تو سنا رونے والیاں اپنے شہیدوں کا ماتم کر رہی تھیں آپ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے فرمایا لیکن حمزہ پر کوئی بھی رونے والا نہیں جس وقت جناب حمزہ پر رونے کی آواز کان میں آئی آنحضرت جھکے دیکھا خواتین مسجد کے دروازہ پر مصروف بکا ہیں آپ نے کہا اچھا واپس جاؤ خدا تم پر رحمت نازل کرے یقیناً تم نے مواسات وہمدردی کی (تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۹۹)

مدارج النبوت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے دعا آنحضرت لکھی ہے تمہاری اولاد سے اور اولاد کی اولاد سے راضی وخوش ہوں ج ۲ ص ۱۳۲ نمبر شاہ صاحب اس

کی روایت کے مطابق ہے۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے جناب حمزہ سے زیادہ کسی اور پر آنحضرت کو گریہ کرتے نہیں دیکھا۔

آپ جنازہ پر کھڑے ہو کر روئے، روتے روتے آواز یہاں تک بلند ہوئی کہ بیہوش ہو گئے۔ فرماتے تھے کہ اے حمزہ رسول کے چچا۔ اے خدا کے شیر، اے رسول کے شیر، اے حمزہ اے نیکیاں کرنے والے اے حمزہ اے مصیبتوں کے دور کرنے والے اے حمزہ اے دشمنوں کو رسول کے سامنے سے بھگانے والے، دو ازیں جا معلوم می شود کہ در ندبہ دبے طاقتی فریاد آہ و نالہ نیز بوجود آمدہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بین اور بے طاقت ہونے میں فریاد آہ و نالہ بھی ہوتا ہے (مدارج النبوۃ ج ۲)

تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ زنان انصار کا دستور بن گیا تھا کہ وہ بغیر جناب حمزہ پر روئے اپنی میت پر نہیں روتی تھیں۔ (ج ۲ ص ۲۷۴)

معلوم ہوا کہ جناب حمزہ کی شہادت پر آنحضرت نے نوحہ کی فرمائش کی خود فرمایا اور نوحہ کرنے والی عورتوں کو ان کی بعد کی نسل در نسل تک دعا دی رسول اکرم نے اس مجلس ماتم میں شرکت مواسات سمجھا، نوحہ فرماتے ہوئے بے ہوش ہو جانا جواز نوحہ کی بین دلیل ہے۔

آنحضرت کی وفات پر نوحے

امیر المومنین حضرت علی ابن طالب فرماتے ہیں کہ رسولؐ کی وفات پر میں نے ملک کی آسمان سے وا محمد کی آواز سنی۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۳۱

بیٹی کے بین !

اے بابا! آپ نے دعوت قبول فرمائی بابا جان آپ نے فردوس بریں کی راہ لی۔ ہائے بابا جبرئیل کو آپ کی موت کی خبر کون پہنچائے گا۔ ہائے بابا جان اب کس پر وحی لیکر جبرئیل آئیں گے میرے [illegible] روح فاطمہ کو بابا کی خدمت میں پہنچا، خداوندا مجھکو اپنے رسول کا ساتھی بنا، خدا [illegible] حبیب کے ثواب سے مجھ کو محروم نہ کرنا۔ روز قیامت آپ کی شفاعت سے بے نصیب [illegible] رکھنا۔

بیٹی کا مرثیہ

آنان خاک لنثر، سورج کو گہن اور زمانہ تیرہ و تار [illegible]

زمین بعد نبی درد سے بھری تصویر حزن وملال ہے۔

قبر رسول پر بیٹی کا نوحہ

قبر مطہر کی مٹی سونگھنے پر دو شعر نہایت درد ناک فرمائے جو شخص خاک قبر رسول کی مٹی سونگھے کیا وہ پھر تمام زندگی کوئی خوشبو سونگھے گا۔ آپ کی وفات سے مجھ پر وہ مصیبتیں پڑیں جو دنوں پر اگر پڑتیں تو رات بن جاتے۔

حضرت ابوبکر کا نوحہ

روتے ہوئے حجرہ عائشہ میں آئے واحمداہ وانقطاع ظہراہ کی صدا لگائی قریب میت پہنچے چادر روئے مبارک سے ہٹا کر پیشانی کو بوسہ دیا بنا بر روایت اپنا منہ دہن مبارک پر رکھ کر موت کی بو سونگھی وانبیاہ کہا پھر سر چادر سے نکال کر رونے لگے دوسری مرتبہ پھر بوسہ دے کر واصفیاہ کہا اور سر نکال کر روئے پھر تیسری بار بوسہ دے کر واخلیلاہ بابی انت راجی طبت حیاً و میتاً الخ مدارج النبوۃ ص ۲۳۳ ج ۲

جناب عائشہ کا نوحہ

افسوس وہ پیغمبر جس نے فقر کو غنا۔ درویشی کو تونگری پر اختیار کیا۔ حیف وہ دین پرور جو ایک رات بھی گناہگار امت کی خاطر آرام سے نہیں سویا اور برابر ثابت قدمی سے اپنے نفس سے جہاد کرتا رہا صبر و استقامت سے کام لیا گیا جو ہرگز کبھی منہیات کی جانب متوجہ نہ ہوا۔ کبھی غبار ملال خاطر اقدس پر نہ آیا جس کے احسان اور نیکی کا دروازہ اہل حاجت پر کبھی بند نہیں ہوا جس کے دندان دشمنوں نے شہید کیئے پیشانی پر پٹی باندھی گئی۔ شکم مبارک جس کا دو دن، متواتر جو کی روٹی سے کبھی بھرا نہیں۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۲

ابن عباس کا نوحہ

یوم الخمیس وما یوم الخمیس جمعرات کا دن پھر اتنا روئے کہ آنسوؤں سے ٹھیکریاں تر ہوگئیں۔

دوستوں سے نوحہ کی وصیت

جس وقت جناب سکینہ نے باپ کی لاش سے لپٹ کر، بیساختہ رونا شروع کیا اور چیخیں مارتے ہوئے بے ہوش ہوگئیں تو اسی عالم میں یہ اشعار گوش زد ہوئے شیعو جب تم شیریں پانی پینا میری پیاس

کو یاد کر لینا یا کسی پردیسی غریب شہید کی سنانی سننا تو مجھ پر رو لینا۔ میں وہ نواسہ رسول ہوں کہ مجھے بے قصور قتل کیا۔

اور بعد قتل کو گھوڑوں سے لاش کو پامال کیا۔ اے کاش روز عاشور تم سب موجود ہوتے دیکھتے کہ کس طرح میں اپنے بچے کے لئے پانی طلب کر رہا تھا۔ لیکن پانی نہ دینا تھا نہ دیا۔ پانی کے بجائے آب پیکاں سے سیراب کیا۔

پانچسو سال قبل بعثت کا ایک شعر

حیواۃ الحیواۃ میری میں ہے کہ ابن زیاد نے جب لٹا ہوا قافلہ اہل حرم حسین کا کوفہ سے شام کی طرف روانہ کیا تو ابن زیاد کے سپاہیوں نے آرام لینے کے لئے ایک دیر میں قیام کیا جہاں دیوار پر یہ شعر لکھا تھا۔

کیا وہ جس نے حسین کو قتل کیا۔ یہ امید رکھتی ہے کہ آپ کے جد قیامت کے دن اس کی شفاعت کریں گے یہ دیکھ کر افسران فوج نے پوچھا کہ یہ شعر کیسا اور کس نے لکھا ہے اس نے کہا کہ تمہارے نبی کے مبعوث ہونے سے پانچ سو سال قبل کا یہ شعر ہے جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ دیوار شگافتہ ہوئی اور ایک ہاتھ برآمد ہوا جس نے دیوار پر یہ شعر تحریر کیا۔ (تاریخ خمیس صفحہ ۳۳۳)

امام شافعی کا مشہور نوحہ

جس کا ایک شعر زبان زد ہے۔ آل محمد کی مصیبت سے دنیا تاریک ہو گئی۔ زلزلے پیدا ہوئے ایسی مصیبتیں کہ جس سے ٹھوس پہاڑ پگھل کر بہہ جائیں۔

نوحہ و نوحہ گر کی صورت

محمد ابوالقاسم طبرسی نے کتاب نظلم الزہرا میں بسند اعمش عطیہ عوفی سے نقل کیا ہے کہ صحابی پیغمبر جناب جابر کے ساتھ زیارت قبر حسین کے لئے نکلا جس وقت ہم کربلا پہنچے تو جناب جابر نے فرات پر جا کر غسل کیا۔ ایک چادر اوڑھی ایک لپیٹی پھر ایک تھیلی جس میں مٹی تھی اپنے تمام جسم پر ڈالی جس کے بعد قبر مطہر کی طرف ننگے پاؤں چلے ہر قدم پر اللہ کو یاد کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ قبر کے متصل پہنچے فرمایا کہ سے کہ میرا ہاتھ تعویذ قبر پر رکھ دو۔

میں نے ہاتھ لے کر ان کا قبر شریف پر رکھ دیا بس وہیں قبر مطہر پر آپ کو غش آگیا۔ میں نے کچھ پانی لیکر چھڑکا ہوش آیا تو زبان پر تھا۔ یا حسین یا حسین پھر فرمایا اے دوست اپنے چاہنے والے کو جواب نہیں عطا کرتے پھر خود ہی فرمایا۔ کیسے جواب آپ دیں رگ گلو تو کٹ چکی ہے، سر تن سے جدا ہو چکا ہے۔ الخ

جناب زینب کا شام میں نوحہ و ماتم

تین دن تک شام میں ماتم حسین برپا رہا تمام شامی عورتیں اس بزم عزا میں شریک رہیں جس وقت اہل شام کی عورتیں اکٹھا ہوئیں تو جناب زینب نے ان کے درمیان آکر اپنا گریبان پھاڑا اور با آواز حزن پکاریں، اے بھائی، اے حسین، اے رسول کے چہیتے، اے فرزند مکہ و منیٰ اے جگر بند فاطمہ زہرا، اے دلبند مرتضےٰ پھر آہ فرمائی اور غش کھا گئیں۔

جناب ام کلثوم کے نوحہ کی کیفیت

بال بکھرائے، منہ پر طمانچے مار کر با آواز بلند فرماتی تھیں آج میرے جد حضرت محمد مصطفےٰ نے دنیا سے کوچ کیا۔ آج فاطمہ زہرا کے بین کا دن ہے اس پر دوسری عورتیں اپنے طمانچے مار رہی تھیں۔ بین کر رہی تھیں، سب کی زبان پر وامصیبتاہ واحسناہ واحسیناہ کے نعرے تھے جس وقت جناب سکینہ نے یہ کیفیت عورتوں کی دیکھی تو با آواز بلند وا محمداہ وا جداہ کہنے لگیں، پھر دو شعر فرمائے، اے کربلا ہوشیار تیری سپردگی میں وہ جسم دے رہی ہوں جس کو نہ کفن ملا نہ غسل نصیب ہو سکا اور نہ ہی دفن ہوا۔ اے کربلا ہوشیار رہنا۔ کہ تیری سپردگی میں احمد مجتبےٰ وصی مصطفےٰ کی روح دے رہی ہوں۔

جناب رباب کا مرثیہ

کبھی بعد شہادت آپ سایہ تلے نہیں بیٹھیں، دھوپ میں فرد کش ہوتی تھیں آپ نے جو مرثیہ فرمایا ہے اس کا پہلے شعر کا ترجمہ یہ ہے۔ یقیناً وہ ایسا نور تھا جس سے ضیاء حاصل کیجاتی تھی، کربلا میں قتل کر ڈالا گیا جسے دفن بھی نہ کیا گیا ان مثالوں سے نوحہ کا جواز نوحہ کی صورت و کیفیت اور اثرات پر پوری پوری روشنی پڑتی ہے آج ہمارے نوحے اور اس کی کیفیات بھی اس سے مطابقت کے سوا کوئی نئی بات نہیں پائی جاتی ہے۔

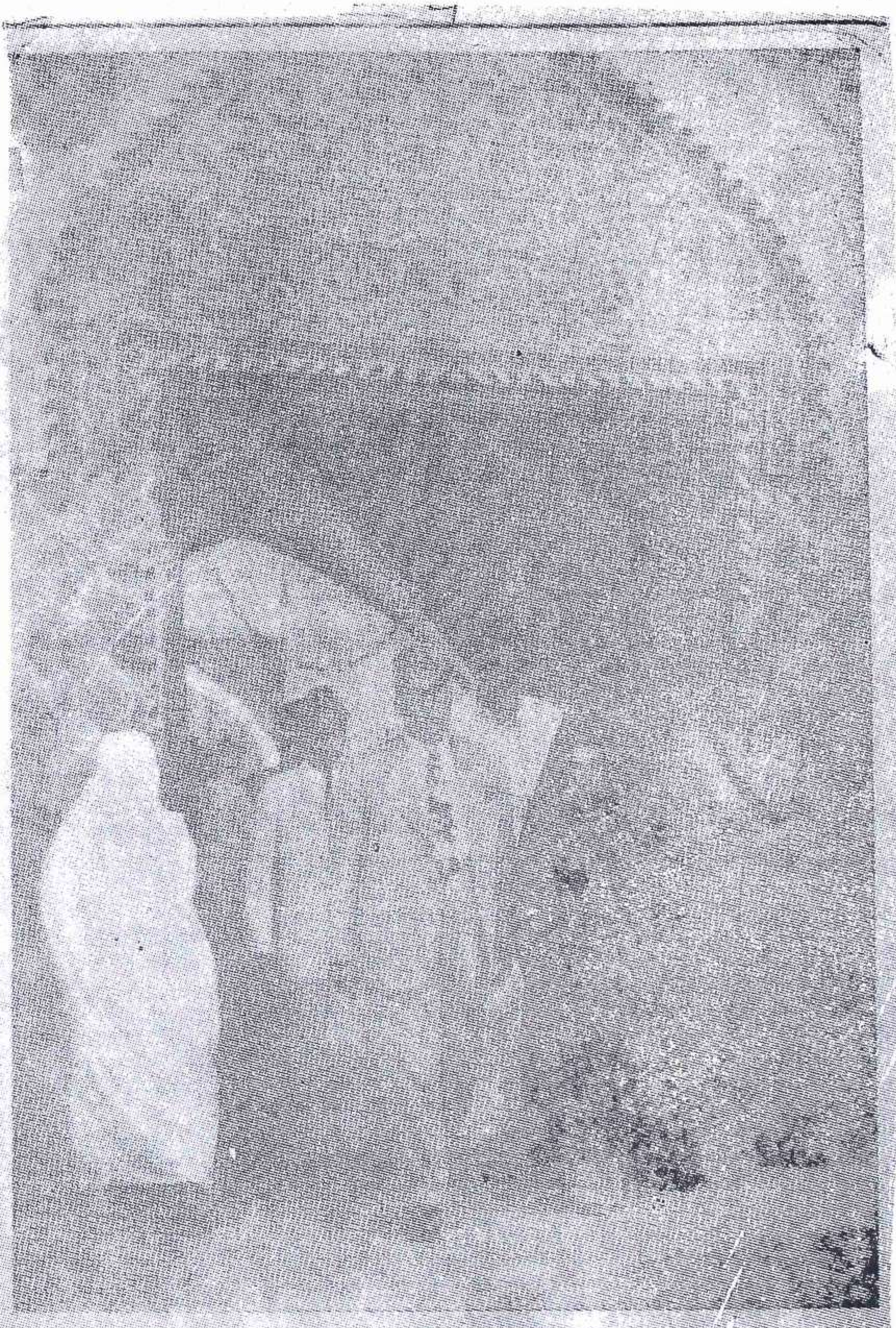

سید الشہدا حضرت امام حسین رض کے روضۂ مبارک پر پاکستان کے پہلے وزیر اعظم قائد ملت مسٹر
لیاقت علی رح شہید اور ان کی بیگم کی حاضری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

علامہ ہندی ، کلب حسین ، مرزا احمد علی ، مرزا غالب

علی نقی صاحب ، مولانا مصطفیٰ جوہر ، آغا مہدی ، نواب پریالوزان

نقاعلی ، محمد نقی رشید ترابی ، طالب جوہری ، ذوالفقار علیشاہ

خواجہ لطیف انصاری

غلام جیلانی برق

کتب کا وہ حصہ

علمائے کرام اور دانشور

نجم الحسن کراروی

سید محمد دہلوی

اکبر علی

جس کو

• محمود گیلانی

• عبدالکریم مشتاق

• مولانا بشیر انصاری

مولانا عادل

• جوش ، شورش کاشمیری

• حضرت میتن —— !

دنیا کا نجات دہندہ حسینؑ

نوشتہ سرکار علامہ ہندی صاحب اعلی اللہ مقامہ

وہی نجات دہندہ ہو سکتا ہے۔ جو خود نجات یافتہ ہو۔ ایسے نبی بعض تو وہ تھے جنہوں نے چند افراد کو نجات دلائی۔ بعض نے کسی خاص قوم قبیلہ کو نجات دلائی۔ بعض ایسے بھی گزرے جن کے اعمال و کردار سے ان کی سچی تعلیمات سے جملہ اقوام عالم نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

ہم امام حسینؑ کی مقدس ذات کو اس صف میں پاتے ہیں جو عالم کا نجات دہندہ تھا آؤ ہم امام حسینؑ کی کامل الذات اور کامل الصفات کو ہندو نقطۂ نظر سے جانچیں۔

ہندو دھرم چار مذاہب کا مجموعہ ہے۔ سنت مت جو ہندوستان کا قدیم مذہب ہے جین جو سب سے قدیم دھوم کا مدعی ہے۔ ویدک دھرم جو آریوں کا مذہب ہے بودھ دھرم مذکورہ ہر چہار مذاہب نے متفقہ طور سے نجات (نربان یا موکش) کو انسان کا انتہائی مقصد تسلیم کیا ہے۔ ہر چند کہ ہر مذہب اپنے جداگانہ طریقوں سے انسانوں کو نجات حاصل کرنے کے تدابیر بتاتا ہے۔

سنت مت

یہ مذہب نجات کو ترک دنیا اور فقر و روحانیت کے سوا کسی چیز کو موجب نجات نہیں سمجھتا۔ سنو! ہم تم کو حسینی شان اس دھرم کے مطابق بتائیں۔

امام کی ترک دنیا و فقر کی زندگی صغر سنی سے ان کا طرہ امتیاز تھا۔ تاریخیں دیکھو روزے پر روزے رکھنا اور سامنے کی رکھی ہوئی جو کی روٹی مسکین و اسیر و فقیر کو اٹھا دینا۔ ماں باپ کے ساتھ تین تین فاقے کرنا۔ فقیروں کے جھرمٹ میں زمین پر پہلو نہ پہلو بیٹھنا۔ تاریک شبوں میں روٹی اور کھجور لاکر مسکینوں۔ فاقہ کشوں تک پہنچانا جس

کی مارکشی سے شانوں پر سیاہ گھٹے پڑ گئے تھے۔

روحانیت کی یہ پُر زور قوت کہ صبح وشام خدا سے آپ دعا فرماتے تھے خداوندا! میں نے اپنے نفس کو تیرے سپرد کر دیا ہے۔ میرا رخ تیری طرف سے اور تیرے سپرد اپنے کو کرتا ہوں۔ خداوند! تو مجھ کو ہر شخص سے بچا سکتا ہے۔ لیکن تجھ سے مجھ کو کوئی بچا نہیں سکتا۔ (منہج الدعوات صہ ۲۴۲) روحانیت کا یہ وہ جذبہ تھا۔ جو دل سے نکل کر امام حسینؑ کی زبان تک آتا رہتا ہے۔ اور اسی جذبۂ روحانی کو امام کی زندگی کے ہر عمل میں دیکھو خصوصی کربلا کے میدان میں کیا ذکر ہو! اس بے پناہ روحانیت کا جو سخت سے سخت مصیبت حسینؑ پر پڑتی۔ ایک نیا رنگ و رونق امام کے چہرے کو ٹمٹا دیتا ہے۔ جو کوئی خدا کو اپنا لے اور خود خدا کا ہو جائے۔ بے شک وہ! دوسروں کا نجات دہندہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ کہ اس سلسلہ میں خود بھی نجات یافتہ ہے۔

جین مت

انسان کامل کے لئے اس مذہب میں تین صفتیں ہیں جو ذات حسینی ہیں جس کامل حیثیت سے موجود تھیں۔ ان کی نظیر عالم میں نہیں مل سکتی۔ وہ صفات حسب ذیل ہیں صحیح نظر صحیح علم و ادراک صحیح اخلاق۔

کیا کہنا حسینی صحیح نظری کا جو وفات رسولؐ خدا رسولی اخلاق کا مظہر اور ان کی صحیح النظری کی مثال تھا۔ جو حسینؑ کو نانا کے مشن کا زمانہ یاد دلاتا تھا۔ اس دور میں جبکہ رسولؐ کو بھلایا جا رہا تھا۔ انہیں اللہ کے احکام سناتا تھے۔ اس وقت جبکہ اسلام کو ایک گھروندا ثابت کیا جا رہا تھا اور ایسا کرنے میں زبان معصوم کامیاب ہو گئی۔ اگرچہ گھر چھٹ گیا اور استبداد کی چکی میں پسنا پڑا۔ لیکن یہ مرقع ہے اپنی حیات میں رسولؐ کی زندگی کا۔ اگر رسولؐ ۲۳ سال تک خاموشی بیٹھے موقع ہدایت کے منتظر رہے تو حسینؑ نے بھی قسم بخدا مدینہ میں باوجود مظالم کے کوئی اقدام نہیں کیا۔

باپ سے زمانے کو پھرتے دیکھا۔ مگر حسینؑ نہ اٹھے۔ گھر میں آگ لگتے دیکھی اور ماں کی

صدائے صبت مصائب سنی مگر خاموش رہے۔ علیؑ ابن ابیطالب کو خون میں تڑپتے دیکھا مگر حکومت شام کا رخ نہ کیا۔ اور بھائی کی لاش پر تیر برستے دیکھے۔ مگر تلوار کا نکالنا کیسا؟ کھنچی ہوئی شمشیروں کو بھی نیام میں کر دیا۔ اس لئے بھی کہ ابھی خود مٹ رہے تھے۔ لیکن اسلام محفوظ تھا۔ حکومت شام نے اعلانیہ حلال محمدؐی کو حرام اور حرام کو حلال نہ کیا تھا لیکن جرأت اظہار حق جو رسولؐ کی اعلیٰ صفت تھی اس کو یاد دلانے کا جب وقت آگیا۔ تو اب پردہ پوشی کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ امام حسینؑ نے اسلامی نقاب میں روپوش خبیث چہروں سے دنیا کو روشناش کرانے کے لئے پہلا قدم ولید کے دربار میں اٹھایا۔ اور دنیا کو حقیقت حال ان الفاظ میں سنا دی۔

انا اہلبیتؑ الرسالۃ و معدن النبوۃ و مختلف الملائکۃ بنا فتح اللہ وبنا ختم اللہ۔

و یزید رجل فاسق شارب الخمر قاتل النفس المحرمۃ معلن بالفسق و مثلی لایبایع۔

ہم ہی ہیں اہلبیتؑ رسالتؐ اور معدن نبوتؐ۔ اور ملائکہ کے آمد کی منزل، عالم کی آفرینش کا ہم ہی سے آغاز ہے اور ہم ہی سے اختتام اور یزید بدکار ہے اور شرابخور ناحق قتل کرنے والا۔ اور نافرمان مجھ سا شخص کبھی اس کی بیعت نہ کرے گا۔

حکومت جابرہ کے سامنے اس طرح حسینؑ نے وہ خباثت گنوا دئے کہ جن کے اظہار کے لئے حسینؑ کو منتخب کیا جا سکتا تھا۔

اب اس اعلان کے بعد حسینؑ ابن علیؑ کے لئے دو ہی راستے تھے یا وہ اس اعلان کے بعد مدینہ ہی میں رہتے۔ اور ایک منکر بیعت کی موت قبول کر کے شہید ہو جاتے اور اسلام کو اپنے بعد مٹ جانے دیتے اور زیادہ اقدام کرتے جس کے نتیجہ میں کربلا کا میدان صفحۂ تاریخ بن جاتا۔ حسینؑ نے آخری ہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ نانا کے روضہ پر آئے اور وہاں سے برکتیں لیں ماں کی لحد اور بھائی کے مزار سے رخصت ہو کر سامان سفر میں مشغول ہو گئے ادھر اسلام کے مٹانے کے لئے پوری تیاریاں ہو رہی تھیں اور ادھر حسینؑ حفاظت اسلام کے لئے سپر سانس لے رہے تھے۔ رات کا پردہ تھا اور حسینی قافلہ مدینہ چھوڑ رہا تھا۔ آج مدینہ کو معلوم ہو رہا تھا اور حسینؑ کا سفر رسولؐ کی ہجرت یاد دلا رہا تھا۔ ہاں وہ اسلام بنانے نکلے تھے۔ اور

به اسلام بچانے۔

حسینؑ نے بہترین مامن تلاش کر لیا تھا۔ اور اس سے بہتر کون سی جگہ ایسی ہو سکتی تھی۔ جہاں اسلام کو پناہ دی جا سکتی؟ وہ اللہ کا گھر اور حل و حرام کی پر امن سرحد تھی کہ جہاں حیوانوں تک کی جانیں محترم تھیں بھلا اسلام وہاں مامون نہ رہ سکتا تھا لیکن جب حامیوں کی شکل میں قاتل حریت بیت اللہ کو بھی تباہ کرنے پر تیار نظر آنے لگے۔ تو حسینؑ نے حرم بھی چھوڑا۔ اور محافظان اسلام یہاں سے بھی کوچ کر گئے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اس حرم خدا میں حسینؑ کو پناہ نظر نہ آئی تو اب عالم میں کون سا مقام ایسا ہو گا۔ کہ جہاں حسینؑ اسلام کو پناہ دے سکیں گے۔ لیکن وہ محرم کی دوسری تاریخ کرب و بلا میں حسینؑ کے نصب شدہ خیام بتاتے ہیں کہ حسینؑ کو جب کہیں پناہ نہ مل سکی تو انہوں نے اس آخری طریقہ حفاظت کو اختیار کیا۔ کہ جو مصیبتوں اور ظلموں کی آماجگاہ زمین کربلا میں حاصل ہو سکتا تھا۔ اگر وہ اسلام کو ایسے حرم میں پناہ دینا چاہتے تھے کہ جو تا ابد مامن رہ سکے تو وہ خود اپنے خون سے ایسا حرم بھی بنا سکتے تھے جو شعائر اللہ میں داخل ہو سکے۔ اور جسمیں اسلام کو سلامتی مل سکے بیت اللہ تو پھر بھی ایک ملت کے افراد کے لئے محترم ہے۔ اور کربلا کا ہر ذرہ ہر دل میں ایک جذب رکھتا ہے۔ رکن اعظم بنائے ہوئے تھا۔ اور اپنے کردار کو اس سانچے میں ڈھالے ہوئے تھا جس کا کربلا کے میدان میں کھلم کھلا اعلان ہونے والا تھا۔ جبکہ آپ بالکل صغیر السن تھے اسی وقت آپ کے نانا نے حسینی کردار کو دیکھ کر فرما دیا تھا حسینؑ میں میری شجاعت و سخاوت تھی۔

شجاعت وہ شجاعت جس نے شجاعان عالم کو متحیر و مبہوت کر دیا سخاوت وہ جس نے نظام سماجی سے انسانیت کے ظلم سے بچانے کے لئے محبوب اشیاء کو لٹا دیا۔ قرآنی زبان میں سید الابرار قرار پائے۔ کیا کہنا اس صحیح النظری کا۔ دنیائے عرب بیعت یزید کر کے غلام بن چکی تھی۔ مگر حسینؑ یزید کی بیعت کیسی اسے صحیح انسان بھی نہ سمجھتے تھے۔ اس باپ کا پوت جو شب ضربت بیٹی سے وصیت کر کے کہ اگر گھر کی پلی ہوئی قازوں کی خبر گیری نہ کر سکو تو انہیں آزاد کر دینا۔ جو جانوروں کو آزاد دیکھنا چاہتا ہو اس کا فرزند انسانی غلامی

کو کب برداشت کر سکتا تھا۔ آزادی کے طلبگاروں کو جان دینے کا سبق دیا اور بیعت یزید نہ کی۔

حسینؑ کو کثرت سے مشورے دیئے گئے کہ سفر عراق سے باز آ دیں۔ حسینؑ کا عقل وادراک طے کر چکا تھا کہ موت کو زندگی پر ترجیح اور عرب کی بگڑی ہوئی سماجی زندگی میں انقلاب شہادت میں مضمر سمجھتے ہیں۔ یہ وہ صحیح علم ادراک تھا جس نے شہادت پاتے ہی دنیائے عرب میں آگ لگا دی اور اموی تخت و تاج برباد کر دیا۔

صحیح اخلاق دیکھو کربلا کا منظر سامنے ہے۔ حسینؑ قدم قدم پر وہ بے پناہ سبق دے رہے ہیں۔ جو ان کے نانا کی لعبثت کی غرض تھی۔ دشمنوں تک کو اپنا گرویدہ بنائے ہوئے تھے۔ دیکھو اس وقت کے دشمن مورخوں تک نے آپ کی اخلاقی پختگی کو کیسا سراہا ہے۔

بُدھ مَت

گوتم بدھ نے انسان کامل نجات یافتہ کی شناخت میں آٹھ صفت بیان کیں، صحیح ارادہ صحیح کلام یعنی حق گوئی۔ صحیح اخلاق وافعال صحیح معیشت۔ صحیح کوشش، صحیح حافظہ صحیح تصور۔

حسینؑ کا صحیح ارادہ، صحیح نظر بیان ہو چکے۔ امام کی حق گوئی کا کیا کہنا۔ حق کا کوئی کوئی کلمہ ناحق زبان سے نہ نکلا۔ امیر معاویہ سے خط و کتابت گفتگو ہیں تاریخوں میں دیکھو کربلا میں ہزاروں دشمنوں کو قرآن مجید ہاتھ میں لئے چیلنج دے رہے تھے کہ اگر مجھ میں کوئی اخلاقی کمزوری ہو تو بتاؤ۔ سب خاموش تھے۔ یہ تھا صحیح اخلاق، صحیح معیشت یہ تھی کہ یزید کے شریک سلطنت ہو کر ہمیشہ عیش و راحت کی زندگی بسر کرتے لیکن امام نے سب کچھ ٹھکرا کر جان و مال بھی لٹا دیا۔ صحیح کوشش میں آپ اسی طرح کامیاب تھے جس طرح روحانیت میں کامل تھے۔ بہادری میں بھی لاثانی تھے۔ تین روز کے بھوکے پیاسے تنہا ہزاروں سے مقابلہ کر کے راہ حق کی آپ نے دعوت عرب کے بگڑے ہوئے سماج کے سدھارنے میں آپ نے جو صحیح کوشش کی وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ کم از کم بہتر شہیدوں کو اپنا سا انسان کامل بنا دیا

صحیح حافظہ، صحیح یادداشت ایسی تھی کہ جو وعدہ کیا۔ سختیاں جھیل کر پورا کیا۔ کبھی کوئی فریضہ انسانی نہ بھولے خدائی فرائض رسولؐ کے عائد کردہ فرائض۔ قومی و ملکی فرائض جس طرح سے حسینؑ نے پورے کئے وہ بے نظیر تھے۔ اس لئے آپ کا حافظہ درست یادداشت مکمل تھی۔ کربلا کے ہر واقعہ کو دیکھ لو۔ جس میں رسولؐ زادے کو بجز خدائی ہاتھ کے کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔

آریہ مت

بھگوت گیتا سری کرشن مہاراج کی آریہ مت میں مستند کتاب ہے۔ اس میں کامل بھگت کے صفات بارہویں ادھیائے میں درج ہیں۔ جن میں سے تین اشلوکوں کا خلاصہ یہ ہے کہ کامل بھگت وہ ہے جو کسی سے کینہ نہ رکھے۔ سب کا دوست ہو۔ سب پر رحم کرے غرور و تکبر نہ ہو۔ رنج و راحت میں یکساں رہے۔ معاف کرنے والا ہو ہر حال میں صابر و شاکر رہے۔ یوگی یعنی حق پرست ہو۔ جس نے اپنے نفس کو جیت لیا ہو جس نے اپنے دل و دماغ کو ایشور کے حوالے کر دیا ہو۔ جو خدا کی مرضی کو اپنی مرضی سمجھتا ہو جو ہر ایک سے بے خوف ہو اور دوسروں کو اپنے سے بے خوف رکھے جو کسی خوشی غصے اور خوف کے وقت مغلوب نہ ہو ایسا کامل بھگت مجھے عزیز ہے۔

اب امام حسینؑ کی مقدس ذات کو دیکھو جو مذکورہ چودہ صفات کی بوجہ کمال کے مجموعہ تھی۔ مختصر یہ ہے۔ امام حسینؑ یزید کے بھی دشمن نہ تھے وہ یزیدیت مٹانا چاہتے تھے۔ وہ غلاموں کنیزوں سے برابر کا برتاؤ کرتے ان کے سر زانو پر رکھتے۔ غلاموں کے رخساروں کو اپنے رخسار سے ملتے۔ سخت ترین مصیبت ان کے لئے امن و راحت تھی عزیز بھائی کو زہر دیا گیا۔ نعش پر تیر برسے۔ نانا کی لحد سے دور دفن کئے گئے۔ بات بات میں حق پرستی، حق گوئی، دنیا کی مصیبتیں پھٹ پڑیں۔ لیکن پائے ثبات میں لغزش نہ ہوئی۔ یہ حسینؑ ہی کا طرۂ امتیاز تھا۔ حق پرستی کی بے نظیر مثال یہ بھی ہے کہ کوفیوں نے سینکڑوں خط لکھ کر ہدایت کو بلایا۔ کوفیوں سے بے وفائی کا یقین تھا۔ باوجود اس کے امام کی حق پرستی کا فریضہ تھا کہ بد عہدوں کو ہدایت کر کے باوفا بنا دیں۔ اور عہدوں کو استوار

کریں۔ چنانچہ شہید ہوکر ایسا عہد استوار کیا کہ انہی کو مٹنوں نے یزیدیت مٹانے میں جانوں کی بازی لگا کر حسینی مشق کو چلایا۔ حسینی حق پرستی نے یزید کا تخت و تاج الٹ دیا۔ حسینؑ نے ہر نفسانی خواہش کو مار کر نفس کو جیت لیا۔ دل و دماغ اور جملہ اعضاء کو خدا کے سپرد کر کے اپنا ہر حرکت و سکون خدائی مرضی کے مطابق ڈھال لیا۔

خدا سے خوف زدہ بندہ دنیا سے بے خوف ہوگیا۔ اور دنیا کو اپنے سے بے خوف کر دیا۔ اسی وجہ سے تو یزیدیت بے خوف و خطر حسینؑ پر لوٹ پڑی۔ حسینؑ مغلوب نہیں ہوئے۔ یزیدیت کو مغلوب کر کے فتح کا جھنڈا گاڑ دیا۔

اس لئے حسینؑ کامل بھگت کرم یوگی۔ گیان یوگی۔ راج یوگی۔ بھگتی یوگی۔ ہونے کی وجہ سے اہل ہنود کے ہر چہار مذاہب کے لئے قابل محبت و لائق پیروی ہیں۔ اہل ہنود برادران وطن حسینی جماعت میں داخل ہو کر حسینی راج قائم کرنے میں ہمارے ساتھ مل بیٹھیں۔

عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ
مجتہد اعلیٰ مقامہٗ

غرضِ شہادت

جب ہجری سنہ بدلتا ہے جب ماہِ ذوالحجہ کی آخری تاریخ میں خنجرِ غم بن کر ہلال لو شب اوّل محرم میں فلک پر ضو فگن ہوتا ہے جب ہر سچے شیعہ کے گھر میں ماتم کی صف بچھتی ہے ہر مرد و زن ہمہ تن مرقعۂ غم بن کر اہلبیت رسولؐ کی محبت کا مظاہرہ کرتا ہے جنت کے فدائی اصحاب حسینؑ کی طرح مظلوم پر جان فدا کرنے کی تمنا میں بے چین ہونے والے کہیں علمدار لشکر حسینؑ کی یادگار میں علم نصب کرتے ہیں۔ کہیں زیارت قبر حسینؑ کے مشتاق بانس اور کاغذ یا لکڑیاں یا چاندی یا سونے سے شبیہ روضۂ شہید کربلا بنا کر اصل سے دور رہ کر بھی شبیہ دیکھ کے ثواب زیارت حاصل کرتے ہیں۔

ذکر حسینؑ کو ہر اس انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو دل نشین اور جاذب نظر ہو عالم کے ہر اس انسان کے واسطے جذبات انگیز ہو جس کے قلب کے کسی گوشہ میں بھی مظلوم سے ہمدردی کی لہریں پوشیدہ ہوں۔ انہیں افکار کا اظہار کہیں واقعہ خوانی اور کہیں نثر خوانی۔ اور کہیں مرثیہ نوحہ اور سوز کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور اب آخر میں موعظہ کے نام سے بلندی کی آخری منزل تک پہنچا مذکورہ بالا بہت سے انداز وہ ہیں جو اب متروک ہیں اور شاید سینکڑوں آدمیوں کو معلوم بھی نہ ہو گا کہ مجلسِ غم میں ان کے پیش کرنے کا طریقہ کیا تھا۔ اپنے معلومات کی حد تک میں یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ شاذو نادر مجالس کے علاوہ جو تلاش بسیار کے بعد بمشکل نظر آ سکتی ہیں۔ طرز موعظہ عام ہونے سے پہلے ہر انداز ذاکری صرف فضائل و مصائب معصومینؑ تک منحصر تھے۔

جس میں معاشرے کی نمکینی ذوق سماعت بڑھانے کے واسطے لازم سمجھی جاتی تھی۔ مگر تقریباً ایک صدی کے اندر اندر جب سے موعظہ رفتہ رفتہ ذاکری نے مختلف طرز انداز کرنے لگا۔ اس وقت سے مختلف موضوع حاضرینِ بزم کی سماعت تک پہنچنے لگے۔ دیگر ملت

کے ساتھ) کثرت ایسے ہی مضامین رعایات لفظی خطابیات نکات شاعرانہ کی نفی اور ہے جو صلواۃ فلک شکن نعروں سے واعظ کے علام کو عام پسند ہونے کی سند دے دیں ۔ واہ! واہ کے لا لچ میں سننے والوں سے یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ عشق غم تمام جہنم کی آگ گل کر دے گا ایک مجلس ماتم میں بیٹھ جانا جنت کے مستحق بنا دے گا۔ مگر یہ نہیں بتایا جاتا کہ بشرطہا وشروطہا ۔ یہ چیزیں اسی وقت پروانہ جنت بن جاتی ہیں ۔ جب ان کے ساتھ ایمان ہو، وحدت ، رسالت، امامت ومعاد ۔ خدا کی عدالت اور تمام اصول دین کے صدق دل سے اقرار کے ساتھ فروع دین، نماز، روزہ، حج، زکواۃ، خمس، حرام وحلال پر عمل بھی ہو ۔ نماز کے واسطے سنی اور شیعہ کا اتفاق ہے ۔ کہ اگر یہ عبادت قبول نہ ہوگی تو ہر عمل خیر رد ہو جائے گا ۔ اور روزے کے واسطے یہ اہمیت ہے کہ مومن ہو ۔ بڑے سے بڑا عزادار حسینؑ ہو ۔ لیکن اگر ماہ رمضان میں تین دن بلا ناغہ شرعی حاکم شرع کی تنبیہ کے بعد بھی روزہ نہ رکھے تو اگر حکومت شرعی برسرکار ہو تو اس مومن کو قتل کر دو ۔ حج جس پر واجب ہوا اور وہ امکان کے بعد بھی حج نہ کرے تو وہ آخر وقت یہودی یعنی کافر ہو کے مرے گا ۔ زکواۃ مومن کا حق ہے جو زکواۃ ادا نہ کرے اس کو خدا ہرگز معاف نہ کرے گا ۔ جب تک وہ مومن معاف نہ کریں جن کا حق اس نے ادا نہیں کیا خمس حق سادات وامامؑ ہے ۔ اور یقیناً واجب ہونے کے بعد اپنے ہی مال میں تصرف کرنے والے بھی غاصب حق امام ہیں ۔ جن کے معاف کرنے سے آئمہ نے انکار فرمایا ہے جو چیزیں شرع نے حرام کی ہیں ۔ ان میں بعض ایسی بھی ہیں جن کے واسطے قرآن نے نص صریح کر دی ہے کہ اگر ان کا کوئی ارتکاب کرے تو چاہے وہ مومن ہو چاہے مسلم ہو، دوست اہلبیت ہو، یا عزادار امام حسینؑ ہو ۔ مگر اس کی جزا جہنم کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی جیسے قتل مومن زنا محصنہ کی سزا یہ ہے کہ سنگسار کر کے مار ڈالو ۔ وغیرہ وغیرہ (اور انہیں سب چیزوں کی تعلیم غرض شہادت حسینی تھی)

اگر ہمارے سید وسردار کی شہادت صرف اس غرض سے ہوتی کہ رونے والا کوئی بھی ہو سیدھا جنت میں جائے، مجلس حسینؑ کا بیٹھنے والا کسی مذہب کا پابند ہو مگر وہ نجات کا مستحق ہے ۔ دوست اہلبیت جیسا بھی درکار ہو، تارک تمام عبادات ہو مگر وہ ناجی ہے

تو یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے نانا کا دین بچانے کے واسطے شہادت اختیار کی بلکہ کہنا تو یہ چاہیئے کہ معاذ اللہ اپنے جد بزرگوار کے تمام تعلیمات مٹانے کے واسطے کربلا کی محیر العقول فداکاری دنیا میں پیش کی۔

نانا نے وحدت، رسالت، معاد، صفات الٰہی، نماز، روزہ، حج وغیرہ ہر شے کی تعلیم دی۔ اور بغیر اس علم و عمل کے جنت میں جانا مشکل بتا دیا۔ مگر امام حسینؑ نے معاذ اللہ مثل عقیدہ نصاریٰ عام امت کے گناہوں کا فدیہ بن کر امت کو عام اجازت دے دی کہ کوئی عمل خیر نہ کرنا۔ کسی بدکاری سے پرہیز نہ کرنا، بس صرف میری عزاداری کرنا اور جنت تمہاری ہے۔

لا واللہ ہرگز حضرت امام حسینؑ کی تعلیم یہ نہ تھی۔ ان کی شہادت کی غرض صرف حفاظت اسلام تھی۔ تعلیمات رسولؐ کی بقا رہتی لوگوں کو گمراہی سے ہٹا کر اصول و فروع کے صحیح راستوں پر لگانا غرض حقیقی تھی۔ اس زمانہ میں اور اس ہندوستان میں جو کبھی جنت نشان کہا جاتا تھا۔ اور اب جہاں اقتصادی تکلیفوں، لوٹ مار عام رعایا کی بداخلاقیوں، قانون شکنیوں، بدانتظامیوں کی کثرت، گرانی کی شدت، ڈاکہ زنی، قتل و غارت، لوٹ مار، انسانی خون کی ارزانی اور پھر فرقہ پرست جماعتوں کی تبلیغی کوششوں نے ہر انسان کی زندگی موت سے بدتر بنا دی ہے۔ ہم اگر اپنے مذہب کو بچا سکتے ہیں تو صرف عزاداری کی بدولت۔ مگر نہ اس صورت سے کہ انجمنیں بنا بنا کے سب سے زائد اور پرزور سینہ زنی کا مقابلہ کریں نہ اس صورت سے کہ نوحہ کو نوحہ کی حد سے نکال کے مدح کی نظم بنا دیں۔ اور اس پر ماتم کریں، مصرع یہ ہو کہ علیؑ نے خیبر فتح کر لیا۔ اور ہم اس پر ماتم کر رہے ہیں۔ نہ اس صورت سے کہ سوز خوانی میں بڑے بڑے گویوں کو مات کر دیں۔ نہ اس صورت سے کہ منبر کو تبرا بازی سے بھر کے خود اپنے ہی افراد کو مجلس سے اٹھ جانے پر مجبور کر دیں بلکہ اگر اس دور میں اسلام کو بچا سکتے ہیں تو صرف یہ بتا کر کہ امام حسینؑ بدعت کے کتنے زبردست معتقد تھے۔

منازل شہادت کی وہ عظیم سختیاں جن کو دنیا کا کوئی بشر برداشت نہ کر سکا صرف اس جذبہ میں طے کر گئے کہ میرے خالق کا یہی حکم ہے ہر مصیبت جو انسان کے تحمل سے باہر

تھی۔ بڑی ہنسی خوشی سے صرف اس لئے برداشت کر گئے کہ میر اللہ اس میں راضی ہے۔
رسولؐ کی صداقت کا ثبوت امام حسینؑ نے ہر اس عبادت کو کربلا میں ادا کر کے دیا۔ جس کی تعلیم خاتم النبیینؐ نے دی تھی۔ اور جس کو اس مظلوم اور دیگر معصومینؑ کے علاوہ کوئی کربلا کے سے حالات میں ادا نہ کرسکا۔ یعنی واجبات تو واجبات مستحبات بھی ترک نہ کیئے جس کا تذکرہ اشاروں کنایوں میں کر دینے سے بعض حضرات غالی شیعوں کی نظر میں قابل لعن طعن ہو گئے۔ قومی امور میں یکجہتی، اتحاد، خلوص، نیت، صبر، جنت و نار، حساب و کتاب، ثواب و عقاب ہر چیز میں یقین و ایمان کی وہ منزل حسینؑ و اصحاب حسینؑ نے پیش کی، جس سے زائد مستحکم ایمان کسی عام انسان میں ہونا ناممکن ہے۔
آج ہندوستان میں یقیناً ہمارے جان و مال اتنے خطرے میں نہیں ہیں۔ جتنا ایمان خطرے میں ہے۔ (۱) اس وجہ سے کہ حکومت لادینی ہے تو رعایا میں اثر لا مذہب آنا ضروری ہے اور (۲) اسی وجہ سے حکومت کا مسلک لادینی سہی مگر اکثر و بیشتر ارکان حکومت کسی نہ کسی مذہب کے جذبات سے یقیناً متاثر ہیں۔ جس کا اظہار کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی پیرایہ میں ہونا ناگزیر ہے۔ اور (۳) اس لئے کہ ایک طرف عیسائی مشن، دوسری شادی کے کے فدائی مذہب بدلوا دینے پر تیار ہیں اور اس میں ذرا سا بھی جھوٹ نہیں کہ گڑگاؤں کے علاقہ میں بنگال سے دور افتادہ دیہاتوں میں صوبہ بمبئی وغیرہ کے دیہاتوں میں بہت سے مسلمان اپنا دین بدل چکے ہیں۔ اور (۴) اس لئے کہ نام کے مسلمان اور محض خاندانی شیعہ یوں تعلیمات نباتات کے فدائی بن گئے ہیں کہ نہ ان کو زناکاری عام ہو جانے کی شرم ہے نہ بے پردگی کی غیرت ہے نہ اغوا کے عام واقعات دیکھ کر آنکھیں کھلتی ہیں۔ نہ عورتوں کے غیر مذہب کے ساتھ سول میرج کر لینے سے کان پر جوں رینگتی ہے۔

بالکل سچ ہے

الحیاء مع الایمان

اگر ایمان ہو تو شرم و حیا بھی ہوتی ہے۔

واقعۂ کربلا کی تبلیغی شان

حسینؑ سر سے خون کا ہر قطرہ ایک مبلغ مذہب تھا

علامہ سید علی نقی النقوی

کربلا مبلغ اعظم

کربلا کے مبلغ حضرت امام حسینؑ نے مدینہ سے لے کر کربلا تک جو اقدام بھی کیا وہ تبلیغی شان لئے ہوئے تھا یہی تو وجہ ہے کہ دنیا پر امام حسین اور یزید کا کردار نہ صرف واضح ہو گیا بلکہ حق و باطل میں امتیاز کرنیکا سامان مہیا ہو گیا

شبیر کا نشان قدم شمع بن گیا انسانیت کی تیرہ و تاریک راہ میں

جس وقت باطل کا پورا زور ہو گیا تھا۔ مذہب کا چراغ جھلملا رہا تھا اور بجھنے کے قریب تھا، دین خدا کا نقشہ بگاڑ دیا گیا تھا اس طرح کہ پہچانا نہ جاتا تھا، معصیت پروردگار کی آندھیاں چل رہی تھیں اور ملت حقہ کی کشتی باد مخالف کے تھپیڑوں سے ڈوبنے کے قریب تھی، ضرورت تھی ایک مبلغ مذہب اور داعی الٰہی کی جو ایک مرتبہ عالم کے سامنے حقیقت کو بے نقاب کر دے اور وہ پردے جو دنیا کی آنکھوں پر ڈال دیئے گئے ہیں۔ ان کو اٹھا دے (ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر)

حسین بن علی کے سوا کون تھا جس کو اس فریضہ کا احساس ہوتا۔ کسے غرض تھی کہ وہ اپنی راحت و زندگی سے ہاتھ دھو کر اپنی جان کو خطرے میں ڈالے اور ملت اسلامیہ کی حفاظت کرے، بڑے بڑے خلفا زادے، صحابہ رسول، ارباب طاقت

واقتدار یزید کی بیعت کر چکے تھے۔

شام سے لے کر مصر، مصر سے لے کر عراق، عراق سے حجاز، فارس، یمن سب اس نوجوان شہوت بادشاہ کی حکومت کو تسلیم کر چکے تھے اور باوجود اس کے کہ یزید کے ننگ انسانیت حرکات اور حیا سوز افعال سے کم سے کم شام و عراق و حجاز کا چپہ چپہ واقف تھا اور مصر بھی کچھ زیادہ اجنبیت نہ رکھتا لیکن احساسات فنا اور غیرت و حمیت خیر باد کہہ کر رخصت ہو چکی تھی۔ شام کے حاکم کی مثال ایک ایسے گلہ بان کی تھی جس کے زیر اقتدار ایک کثیر جمعیت حیوانات کی ہو اور وہ ان کو اپنی مرضی کے موافق جس طرف چاہے لے جائے۔ حسین مختلف وجوہ سے حق رکھتے تھے کہ وہ ان حالات سے متاثر ہوں۔ خلافت الٰہیہ کے حقیقی مالک ہونے کی حیثیت سے قطع نظر کرو۔ تب بھی اسلام اور ناموس شریعت کے مخصوص ورثہ دار ہونے کی جہت سے جتنا علاقہ اسلام کو حسینؑ کی ذات سے تھا کسی اور ہستی سے وہ علاقہ نہ ہو سکتا تھا چنانچہ امام حسینؑ نے اپنے فرض کا احساس کیا اور مدینہ سے اس بات کا بیڑا اٹھا کر نکلے کہ دنیا کے سامنے حق کو حق اور باطل کو باطل ظاہر کر دیں اور اگرچہ ظاہری اسباب کی حیثیت سے امام نے اپنی جان کو حفاظت کے لئے مدینہ کو وداع کیا مگر حقیقتاً آپ انجام سے واقف تھے اور عظیم ترین فریضۂ تبلیغ کے ادا کرنے کے لئے اپنے جذبات کے پکے اور ثابت قدم رفقاء کی معیت میں راستہ طے کر رہے تھے۔

حسین کی ہر نقل و حرکت اور جنبش و سکون میں تبلیغ مذہب کے اہم اسرار مضمر نظر آتے ہیں اور اگر ایک ناقد خاطر جمعی سے ان رموز پر غور کرے تو ایک مفصل کتاب لکھنے کا سامان فراہم ہو سکتا ہے۔

امام کا مکہ معظمہ میں قیام کرنا سطحی نظر سے اس غرض کے لئے کہ اس مقام مقدس میں خون بہانا حرام ہے لہٰذا ان کی زندگی دشمنوں کے خطرے سے محفوظ رہے گی۔ لیکن ہم اس مقصود کو ایسے شخص کے لئے تسلیم کر سکتے ہیں جس کو آخر تک اپنی جان بچانا منظور ہو مگر حسین کہ جو مرنے پر کمر باندھ چکے تھے اور پورے طور سے آخر

تک ہونے والے واقعات سے واقف تھے ۔ ان کی نسبت اس خیال کو کہاں تک وقعت دی جا سکتی ہے ۔

مکہ معظمہ قلب جزیرۃ العرب اور عالم اسلام کا مرکز تھا، اطراف و جوانب کے قافلے برابر آتے جاتے رہتے تھے اور علاوہ فریضۂ حج کے جو اسلامی شریعت کی رو سے ہر مسلمان پر واجب ہے اور جس کی بدولت شہر حج میں چاروں طرف سے مختلف قبائل عرب کا آنا ضروری ہے خود عرب کے قدیم روایات اور سابقہ عملدرآمد کی وجہ سے جو صدیوں سے قائم تھا اور اسلام نے بھی جس کے باطل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی عرب کے اس خطہ کے تمام مختلف الخیال قبائل عرب کا محل اجتماع ہونا لازمی تھا وہ مشہور بازار جو شعر و سخن اور خرید و فروخت وغیرہ کے عظیم مرکز تھے جن میں سے عکاظ ، ذوالمجاز اور شوق الجنہ خاص اہمیت رکھتے تھے، ذی القعدہ سے لے کر محرم تک مکہ وطائف اور مدینہ کے درمیان ہی قائم ہوا کرتے تھے ۔

امام حسین کی شخصیت دنیائے عرب میں کوئی اجنبیت نہ رکھتی تھی اگرچہ مذہبی احساسات مردہ ہو گئے ہوں اور حسین کو ان کے واقعی مراتب کے ساتھ لوگ نہ پہچانتے ہوں لیکن رسول کا نواسہ سلطان حجاز و عراق کا فرزند ملک عرب کا سب سے زیادہ سخی و جواد جس کے گھر سے کبھی کوئی سائل محروم نہیں پھرا، بنی ہاشم کا بزرگ خاندان یہ عنوان وہ تھے جن سے کوئی بھی ناواقف نہ تھا اور کسی کو ان کے انکار کی جرأت نہ ہو سکتی تھی ۔

حسین نے یہی زمانہ کہ جو تمام قبائل عرب کے اجتماع کا تھا ۔ مکہ میں اپنے قیام کے لئے تجویز کیا، ہمارا مقصد اس سے یہ نہیں ہے کہ حسین اپنے لئے کوئی بڑا لشکر جمع کرنا چاہتے تھے اور ان قبائل عرب کے ساتھ رابطہ بڑھا کر اپنی حیثیت کو مضبوط بنا کر یزید سے مقابلہ کرنے کا خیال رکھتے تھے ہرگز نہیں! اگر حسین ایسا چاہتے تو کر سکتے تھے اور مضبوط تحریک ہونے کی صورت میں ممکن نہ تھا کہ امام کیلئے مکہ

میں ایک بڑا لشکر جمع نہ ہو جائے، یمن بالکل نزدیک تھا۔ جس کا اسلام بھی علی بن ابی طالب کا رہین منت تھا اور اس کی وجہ سے وہاں کے رہنے والوں کو علی بن ابی طالبؑ اور ان کے گھرانے سے پوری ہمدردی حاصل تھی، طائف بھی کچھ اولاد رسول کا مخالف نہ تھا لیکن فرزند رسول کو عالمگیری اور جہانبانی کا شوق نہ تھا وہ اپنے تئیں ایک عظیم بادشاہ تسلیم کرانے کی ہوس نہ رکھتے تھے۔

حسین کا قیام مکہ معظمہ میں صرف اس لئے تھا کہ افراد مسلمین کے اندر صورتحال کی طرف ایک توجہ پیدا ہو جائے اور کم از کم یزید کے افعال و اعمال کا چرچا ہونے لگے۔ حسین کے قتل کے لئے حجاج کے لباس میں شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے ہوں یا ان کو حضرت کے پابہ زنجیر کر لینے کی ہدایت کی گئی ہو۔ بہرحال نامعلوم اسباب و علل کے تحت امام کا بیت الحرام سے رخصت ہو جانا اور زمانہ حج کے گذرنے کا انتظار بھی نہ کرنا اس کو امام کے تبلیغی مقاصد میں پورا دخل ہے۔

ایکا ایکی خلاف توقع حسین کا حج کو ترک کر دینا اور تمام اہل و عیال کے ساتھ مکہ معظمہ سے نکل کھڑا ہونا، ایسی حالت میں کہ حج کا زمانہ بہت کم باقی تھا اس نے تمام قبائل عرب کے نمائندوں میں ایک لہر دوڑا دی اور اگر کوئی تاریخ اس موقع کی قلمبند کی گئی ہوتی تو اس میں ضرور نظر آتا کہ اس موقع پر کن خیالات کا اظہار کیا جاتا تھا۔ حسینؑ بن علی کہاں چلے گئے؟ حج بھی نہیں کیا؟ آخر تمام اہل و عیال، اقرباء کے ساتھ اپنے نانا کی قبر کے جوار کو کیوں چھوڑ دیا؟ یزید کے خوف سے، کیوں؟ یزید کیا چاہتا ہے حسینؑ سے بیعت کا طالب ہے، بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ فرزند رسول اور یزید ایسے شراب خوار اور زناکار و فاسق و فاجر کی بیعت کر لے! اچھا پھر، مکہ معظمہ میں کیوں قیام کیا؟ کس لئے حج بھی ترک کر دیا؟ جان کا خطرہ تھا شاید مکہ میں حسین کے قتل کرنے کے لئے شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے تھے، توبہ، توبہ اس سے بڑھ کر سفاکی اور ظلم کیا ہوگا کہ فرزند رسول کو حرم میں بھی چین نہ لینے دیا جائے۔

یہ تذکرے وہ تھے جو مکۂ معظمہ اور اس کے اطراف و جوانب میں اکثر باخبر قبائل کے حلقوں میں بہت اہمیت کے ساتھ جاری ہے۔

وہ زمانہ کہ جب طرقِ مراسلت و خبارت مسدود تھے۔ تار ٹیلیفون وغیرہ خبر رسانی کے ذرائع نایاب، ان سے بڑھ کر کوئی طریقہ واقعات کی اشاعت کا نہیں ہو سکتا تھا۔ مکہ سے روزانہ لوگ آتے جاتے رہتے تھے جو شخص تازہ اپنے شہر میں آیا اس کو بھی تازہ واقعات کے ضمن میں حسین کی نقل و حرکت اور اس کے اسباب و علل کا بیان کرنا ضروری تھا اس کا یہ نتیجہ نہیں تھا کہ امام کے لئے کوئی بڑا لشکر جمع ہو جائے جیسا کہ بعض محترم ارباب تصنیف کا خیال ہے لیکن مطلب صرف اتنا تھا کہ پہلے سے ان حالات کی اشاعت سے حسین کی شہادت قبائل عرب میں نامعلوم اسباب و علل کا نتیجہ قرار نہ پائے کہ اہل شام کو اپنے دل سے اس کے لئے مخصوص وجوہ تراشنے کا موقع مل جائے اور حسین کی مظلومیت و حقانیت مخفی ہو جائے۔ یقیناً اگر امام کی طرف سے ان طرق نشر و اشاعت کو عمل میں نہ لایا جاتا تو یزید کی طرف سے امام کی شہادت کو کس طرح کے لباس پہنائے جاتے اور وہ لوگ جن کو افترا بندی و فریب کاری میں خدا کا خوف نہ ہو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے کسی واقعہ کو غلط وجوہ پر مبنی بتانے میں کب تأمل کر سکتے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حسین کا خون رائیگاں چلا جاتا۔ بایں معنی آپ اپنی جان بھی ہاتھ سے کھوتے اور کوئی ہمدردی بھی افراد بشر کے قلوب میں چھوڑ کر نہ جاتے اور نہ وہ مقصود جو آپ کا تھا حاصل ہوتا مگر خدا کی قدرت دیکھو کہ امام شہید ہوئے اور پوری دنیا نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ وہ ناحق قتل کئے گئے۔ شام کا حاکم اور اس کے انسانیت کش وزرا اور اس کے ساتھی کسی تہمت تراشنے کا موقع بھی نہ پا سکے اس کو یوں تو خداوند عالم کی قوت قاہرہ سے تعلق ہے مگر بہت کچھ حسین کے تدبر اور اپنے اسباب و عللِ شہادت کی نشر و اشاعت سے بھی تعلق ہے۔ حسین نے

اپنی نقل و حرکت کے وجوہ کو زندگی ہی سے عالم اسلام میں شائع کر کے دشمنوں کی زبانیں بند کر دیں اور اپنی مظلومی کے سامنے دنیا کے سر تسلیم کو خم کرا لیا اور اس سے بڑھ کر حقانیت کی تبلیغ اور کیا ہو سکتی ہے۔

حسینؑ کا قافلہ خاموش مبلغ تھا

حج کا زمانہ تھا، عراق، یمن، طائف وغیرہ سب طرف سے قبائل مکہ میں آرہے تھے ادھر امام حسین اپنے اہل و اقربا، انصار و اصحاب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ خیمہ و خرگاہ تمام اسباب ساتھ لئے ایک قافلے کی صورت میں مکہ سے جا رہے تھے، عالم مسافرت میں زندگی گزارنے والے واقف ہیں کہ راستے میں چار پانچ آدمیوں کا قافلہ بھی نظر آئے تو تشویش ہوتی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں، کہاں سے آتے ہیں! پھر کہاں امام حسین کا شاندار قافلہ اور اصحاب و اعوان کا مختصر لشکر اس پر طرہ یہ کہ حج کو دو دن باقی رہے ہوں مکہ معظمہ کی طرف سے آرہا ہو جبکہ دنیا مکہ معظمہ کی طرف حج کے لئے متوجہ ہے اب یہ وجوہ یقیناً جاذب نظر اور جالب توجہ تھے اور ایک اجنبی شخص کو یہ پوچھنا ضروری تھا کہ یہ کس کا لشکر ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ اور حسین کا نام معلوم ہونے پر وہی سوالات جو ہم نے اس کے قبل درج کئے ہیں، چنانچہ تاریخیں شاہد ہیں، فرزدق کی ملاقات امام سے یونہی اتفاقی طور پر ہوئی تھی اور عبداللہ بن مطیع و عمر بن عبدالرحمان مخزومی بھی خلاف توقع راستہ میں امام سے دوچار ہو گئے اور جو گفتگو ہوئی وہ تاریخ میں محفوظ ہے۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ حسین بن علی اور ہاشمی جوانوں کا شاندار قافلہ جو خانہ خدا کو بمجبوری چھوڑ کر جنگلوں میں راہ پیما تھا خود ایک خاموش مبلغ اور داعی حق تھا جو دور دور کے لوگوں کو تحقیق حالات اور کشفِ حقائق پر مجبور کر دیتا تھا۔

زمین کربلا پر امام کا خطبہ اور تبلیغ مذہب

راستے کے تمام اہم واقعات کو چھوڑتے

ہوئے امام کی اس عظیم الشان تبلیغ کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جو کربلا کی سرزمین پر حسین سے ظاہر ہوئی وہ وقت کہ جب خون کے پیاسے دشمنوں نے چاروں طرف سے امام کا راستہ بند کر دیا تھا اور تیس ہزار کے لشکر نے دین و مذہب بلکہ انسانیت و غیرت کو خیرباد کہہ کر فرزند رسولؐ کے قتل پر کمر باندھ لی تھی ان کا اپنی گمراہی سے باز آنا ناممکن تھا اور حسین اس بات سے واقف تھے لیکن ایک مبلغ مذہب اور داعی حق کا فریضہ ہے کہ وہ حق کی آواز کو بلند کر دے اور تبلیغ دعوت میں کوتاہی نہ کرے۔ امام نے اپنے حق کو خوب ادا کیا۔ اطراف و جوانب کے رہنے والے بنی اسد جن کے حقیقت سے بے خبر ہونے کا احتمال ہو سکتا تھا۔ ان میں تبلیغ کے لئے شب عاشورا اپنے مصاحب خاص حبیب ابن مظاہر کو روانہ کیا اور ان کی تبلیغ کافی اثر سے روشناس ہوئی اور اگرچہ وہ لوگ جو حسین کی حمایت کے لئے حبیب کے ساتھ ہوئے تھے۔ لشکر شام کے سدراہ ہو جانے سے امام تک نہ پہنچ سکے لیکن ان کے دل پر حسین کی عظمت و شرافت اور ان کی حقانیت کا اثر قائم ہو گیا تھا اور تبلیغ کی غرض سے اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوا کرتی۔ اسی کا نتیجہ بعد میں دفن شہداء کی صورت میں ظاہر ہو گیا۔ (السلام علی من تولی دفنہ اھل القریٰ)

عاشور کی صبح سے لیکر عصر تک کے واقعات اگر ہم لکھنا چاہیں تو یہ مضمون کافی نہیں ہو سکتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ حسینی فوج کا ہر ایک نوجوان مبلغ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بریر ہمدانی کا خطبہ حبیب بن مظاہر کا مکالمہ، زہیر بن قین کا مباہلہ اور تمام انصار و اقربا کے وہ رجز جن میں سے ہر ایک حسینی شہادت کے اسباب و علل بیان کرنے میں ایک مبلغ کا حکم رکھتا تھا۔ اس کا اثر ظاہر ہوا یا نہ ہو لیکن ایک مبلغ کی کامیابی یہ نہیں ہے کہ اس کی آواز پر لبیک کہنے والے زیادہ تعداد میں پیدا ہو جائیں بلکہ اس کی کامیابی یہ ہے کہ وہ سخت کٹھن موقعوں پر اور دشوار گذار منازل میں اپنے فریضہ کو ادا کرے اور جو دعوت اظہار کا حق ہے اس کو پورا کر سکے۔ حر بن یزید ریاحی کا ضلالت چھوڑ کر راہ ہدایت پر آنا بھی ان ہی مواعظ و تبلیغات کا اثر تھا۔

حسینی فوج کے تمام جوان دادِ شجاعت دے کر رخصت ہو چکے۔ ہاشمی خاندان کے شیر بھی اپنے بزرگ کی حمایت میں کام آ گئے صرف مظلوم حسینؑ باقی ہیں اور دشمنوں کا حلقہ ہے ان پر مصائب کا ہجوم اور آنکھوں میں دنیا تاریک ہے مگر وہ الٰہی مبلغ ربانی، داعی مذہب اپنے فریضہ سے ایک سیکنڈ کے لئے غافل نہیں ہے وہ خطبہ پڑھتا ہے تقریریں کرتا ہے، صحابہ رسول کو گواہ بنا کر اپنی حقیقت کا ثبوت دیتا ہے کیا اس امید پر کہ یزیدی لشکر حسین کی حالت پر رحم کھائے گا وہ درہم و دینار کی جلوہ آرائی اور روپیہ اشرفیوں کی جھنکار اور حکومت و سلطنت کی طمع و حرص سے، سرشار ہو کر حق کے راستے سے باز آ جائے گا۔؟ لا واللہ حسین (معاذاللہ) ناعاقبت اندیش نہ تھے وہ خوب جانتے تھے مگر بنی نوع بشر کو حالات سے واقف اور باخبر بنانا چاہتے تھے ان کا مقصود یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کوئی بے خبری اور عدم اطلاع کی وجہ سے اس عظیم گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر رہے گی وہ تبلیغ کے فریضہ سے اپنے کو سبکدوش بنانا چاہتے تھے انھوں نے کوئی وقیقہ اظہارِ حق میں اٹھا نہیں رکھا اور آخری نفس تک اپنے فرض کو ادا کر گئے اس وقت بھی جب شمر کا خنجر بوسہ گاہ مصطفےٰ کے قریب آ چکا تھا اور امامت کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ حسین نے اپنے قاتل کے سامنے تبلیغ کی اور اپنے نانا کی صداقت و حقانیت کو ثابت کر دکھایا۔ اے شمر و ذرا اپنے چہرے سے نقاب اٹھا شمر نے نقاب ہٹائی حضرت نے فرمایا صدق اللہ جدی میرے نانا رسول نے سچ کہا تھا کہ اے حسین تیرا قاتل ایک مبروص (کوڑھی) شخص ہوگا۔

روحی الفداء! اے حسین بن علی آپ نے مرتے دم تک اپنے فریضہ سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ آپ نے اپنے نانا کے قول کی تصدیق زیرِ خنجر بھی ثابت کر دی آپ کے خون کا ہر قطرہ جو کربلا کی زمین پر گر رہا تھا آپکی مظلومیت کا مرثیہ خواں اور ملت اسلامیہ کا واحد مبلغ تھا

حسین کی شہادت کے بعد

فاطمہ زہرا کا چاند غروب ہو چکا ہے اور دشمن اپنے مقصد میں ظاہری صورتوں میں کامیاب ہو

چکے ہیں۔ اب کوفہ وشام کے بازار اور بنی ہاشم کے گھرانے کی معزز خواتین ہیں اور نیزوں پر کربلا میں شہید ہونے والے مظلوموں کے سر نصب ہیں سطحی نظر سے دیکھنے والے اس منظر کو اہل بیت رسول کے لئے سخت توہین وذلت کا باعث سمجھ رہے ہیں اور دشمنوں کے خیال کے مطابق واقعہ بھی یہی ہے۔ لیکن یہ وہ موقع ہے کہ حسین کی تبلیغ منتہائے شباب پر پہنچ گئی ہے اور دعوت مذہب کا دائرہ عمل سابق کی نسبت وسیع ہو گیا ہے اگر چشم حقیقت بیں سے نظر کرو تو نیزہ پر حسین کی کی پیشانی پر سجدۂ معبود کا نشان پڑا ہوا ہے۔ (سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود) چہرے سے نور ساطع ہے ہونٹ تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہیں (ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانو من آیاتنا عجبا) دوسری طرف مخدرات عصمت جوان، نامحرموں کے مجمع میں چادر و مقنعہ سے محروم ہونے کے بعد بھی غیرت وحیا کا مجسمہ، اخلاق محمدیہ کی تصویر، طہارت وعفت کے اندر ملبوس اور ان کے وہ حقائق و دقائق سے مملو خطبے کانھا تفرغ عن لسان ابیھا زینب گویا علی ابن ابی طالب کی زبان میں کلام کر رہی تھیں۔

یہ چیزیں وہ ہیں جنہوں نے شریعت اسلامیہ میں روح پھونک دی۔ دنیا کی آنکھوں کے سامنے سے جہالت وضلالت کے پردوں کو چاک کر کے پھینک دیا۔ عالم کو مشرق سے لے کر مغرب تک حسین بن علی کا مرثیہ خوان اور یزید کے افعال وکردار سے بیزار بنا دیا۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا اور ہے کہ آج عالم کے گوشے گوشے اور دنیا کے ہر چپہ میں حسین کا نام ہے اور حجاز کا حقیقی بادشاہ کروڑوں افراد کے دلوں پر قیامت کے لئے حکومت کر رہا ہے اور بنی امیہ کے حشمت وعزت کا چراغ ہمیشہ کے لئے اس طرح گل ہوا کہ کوئی نام لینے والا بھی نہیں ہے۔ عالم نے دیکھ لیا ہے کہ کون ظالم تھا اور کون مظلوم، ظلم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور مظلومیت کی شان کیا ہے؟

زعفر جن

الٰہی فضائیہ کا محروم سپاہی

از مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ

واقعہ کربلا کا صرف ایک دن انسانیت کے تمام تمدنی، معاشرتی مذہبی دینی سماجی ضرورتوں کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہے جس کے بعد ہم کو کسی دانشور کے سامنے جھکنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ظالم و مظلوم دنیا میں ہمیشہ رہے تونگر مفلس اور تہی دست کو ذلیل سمجھتا رہا۔ اقلیت کو اکثریت چکی کی طرح پیستی رہی ہے۔ افتراق قوموں کو برباد کرتا رہا اور آج بھی تباہ کر رہا ہے یہ اور اس قسم کے تمام قومی امراض کا علاج حسینیت میں موجود ہے۔ کربلا کی خونچکاں حکایت بتاتی ہے کہ مظلوم ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ قارون کے خزانہ کو دوام حاصل نہیں مگر سخی اور جواد کی عزت ابدی ہے۔ حق سپاہ باطل کے نرغہ اور یلغار میں ہو تو حسینی تعلیم ہے کہ دیس چھوڑ دو، دشمن کی ہمنوائی نہ ہو، جسموں میں توانائی، فواکہات اور بہترین دسترخوان پر جگہ پانے میں نہیں ہوگی۔ بے آب و دانہ رہنے والے شکم سیر پر غالب آسکتے ہیں۔ مدینہ سے کربلا کی سمت ہجرت اور ۷۲ نفوس کا اتحاد اس وقت تعجب خیز نہ تھا جب وہ ایک شہر ایک نسل ایک قبیلہ کے ہوتے ہم میں تو ایک گھر میں اتفاق نہیں۔ وہاں جوان، بوڑھے بچے ملکی غیر ملکی مسلم غیر مسلم آزاد و غلام مرد و عورت کسی میں اختلاف نہیں۔ سب عباسؑ کے علم کے سایہ میں اور وہ محیر العقول تنظیم کہ ادھر کا ایک غلام بھی ٹوٹ کر ادھر نہیں جاتا اور صفِ دشمن کا نمودار افسر فوج خجالت اور ندامت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا خطا بخشوانے کے لئے حاضر ہے خزانہ شام کی چمک روک نہ سکی۔ فرات کی ٹھنڈی ہوا سے منہ موڑ کر پیاسوں کا مہمان ہو رہا ہے اس کو یقین ہے کہ نعیم ابدی ادھر ہے۔

دنیا میں جتنی لڑائیاں ہوئیں۔ فوجی طاقت بڑھانے اور مددگار سلطنتوں سے نصرت کے معاہدوں کے بعد اسباب جنگ فراہم کر لینے کے ساتھ کربلا کی جنگ فوجی طاقت کم کرنے کیلئے دستور بر ہوئی۔ کم سے کم افراد لے کر مدینہ سے چلتے ہیں۔ محمد حنفیہ کا بہادر بھائی مسلم کا ایسا دلیر عبداللہ بن جعفر کا ایسا جنگجو بھائی نظر نہیں آتا۔ پہلے سے تنظیم ملت میں تقسیم عمل کر چکے ہیں۔ عبداللہ

کو ساتھ لیتے تو بہن کو بیوہ کر دینے کا معاشرہ کی طرف سے الزام ہوتا اور شاید کوئی شرط وفا کے خلاف سمجھتا تو تن تنہا یزیدیت کا مقابلہ کیا۔ محمد عربی کی بعثت جاہلیت کی غیر جائز رسم اور پابندیوں کے اٹھانے کیلئے ہوئی اور معاشرہ اسلامی دستور کے بعد برائیوں سے پاک ہو گیا۔ لڑکی کی شادی کے محل پر جہیز اور دوسری ناقابل برداشت پابندیاں جو قوم اپنے اوپر لازم قرار دینے والی تھی۔ اس کا بھی حسین کو علم تھا ممکن ہے کہ اس کے لئے تلواروں کی جھنکار خون کی بارش، موت کی گرم بازاری ضیافت اور مہمانداری کے فقدان میں قاسم کو دولہا بنایا تاکہ خالص مذہبی فریضہ رسم و رواج کا محتاج نہ رہے اور جہیز نہ دینے کی خجالت لڑکی والوں کو ندامت سے بچالے۔

اپنے خاندان کے شیروں کو ساتھ نہیں لیا۔ اس سے برتر ثبوت ان کے بلند و بالا رتبہ کا یہ ہے ان کی بے پناہ مظلومیت، تنہائی اور بے کسی بچہ تنہا رہ جانے، بے یار و مددگار دیکھ کر جس نے نصرت کا ارادہ کیا اس کی مدد بھی قبول نہ کی توکل کا وہ نمونہ دکھایا جس نے خلیل اللہ کی یاد تازہ کی یقیناً وہ امام خلق تھے اور کائنات کو ان سے ہمدردی تھی۔ فرات سے طوفان نوح کا سامان مہیا ہوتا۔ سفینۃ اہلبیت کے وہ ناخدا تھے۔ زمین دشمن کو ان کے قارون کی طرح نیچا دکھاتی، ہوا کام تمام کرتی اور فوج شام قوم عاد و ثمود کی طرح فنا ہوتی۔ سپاہ یزید کا تختہ قوم لوط کی طرح الٹ جاتا مگر وہ وارث انبیاء ہوتے ہوئے صبر کرتے ہیں۔ قوم جن نے خدمات پیش کیں ان کو بھی شرف نصرت سے محروم رکھا اور زعفر جن کو اس کے اصرار پر کسی طرح اجازت نہ دی۔ اس کا نام ہے حسینیت مقاتل اور تاریخ دونوں گواہ ہیں کہ جب مظلوم کربلا تنہا رہ گئے۔ انصار حق وفا ادا کر کے موت کی نیند سو چکے۔ بنی ہاشم اپنے خون میں نہا کے دم توڑ چکے عبداللہ شیر خوار بھی لہو میں لال ہاتھوں پر دم توڑ چکا تو کائنات میں ہلچل تھی زمین کانپ رہی تھی، فضا میں تم سمجھتے ہو کہ گرد و غبار تھا۔ انبیاء کی روحیں فرشتوں کی صفیں جنوں کے قبیلے اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر پہنچ چکے تھے۔ آسمان سے زمین تک روحانیت کا وہ اجتماع تھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ نگاہ امامت سب پر ناظر اور ہمدردی کے نعرے سن سن کر خاموش تھی۔ بنی جان میں اس دن جشن عام تھا۔ زعفر تخت سلطنت پر عیش و عشرت کے منظر میں ایک جنیہ سراسیمہ تصویر غم بن کر پہونچی اور کہا زعفر کیا بیٹھے ہو۔ فاطمہ کا گھر اجڑ رہا ہے اس بھیانک صدا نے انقلاب کی لہر دوڑا دی اور وہم بھی نہ تھا کہ امت نبی کے نواسہ کے ساتھ یہ سلوک کرے گی۔ زعفر نے سر سے تاج زمین پر پھینکا۔ لشکر

کو ساتھ لیکر کربلا پہنچی تو آسمان سے زمین تک آواز پر لبیک کہنے والوں کی صفیں انھیں میرے سوا قوم جن کے دوسرے ناجور اذن جنگ طلب کر رہے تھے۔

مجھے مقتل سے ٤ فرسخ پر جگہ ملی اور سلام عرض کیا ہجوم ملائکہ اور ارواح طیبہ میں قریب نہ پہنچ سکا۔ آقا نے سلام جواب دیا، نیز عرض کیا، غلام اپنا سارا لشکر لے کر جانثاری کو حاضر ہے۔ فرمایا تم قوم جن ہو۔ یہ لوگ انسان ہیں تم انھیں دیکھ دیکھ کر قتل کر دوگے (یہ تم سے جنگ نہ کر سکیں گے) زعفر نے عرض کیا۔ بدر میں فرشتے بھی تو دکھائی نہ دیتے تھے۔ فرمایا مشیت ایزدی نہیں ہے جو قلم قدرت چل چکا ہے۔ خدا تجھ پر جزاء خیر دے۔ اپنے مقام پر واپس جا۔ زعفر سر تسلیم کر کے نامراد اپنی فوج واپس لایا۔ ماں نے جو دیکھا کہ لشکر پلٹ آیا۔ قسم دی کہ زعفر میں دودھ نہ بخشوں گی اگر نصرت نہ کی، اب جو زعفر پہنچا تو خیمہ زرنگاری میں آگ مشتعل تھی۔ جھکے ہوئے ستون گرتی ہوئی قناتیں، اٹھتا ہوا دھواں، چاک پردے شاہزادیاں میدان میں، زعفر نے اپنا سر امام زین العابدین کے قدموں پر گرا دیا اور ایک بار پھر عرض کیا۔ اب اذن جہاد عطا ہو فرمایا مجلس کر میر عشق مرحوم اپنے مرثیہ میں اس محل پر عرض کرتے ہیں، زعفر کی زبانی

شروع میں نے یہ نوحہ کیا حسین حسین
چلا دنیا سے میں کہتا ہوا حسین حسین

جب ہی سے ورد ہے صبح و مسا حسین حسین
ہر اک سمت سے آئی صدا حسین حسین

یہ تھی وہ آخری ناصر کی سرگذشت جو حسب ذیل مقاتل اور تواریخ میں پائی جاتی ہے۔

(١) عناصر الشہادتین ابن شیخ حیدر علی غیاث پوری ص ٣١١

(٢) معدن البکاء مقتل محمد علی من محمد مخطوطات ص ٢١١، کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد۔

(٣) روضۃ الشہداء ملا حسین واعظ کاشفی۔

(٤) مائتین علامہ کنتوری ح ٢ عصر حاضر کے مفکر نیاز فتحپوری نے اپنی ادارت ١٩٣٥ء میں جو علمی جریدہ "جن" نامی لکھنؤ سے جاری کیا۔ بابت مئی ج ٨ نمبر ٤ ص ٢٤ پر اس عقیدت کیش کے جذبات کو نظر انداز نہیں کیا۔ یہ خادم ابن الواعظ ١٩٥٣ء میں روایت زعفر پر کئی نمبروں میں مسلسل بحث کر چکا ہے مغفرت مآب معاصر مولانا ابن حسن صاحب جارچوی ایم اے مرحوم و مغفور اپنی تقریر میں فرماتے تھے۔ یورپ امریکہ اور روس کے بہترین دماغ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کی صنعت میں لگے ہوئے ہیں مگر امام حسین علیہ السلام سے روز عاشورہ جب زعفر جن نے آرزو خواست کی کہ ہم کو اجازت دیجئے

کہ ہم آپ کے دشمنوں کو آناً فاناً فنا کر دیں تو آپ نے صاف صاف فرما دیا کہ میں نانا کی امت پر ایسی طاقتوں کو مسلط نہیں کرنا چاہتا جن کا توڑ ان کے پاس نہ ہو جن سے مقابلہ کی ان میں طاقت نہ ہو اس طرح سبطین ایک جنگی قانون کی بنیاد رکھ رہے تھے کہ لڑتے وقت وہی ہتھیار استعمال ہوں جن کا توڑ مد مقابل کے پاس موجود ہو۔ امام حسین علیہ السلام کے اس جنگی قانون کو اقوام متحدہ کی انجمن میں پیش کیجئے اور پاس کرا کے عالم میں امن وامان قائم رکھنے کی مہم کو کامیاب بنائیں"۔

روایت زعفر سے انکار قرآنی مقصد پر ضرب ہے۔

لعنت رسول جن وانس سب پر ہے اسی طرح حسینؑ سب کے ہیں باب ماضی مٹ نہیں سکتا نہ مستقبل کی صدائیں بند ہوں گی۔

ادب میں جو سرمایہ محفوظ ہے وہ یہ تھا۔

میر ضمیر ؎ زعفر نے آکے سبط نبی سے یہ عرض کی
کچھ کام لیجئے آج غلام قدیم سے

بیان دیگر ؎ زعفر جن سے کہا شہ نے کہ خالق کے سوا
میں نہیں محتاج ہرگز غیر کی امداد کا

میر انیس ؎ جو دوست ہمارا ہے اسے جانتے ہیں ہم
تو زعفر جن ہے تجھے پہچانتے ہیں ہم

تعشق ؎ زعفر کو حرارت سے نہیں تاب سخن کی
ہے لال زباں دھوپ سے ہر موئے بدن کی

عشق ؎ کھڑا ہے دور پریشان راہ دوسر کو
ہمارے پاس بلا لو وہاں سے زعفر کو

شہادت عظمیٰ پر سیاسی تبصرہ

جناب نواب شیخ احمد حسین
مولف تاریخ احمدی

جرمنی کے مشہور عالم مورخ و فلاسفر "میسو ماربن" کی کتاب "سیاست اسلامیہ" ساتویں فصل کا ترجمہ

محمدؐ کے نواسے حسینؑ ابن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم جمیع صفات حسنہ میں بہترین شخص سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے بہادری وراثۃً اپنے باپ سے حاصل کی تھی ان میں سخاوت صداقت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ وہ نہایت خوش بیان تھے اور اپنے جد کے احکام کو تمام مسلمانوں سے زیادہ جانتے تھے۔ اور ان میں ایسی خوبیاں تھیں جن کے تسلیم کرنے پر مخالفین بھی مجبور ہو جاتے تھے۔ مزید براں حسینؑ کی اعلیٰ سیاست دانی سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ارباب دیانیات میں سے کسی شخص نے ایسی موثر سیاست اختیار نہیں کی جیسی حسین علیہ السلام نے کی۔ باوجودیکہ ان کے باپ علی حکیم اسلام تھے اور ان کے حکمت آمیز کلیے اقوال حکماء سے بہتر تھے۔ لیکن پھر بھی حسینؑ کی ایسی سیاست ان سے ظاہر نہ ہوئی زمانہ جاہلیت عرب کی تاریخ دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ دو اہم قبیلے تھے۔ ان دونوں قبیلوں میں ایسی کدورت اور عداوت چلی آتی تھی کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ عرب میں یہی دونوں قبیلے سربر آوردہ سمجھے جاتے تھے۔ یعنی بلحاظ دولت و ثروت کے بنی امیہ اور بہ اعتبار علم و روحانیت کے بنی ہاشم خانہ کعبہ کی خدمت و ریاست بنی ہاشم ہی سے متعلق تھی۔ حتیٰ کہ شریف مکہ بنی ہاشم ہی ہوتے آئے۔ زمانہ بدو اسلام میں بنی امیہ اور بنی ہاشم کی کدورت اعلیٰ پیمانے پر پہنچ گئی تھی۔ تا اینکہ محمدؐ نے مکہ فتح کرنے کے بعد تمامی قریش کو (جن میں بنی امیہ شامل تھے) اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا اور بنی ہاشم کی اس نمایاں فتح یابی سے بنی امیہ کے دلوں میں حسد کی آگ زیادہ بھڑک اٹھی اور وہ اپنے کینہ دیرینہ کے انتقام کی تاک میں رہنے لگے۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ محمدؐ کی وفات کے بعد بنی امیہ کی کوششوں سے محمدؐ کی جانشینی ولیعہدی کے اصول پر نہ ہونے پائی بلکہ

جانشینی کا فیصلہ بنی ہاشم کے خلاف رائے شماری کی بنا پر ہوا۔ جس کی وجہ سے بنی امیہ نے آئندہ اپنی ترقی کے لئے راہ صاف کر لی۔ اور محمدؐ کے جانشینوں یعنی خلفاء کے مقرب بارگاہ ہو کر سلطنت اسلامیہ کے رکن بن گئے۔ یہاں تک کہ محمدؐ کی تیسری جانشینی بنی امیہ میں مسلم ہو گئی۔ اور وہ ہر قسم کے نظم و نسق کے مختار ہو گئے۔ بنی امیہ کو یہ بات نہایت شاق تھی کہ دین اسلام پر سکہ بنی ہاشم کا ہو۔ اور وہ اس دین کی پیروی کریں۔ گو بظاہر اس کی مطابقت پر مجبور تھے۔ لیکن جب ترقی کا ذریعہ ان کے ہاتھ آ گیا تو کھلم کھلا دینی احکام سے تمرد کرنے لگے بنی ہاشم نے جب یہ رنگ دیکھا تو انہوں نے تیسرے خلیفہ کی بعض بے اعتدالیوں پر مسلمانوں کو برانگیختہ کر کے مختلف قبائل کے با اثر لوگوں کی شرکت سے تیسرے خلیفہ کو جو بنی امیہ سے تھے۔ قتل کرا دیا۔ اور علیؑ کو چوتھا خلیفہ تسلیم کرا دیا۔ یہ دیکھ کر بنی امیہ میں پھر اضطراب پیدا ہوا۔ اور معاویہ نے جو پہلے خلفاء کی طرف سے شام کے مقتدر حاکم تھے۔ یہ بہانہ کر کے کہ عثمان کا قتل علیؑ کے اشارہ سے ہوا ہے۔ مخالفت کا جھنڈا کھڑا کر دیا۔ اور مسلمانوں میں اختلاف ڈالدیا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت کے اصول پر پھر تلوار میان سے باہر نکل پڑی۔ اور اگرچہ معاویہ علیؑ پر غالب نہ آئے مگر مغلوب بھی نہ ہوئے نیز اس کشمکش کے اسباب اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ بالآخر علیؑ مقتول ہوئے اور حسنؑ کو امر خلافت سے کنارہ کشی اختیار کرنی پڑی تا آنکہ معاویہ کو پورا غلبہ حاصل ہو گیا۔ اور محمدؐ کی جانشینی بنی امیہ دوبارہ مسلم ہو گئی۔ چنانچہ معاویہ نے بنی ہاشم کی قوتوں کو ضعیف اور بلکہ ان کو نابود کرنے کی عملی کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ حسینؑ اگر اپنے بڑے بھائی حسنؑ کے خلاف کچھ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن پھر بھی بنی امیہ کے اشر اطاعت سے بالکل علیحدہ رہے۔ اور چونکہ انہوں نے بالا علان کہدیا کہ میں ناحق امر کی پیروی ہرگز نہیں کروں گا۔ بلکہ راہ خدا میں مقتول ہوں گا۔ اس وجہ سے بنی امیہ کو ان کی جانب سے اندیشہ پیدا ہو گیا۔ حتیٰ کہ کچھ دنوں کے بعد حسنؑ نے وفات پائی۔ اور معاویہ نے بھی یزید کو اپنا جانشین کر کے رحلت کی۔ حسینؑ نے جب دیکھا کہ بنی امیہ کو دنیوی سلطنت حاصل ہو چکی اور ریاست روحانی پر بھی وہ مسلط ہو چکے تو سمجھ لیا کہ بنی امیہ کے لوگ مسلمانوں کے عقیدے کو ان کے جد کے دین سے منحرف کر دیں گے نیز

چاہے وہ یزید کی اطاعت کریں یا نہ کریں بنی امیہ اپنی دیرینہ عداوت و انجام اندیشی کے خیال سے بنی ہاشم کے نابود کرنے کی پوری کوشش عمل میں لائیں گے۔ یہی وہ خاص وجہ تھی جس کی بنا پر حسینؑ نے بنی امیہ کے خلاف اسلام میں ریوولیوشن قائم کرنے کا مصمم قصد کر لیا۔ چنانچہ جس وقت سے یزید معاویہ کا جانشین ہوا حسینؑ نے اس کی اطاعت سے انکار واجب سمجھا۔ اور چونکہ وہ اپنی مخالفت کو کسی سے پوشیدہ نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا یزید بھی ان کی بیعت لینے پر مصر ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ حسینؑ نے اس اعلیٰ خیال کو جو ان کے دماغ میں تھا۔ قائم رکھنے کے لئے دیدہ و دانستہ موت کو گوارہ کیا۔ اور اسلامی دنیا میں ایک اعلیٰ ذہنی انقلاب کے قیام کو اپنی شہادت پر مقدم رکھا۔

جو شخص اس زمانے کے حالات یعنی بنی امیہ کے طرز معاشرت اور مسلمانوں کی سست اعتقادی سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے وہ اس امر کی تصدیق میں ہرگز تعامل نہیں کرتے۔ کہ حسینؑ نے اپنی جان دے کر اپنے نانا کے دین اور اسلام کے شرائع کو زندہ کر دیا۔ اور اگر کربلا کا واقعہ پیش نہ آتا۔ اور اس کی وجہ سے رقتی احساس مسلمانوں میں پیدا نہ ہوتا تو ہرگز اسلام موجودہ حالت پر باقی نہ رہتا اور اس کے رسوم و قوانین بالکل معدوم ہو جاتے کیونکہ حسینؑ نے اپنے والد کے بعد بھی اس اعلیٰ مطلب کو پورا کرنے کا ارادہ پختہ کر لیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے حکومت یزید کے تھوڑے ہی دنوں بعد مدینہ سے اس لئے سفر اختیار کیا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے مقامات میں پہنچکر اپنے اعلیٰ خیالات کو منتشر کریں۔ اور یہ ان کی سیاست کا مقدمہ تھا کہ جہاں وہ جاتے تھے وہاں کے مسلمانوں میں بنی امیہ کی جانب سے نفرت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ چونکہ یزید ان باریکیوں سے بے خبر نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر مسلمانوں میں ہماری طرف سے نفرت اور حسینؑ کی جانب سے عقیدت بڑھ گئی اور اس حالت میں حسینؑ نے مخالفت کا علم بلند کر دیا تو سلطنت بنی امیہ کا قلع قمع ہو جائے گا۔ اس لئے اس نے تخت نشین ہونے ہی تمام باتوں سے پہلے حسینؑ کے قتل کا پکا ارادہ کر لیا۔ اور یہی وہ سیاسی غلطی تھی جس نے بالآخر بنی امیہ کے نام و نشان کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا۔

حسینؑ اپنے والد کے وفات کے بعد ہمیشہ اپنے مقتول ہونے کی پیشن گوئی کیا کرتے

تھے۔ اور جب انہوں نے مدینہ چھوڑا تو صاف صاف با آواز بلند کہہ دیا کہ میں مقتول ہونے کے لئے جا رہا ہوں۔ نیز بطور اتمام حجت اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص جاہ و جلال، مال و متاع کا خواہاں ہو تو وہ میرے ساتھ سے جدا ہو جائے۔ پس قابل غور ہے کہ اگر حسینؑ اپنے ضمیر کے مطابق مقتول ہو جانے پر آمادہ نہ ہوتے تو جہاں تک ان سے ممکن ہو سکتا لشکر جمع ہوتے نہ یہ کہ جو لوگ ہمراہ تھے۔ ان کو بھی متفرق اور پراگندہ کر دیتے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ حسینؑ کو بجز اس کے اور کوئی بات منظور نہ تھی کہ مقتول ہو کر اپنے انقلابی مشن کو کامیاب بنائیں اور انہوں نے اس کا بڑا ذریعہ بیکسی اور مظلومیت میں مقتول ہونے کو سمجھا تاکہ ان کی انتہائی مصیبت لوگوں کے دلوں میں زیادہ تر موثر ہو۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حسینؑ نے مسلمانوں میں جو محبوبیت حاصل کی تھی۔ اس کے ساتھ وہ اپنی قوت کو بڑھا کر ایک بڑا لشکر فراہم کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس صورت میں قتل ہو جاتے تو یہی کہا جاتا کہ سلطنت کی خواہش میں مقتول ہوئے اور وہ مظلومیت جس کا عظیم الشان نتیجہ ریولیوشن تھا حاصل نہ ہوتا اسی وجہ سے انہوں نے اپنے ساتھ انہیں لوگوں کو رکھا جن کی جدائی ممکن نہ تھی۔ جیسے بیٹے، بھائی، بھتیجے، بعض بنی اعمام اور معدودے چند احباب وفادار حتیٰ کہ ان سے بھی کہا کہ تم لوگ مجھے چھوڑ کر جہاں چاہو چلے جاؤ۔ مگر ان لوگوں نے جو حقیقتاً اسلامی تقدس کے پتلے تھے۔ اس بات کو منظور نہ کیا۔ اور حسینؑ کے ساتھ ان کی جانثاری نے واقعہ کی عظمت کو مزید اہمیت دی حسینؑ نے بنی امیہ کی اس عداوت کے افشا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی جو ان کو بنی ہاشم اور آل محمدؐ کے ساتھ تھی اور وہ بخوبی جان چکے تھے کہ قتل کے بعد عورتیں اور بچے ضرور اسیر و مقید ہوں گے۔ جس سے یہ واقعہ مسلمانوں میں اسقدر پرتاثیر ہو جائے گا۔ جس کا تصور بھی محال ہے چنانچہ فی الواقع بنی امیہ کے مظالم اور بے رحمانہ سلوک جو انھوں نے اپنے پیغمبر کے حرم و اطفال کے ساتھ کئے۔ اہل اسلام کے قلوب میں اتنے موثر ہو گئے کہ جو کسی طرح حسینؑ اور ان کے ہمراہ ساتھیوں کے قتل سے نہ ہوتے۔ اور جس کی وجہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بنی امیہ کو محمدؐ کے خاندان سے کس درجہ دشمنی ہے۔ نیز اسلام کے ساتھ ان کے عقائد اور مسلمانوں کے ساتھ ان

کے برتاؤ کیسے ہیں۔

تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں کہ جب حسینؑ مدینہ سے نکلے تو محدود خیالات والے ان کو اس سفر سے مانع ہوئے لیکن انھوں نے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ میں مقتول ہونے جا رہا ہوں۔ اور جب ان لوگوں نے اصرار کیا کہ عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جایئے تو انہوں نے جواب دیا کہ مشیت ایزدی میں یہی مقرر ہو چکا ہے کہ میرے عیال اسیر و مقید ہوں جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حسینؑ کے دماغ میں ریولیوشن کے بلند خیالات کے سوا کوئی دوسری غرض حصول مملکت وغیرہ کی نہ تھی جس کے لئے وہ اس تہلکہ عظیم میں قدم رکھتے چنانچہ اس واقعہ ہائلہ کے پیشتر ہی سے وہ اپنے مخصوص احباب کو تسلی دینے کے لئے سمجھایا کرتے تھے کہ میرے قتل کے بعد حق شناس لوگ ہماری مصیبتوں کو یاد کر کے روئیں گے۔ ہماری قبروں کی زیارت کریں گے۔ اور آل محمدؐ کے دشمنوں سے بیزاری ظاہر کر کے خدا کے دین اور میرے نانا کی شریعت کو رواج دیں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ حسینؑ نے اپنی مظلومیت اور بنی امیہ کی بنی ہاشم سے قلبی عداوت ظاہر کر دینے میں کوئی کمی نہیں کی اور یہ بات ان کی اعلیٰ سیاست اور قوت قلب کو بخوبی ثابت کرتی ہے۔

حسینؑ نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ میں ایک ایسا محیر العقول کام کیا ہے جس نے ان کی سیاست دانی کے آگے بڑے بڑے فلسفیوں کے سر جھکا دیئے۔ باوجود زخمہائے کاری اور سینہ فگاری او شدت عطش و بے قراری کے حسینؑ نے اپنے ریولیوشن کی تکمیل کا خیال اپنے دماغ سے نہیں نکلنے دیا۔ بلکہ اسی سراسیمگی کی حالت میں خیمے سے اپنے شیر خوار بچے کو ہاتھوں پر اٹھا لائے۔ اور اسکو بلند کر کے دشمنوں سے خطاب کیا کہ یہ بچہ تشنگی سے جاں بلب ہو رہا ہے۔ اگر تھوڑا سا پانی اسے دیدو تو بڑا کام کرو۔ لیکن ان بے رحموں نے بجائے پانی دینے کے ایسا تیر مارا کہ وہ بچہ حسینؑ کے ہاتھوں پر تڑپ کر جان بحق تسلیم ہو گیا۔ گویا اس عمل سے حسینؑ کی یہ غرض تھی کہ بنی امیہ کی قلبی عداوت سے اہل عالم واقف ہو جائیں اور تصور کریں کہ یزید محض دفاع کے لئے ایسے مظالم و ستم کرنے پر مجبور نہ تھا۔ اس لئے کہ شیر خوار بچے کا ایسی بے دردی سے قتل کرنا جو ہر دین و مذہب و قانون کے منافی ہے سوا بہیمانہ عداوت

گے اور کچھ ظاہر نہیں کرتا۔ وہی ایک نکتہ بنی امیہ کے قبایح اعمال اور خصوصیت دینیہ و دنیویہ کا پردہ فاش کرتا ہے۔ نیز بالعموم اہل عالم اور بالخصوص اہل اسلام پر ظاہر کرتا ہے کہ بنی امیہ نہ فقط جاہلانہ تعصبات میں ایسی حرکات کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ احکام اسلام کی مخالفت بھی ان کی نیت میں شریک تھی۔ اور اسی لئے وہ چاہتے تھے کہ بنی ہاشم کا کوئی اور عزت محمدؐ کا متنفس دنیا میں باقی نہ رہے۔

بنی امیہ کی دلی اور دیرینہ عداوت کا ثبوت اس بات سے بھی ہوتا ہے اگرچہ انہوں نے مملکت یزید کے کسی شہر یا قریہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ نہ کسی شورش یا بلوے کے باعث ہوئے مگر پھر بھی ان کو کمال تشدد کے ساتھ ایک میدان بے آب و گیاہ میں گھیر لیا گیا۔ حالانکہ اسوقت بھی وہ کہہ رہے تھے اگر تم مجھے جانے دو تو میں اپنے عیال و اطفال کو لے کر کسی دوسرے ملک میں چلا جاؤں۔

حسینؑ سے پہلے بھی اکثر روحانی بزرگ اور ارباب دیانات بحالت ظلم قتل کئے گئے ہیں۔ جیسے یحییٰ اور مسیح وغیرہ ہا مگر حسینؑ کے واقعۂ قتل نے تمام گزشتہ وقایع پر فوقیت حاصل کر لی۔ کیونکہ اگرچہ ہر مقدس بزرگ کے قتل کے بعد ریولیوشن ہوا ہے۔ لیکن حسینؑ اس کے لئے بہت پہلے سے تہیہ کر چکے تھے۔ اور کسی تاریخ سے ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ ارباب دیانات میں سے بغیر حسینؑ کے کسی شخص نے دین کی ترویج کے لئے اپنی ذات کو اپنے علم و ارادے سے قتل کرا دیا ہو۔ چنانچہ حسینؑ کے اس بے نظیر ایثار سے مسلمانوں میں ریولیوشن کا سیاسی احساس پیدا ہو گیا۔ لوگ بنی امیہ کو مخرب اسلام جان کر ان کے بدعتی امور کو رد کرنے لگے انہیں ظالم اور غاصب سمجھنے لگے۔ اور برخلاف اس کے بنی ہاشم کو مظلوم اور مستحق ریاست جاننے لگے۔ نیز اسلام کی حقیقی روحانیت انہیں میں مسلم مانی گئی۔ گویا مسلمانوں میں نئی زندگی حاصل کی اور اسلام کی روحانیت کے لئے تازہ رونق پیدا ہو گئی۔

حسینؑ کے ریولیوشن کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست روحانی جو بڑی نہم بالشان چیز ہے از سر نو بنی ہاشم اور بالخصوص خاندان حسینی میں مسلم ہو گئی۔

واقعہ کربلا کے بعد ہی یزید کو حسینؑ کا نام عظمت و مظلومیت کے ساتھ اور

اپنا ذکر شماتت اور ملامت کے ساتھ سنکر سکوت کے سوا کوئی چارہ نظر آیا تو ایک دن کہنے لگا کہ حسینؑ کا بادشاہ ہو جانا مجھ پر آسان تھا بہ نسبت ان کلمات کے جن کا سننا میرے لئے دشوار تھا۔

الغرض بنی امیہ کے مظالم اور آل نبیؐ کے صبر و استقلال نے بنی امیہ کو آخر کار اس درجہ بے نام و نشان کر دیا کہ کسی کو ان کا پتہ نہیں چلتا۔ اور ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو بنی امیہ ہونے کا اقرار کرے۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ سلاطین قاچاریہ جو اب ایران میں سلطنت کرتے ہیں بنی امیہ سے ہیں۔ لیکن ان کو بنی امیہ ہونے سے قطعی انکار ہے۔ اور وہ اس سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں۔

سلاطین امویہ کے بعد تخت سلطنت پر بنی عباس مسلط ہو گئے اور اگرچہ ان کو یہ مرتبہ حسینؑ ہی کے ریولیوشن کی برکت سے ملا۔ مگر سلطنت پاتے ہی انہوں نے بھی اس خوف سے کہ کہیں اسلامی سلطنت رفتہ رفتہ حسینؑ کے خاندان میں نہ منتقل ہو جائے حسینؑ کے تابعین پر نہایت درجہ تشدد کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھکر حسینؑ کے تابعین نے ریولیوشن کی صورت یوں بدل دی کہ ایک جگہ مجتمع ہو کر واقعہ کربلا اور مصائب حسینؑ کے ذکر سے ریولیوشن کے مادے کو تازگی دینے لگے۔ جب سلاطین عباسیہ اس مطلب کو سمجھے تو حسینؑ کے تابعین پر ظلم و تعدی کی اس قدر زیادتی کی کہ جس شخص سے بھی علیؑ اور حسینؑ کی پیروی آشکار ہوتی اس کو سخت سزا دی جاتی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حسینؑ کے ہزاروں تابعین محبوس و مقتول ہو گئے۔ لیکن باوجود اس سختی اور تشدد کے بھی ریولیوشن کا مادہ حسینؑ کے تابعین سے دور نہ کر سکے بلکہ جس قدر تشدد زیادہ کیا جاتا تھا اسی قدر اس کی قوت بڑھتی گئی تا اینکہ بنی عباس کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ امام حسینؑ کے بعد روحانی ریاست یکے بعد دیگرے ائمہ کی اولاد میں رہی۔ حسینؑ کے تابعین نے عزاداری کو جزو اعظم قرار دیا ہے چنانچہ آج تک جہاں جہاں شیعہ آباد ہیں۔ وہاں حسینؑ کی عزاداری کا ظہور کے ساتھ ہوتا ہے حتیٰ کہ تمام دوسری قوموں اور مذہبوں میں بھی رفتہ رفتہ اس کا اثر سرایت کر گیا۔ بالخصوص چین اور ہندوستان

میں حسینؑ کی عزاداری شروع ہوئے تقریباً سو برس سے زیادہ نہیں گزرے مگر اس تھوڑی سی مدت میں اس کی اشاعت ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک ہو گئی اور ہر روز ترقی پذیر ہوتی ہے۔

اب سے سو برس پہلے ہندوستان میں علیؑ اور حسینؑ کے پیرو گنتی کے نکلتے تھے لیکن آج شمار کی حیثیت سے وہ تیسری قوم قرار پا گئے۔

ہم جس وقت اپنے مشنری لوگوں (مسیحی مبلغین) کا پروگرام دیکھتے ہیں۔ اور موازنہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قوت و ثروت کے باوجود ہمارے مشنریوں کو تابعین حسینؑ کی ترقی کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا۔ راقم کے نزدیک محمدؐ کے قانون کی حفاظت نیز اسلام اور مسلمانوں کی ترقی حسینؑ ہی کے ریولیوشن سے ہوئی۔ اور جب تک مسلمان حسینؑ کے عزاداری کے عامل رہیں گے۔ کبھی بلندی کے سوا پستی اور زیر دستی کی صورت نہ دیکھیں گے۔

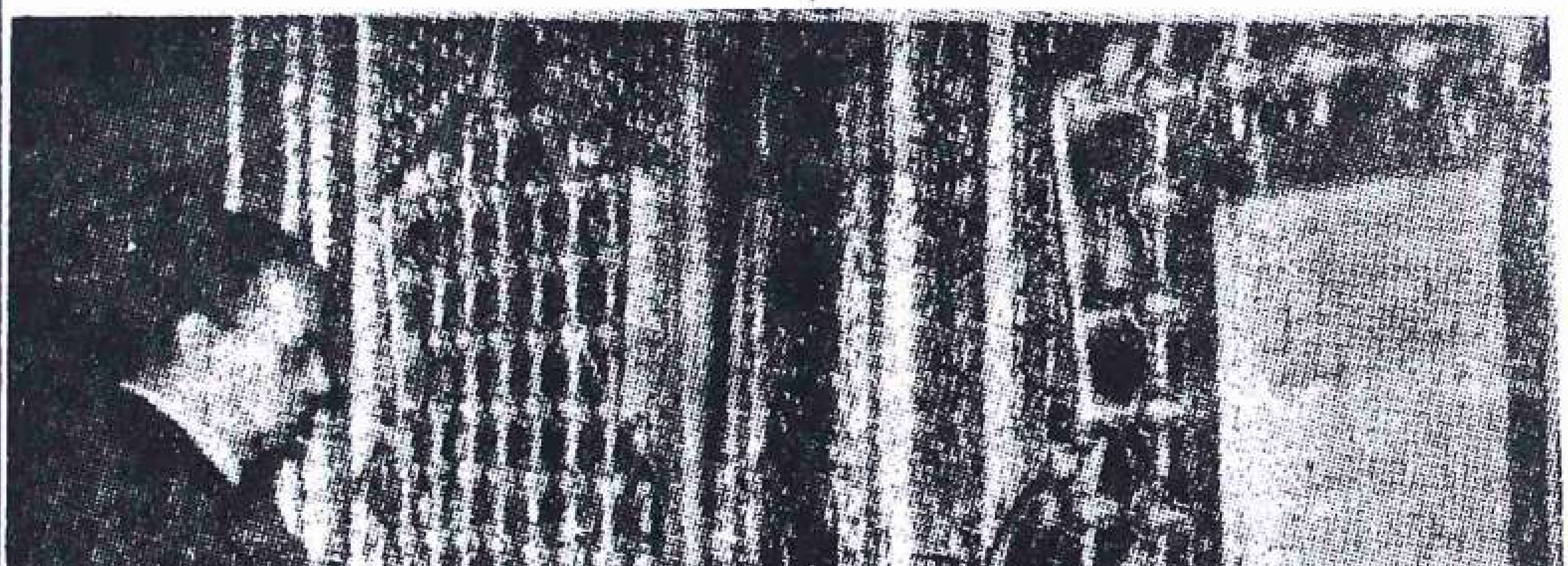

مقتل الحسینؑ شریشی (م ۶۱۹ھ)

مسلمانوں میں حسینؑ کی مصیبت بہت بڑی مصیبت سمجھی گئی (حریری م ۵۱۶ھ)

ڈاکٹر علامہ سید مجتبیٰ حسن مجتہد کامونپوری

حریری کے ایک مصرعہ کی تشریح:- ابوالقاسم بن علی بن محمد بن عثمان حریری بصری، عربی ادب کی دنیا میں بے حد مشہور شخص ہے۔ ۴۴۶ھ میں پیدا ہوا اور ۵۱۶ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

یہ چھٹی صدی ہجری کا مشہور ادیب و منشی و مؤلف تھا۔ عربی افسانہ نگاروں کی صف میں یہ بہت ممتاز شخص ہے۔ اس نے مشہور ادیب بدیع الزمان ہمدانی کی تقلید کی۔ مقامات حریری کے نام سے اس کے عربی افسانے صدیوں سے نصاب تعلیم میں داخل ہیں۔ اس نے ابوزید سروجی کے فرضی کردار کے روپ میں اپنے سماج کے قاضیوں، عالموں اور ادیبوں کے مکر و فریب کی تصویر کھینچی ہے۔ ان مقامات کی عبارت مسجع و مقفیٰ ہے۔ لفظی صنعتوں کا اس میں ایک جنگل ہے۔ خصوصاً توریہ و جناس کی بھرمار ہے جگہ جگہ اس میں امثال و اشعار بھی چسپاں کئے گئے ہیں۔

حریری نے اپنے دسویں مقالہ (رحبیّہ) میں ایک افسانہ لکھا ہے۔ ابوزید سروجی نے ایک امرد پرست قاضی کو اپنے بیٹے کے حسن پر فریفتہ کیا اور بیوقوف بنا کر روپیہ وصول کیا۔ قاضی کو اس لڑکے کی محبت میں بڑا دکھ ہوا۔ حریری نے افسانے کے آخر میں قاضی کے غم کی سنگینی کا ذکر پانچ شعروں میں کیا ہے۔ آخری شعر میں اس نے کہا ہے اتنا ہی شدید صدمہ ہوا (معاذاللہ) جیسا کہ مسلمانوں کو حسینؑ کے واقعہ کا شدید رنج و غم ہے۔

لئن جلّ ما راك كما جلّ   لدى المسلمين رزء الحسينؑ

دوسرے مصرعہ میں حریری نے امام حسینؓ کی شہادت کو مسلمانوں کا سب سے بڑا غم بنایا ہے۔ یہ مصرعہ برجستہ نظم ہوگیا۔ حریری کو قاضی کے غم کی سنگینی کے بیان کے لئے اس کو ایسے غم سے تشبیہہ کی ضرورت تھی جس سے زیادہ کوئی دوسرا غم، سنگین نہ ہو۔ مسلم سماج کئی سو سال سے اس واقعہ کو اپنا سب سے بڑا غم سمجھتا تھا۔ بداہتہً بغیر غور و تامل کے حریری کے زبان پر یہ مصرع آ گیا۔ کما جل۔ لدی ۲ لمسلمین ور ۲-۱-۲ الحسین۔

۵۱۶ھ سے کچھ پہلے تک اسلامی تاریخ میں جتنے غمناک واقعات گزرے ہیں۔ حریری کے بیان کے مطابق مسلمانوں کی نظر میں سب سے سنگین اور افسوسناک واقعہ کربلا ہے۔

شعوری و نیم شعوری طور پر واقعہ کربلا کی جڑیں ادب و شعر و حلقہ و تاریخ و سیاست و اخلاق میں پیوست ہوتی رہتی ہیں واقعہ اس قدر ہولناک، پُردرد، الم انگیز و عبرت خیز تھا اور ذہن اس سے اتنا شدت سے متاثر ہوا کہ غیر شعوری نیم شعوری اور شعوری پیرایہ میں اس کے اظہار و بیان پر مجبور ہونا پڑا۔ غیر شعوری طور پر ذہنوں نے واقعہ کربلا کی سوزش و غمگین ادب میں اس قدر گھول دی ہے، اس کا بیان ایک وسیع ادبی جائزہ چاہتا ہے۔ نیم شعوری تاثر کی مثالیں بھی بے شمار ہیں۔ حسن و عشق کے داستان کے بیان کے لئے عموماً غزل کی صنف سے کام لیا جاتا ہے واقعۂ کربلا ایک تاریخی حقیقت ہے، ایک روحانی معراج ہے۔ ایک مقدس واقعہ ہے غزل اور المیہ کربلا کے موضاعات و مسائل بالکل الگ الگ ہیں لیکن یہ ایسا المیہ ہے جس سے ہر انسانی صنف متاثر ہوئی ہے۔ ہر درجہ کے لوگ غم کے اس آتش فشاں سے گزرے ہیں۔ اس اپنے اپنے حلقہ میں جب کوئی شدید غم سے دوچار ہوتا ہے اور اسے اس کی المناکی کے بیان کے لئے کسی ہوشربا واقعہ سے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے تو واقعہ کربلا سامنے آجاتا ہے اس کی مثال میں عرب و فارس و اردو اور دوسری زبانوں سے بے شمار شعر نقل کئے جا سکتے ہیں۔ ابو فراس بن سعید بن ہمدانی

۳۵۲ھ عرب شاعر اپنی ایک غزل میں کہتا ہے۔

فحرمت قرب الوصیل منہ مثلہا　　　　حرم الحسین الماء وھو بیراہ

قرب کے باوجود میں وصل سے اس طرح محروم رہا۔ جس طرح حسین پانی کو دیکھ رہے تھے اور پی نہیں سکتے تھے۔ حافظ شیرازی نے کہا ہے۔

آنچہ جان عاشقان از دست ہجرت می کشد　　　　کس ندیدہ در جہاں جز کشتگان کربلا

سعدی شیرازی نے کہا ہے ؎

آنکہ در بہار بہ صحرا نمی روند　　　　عیش خوش زبیع براایشاں محرام است

غنی کشمیری نے کہا ہے۔

خام گویاں بسکہ می سازند معنی ہا شہید　　　　شد زمین شعر آخر چون زمین کربلا!

غالب نے کہا ہے۔

بزم ترا شمع و گل خستگی بوتراب　　　　ساز ترا زیر و بم واقعہ کربلا!

مہاراجہ جسونت سنگھ نے (م ۱۷۵۱ء) کہا ہے۔

تڑپتے جو دیکھی ہیں لاشیں تو دل اب　　　　تیرے کوچہ کو کربلا جانتا ہے

ذوق کا ایک شعر ہے۔

لکھوں جو میں کوئی مضمون ظلم چرخ بریں　　　　تو کربلا کی زمین ہو مرے غزل کی زمیں

داغ کا شعر ہے۔

کریں تم سے ہم بے رخی توبہ توبہ　　　　یہ کوفی کریں گے یہ شامی کریں گے

حریری کے سامنے بھی مسلمانوں کی صدیوں کی زندگی میں واقعہ کربلا سے بڑا کوئی المیہ نہ تھا۔ جس سے تشبیہہ لے کر اپنے قطعہ غزل میں وہ قاضی کے صدمہ غم کی شدت بیان کرتا۔

سر لیشی کا مقتل حریری کے مقامات سے مشرق و مغرب کی ادبی دنیا میں پھیل گئے۔ اس کی مقبولیت اتنی بڑھی کہ علمائے ادب نے اس کی متعدد شرحیں لکھیں۔

یہ ابو العباس احمد بن عبد المومن بن عیسٰے بن موسٰے بن عبد المومن قیسی سریشی نحوی ہیں۔ ۶۱۹ھ میں ان کی وفات ہوئی تھی۔

یہ ماہر نحو و حافظ لغات تھے۔ سریشی نے بہت سے ادبی کام کئے لیکن ان کا شاہکار مقامات حریری کی شرح ہے۔ یہ شرح دو جلدوں میں مصر میں ۳۱۶ھ میں شائع ہوئی تھی۔

سریشی نے حریری کے مصرع دکھا جل۔ لدی المسلمین رزء الحسین، کی تشریح (۱۴۸/۱) میں نہایت اجمال و اختصار کے ساتھ واقعہ کربلا بیان کیا ہے۔

معاویہ کا انتقال اور اہل کوفہ کا امام کے نام دعوت نامہ:- ۱۔ جب معاویہ کا انتقال ہوگیا۔

اہل کوفہ نے امام کے پاس خط لکھا۔ ہم نے اپنی جانیں آپ کی بیعت کے لئے وقف کردی ہیں۔ (قد حبسنا انفسنا علی بیعتک)

سوال بیعت مکہ روانگی:- ۲۔ امام سے مدینہ میں یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا گیا آپ مکہ چلے گئے۔

کوفہ کی سفارت:- ۳۔ امام نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کردیا اور فرمایا جو کچھ ان لوگوں نے لکھا ہے اگر صحیح ہے تو مجھے لکھنا، میں آجاؤں گا۔

۴۔ ۱۵ رمضان کو مسلم مکہ سے روانہ ہوئے اور ۵ شوال کو کوفہ پہنچ گئے۔

کوفہ کا گورنر:- اس وقت کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر تھا حضرت مسلم چھپ کر کوفہ میں داخل ہوئے۔

۵۔ اٹھارہ ہزار کوفیوں نے ان کی بیعت کی۔ اس کی اطلاع مسلم نے حسین کو دی

امام کی مکہ سے روانگی:- ۶۔ جناب امام نے مکہ سے سفر کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن عباس آپ سے ملے اور کہا اہل عراق غدار ہیں۔ آپ کو جنگ کے لئے بلا رہے ہیں۔ امام نے فرمایا، مسلم نے لکھا ہے کہ سب مجھ پر متفق ہیں۔ ابن عباس نے کہا۔ آپ انہیں آزما

چکے ہیں۔ یہ آپ کے باپ اور بھائی کے ساتھی ہی تو ہیں اور یہ کل امیہ کے ساتھ ہو کر آپ ہی سے لڑیں گے۔ جب ابن زیاد کو آپ کی آمد کی خبر ہو گی تو انھیں ابھارے گا اس وقت جن لوگوں نے آپ کو خط لکھا ہے وہ آپ کے دشمن ہیں۔ زیادہ سخت مخالف ہو جائیں گے۔ اگر آپ نہ مانیں تو ضرور جائیں۔ عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں۔ مجھے ڈر ہے کہیں آپ اس طرح قتل نہ کئے جائیں جیسے عثمان قتل کئے گئے تھے اور ان کے اہل وعیال ان کے قتل کا منظر دیکھ رہے تھے۔

امام نے ان کے جواب میں فرمایا۔ لان اقتل بموضع کذا احب الی من ان استحل بمکۃ"

میں فلاں جگہ قتل کیا جاؤں، مجھے پسند ہے، بجائے اس کے کہ میں مکہ کی حرمت ضائع کروں۔

ابن زیاد کوفہ میں:۔ ۷۔ یزید کو حضرت مسلم کی آمد کی خبر پہنچی اس نے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ وہ فوراً اپنے خدم وحشم کے ساتھ کوفہ پہنچ گیا۔ وہ نقاب پوش تھا۔ لوگ امام حسین کی آمد کے منتظر تھے۔ ابن زیاد مجمع کو سلام کرتا رہا لوگ السلام علیک یا ابن رسول اللہ قدمت خیر مقدم کہہ کر قلبی مسرت کا اظہار کرتے رہے، جب وہ قصر کے پاس پہنچا۔ اس نے نقاب ہٹا دی۔ نعمان (گورنر) نے قصر کا دروازہ کھولا۔ مجمع نے شور مچا دیا۔ ابن مرجانہ آگیا۔ مجمع نے اس پر کنکریاں پھینکیں وہ ان سے بچ کر (قصر میں داخل ہو گیا)

حضرت مسلم کی شہادت:۔ (۸) اس نے حضرت مسلم کی گرفتاری کے لئے آدمی مقرر کر دیئے حضرت نے یا منصور کا نعرہ لگایا۔ ان لوگوں کا قومی نعرہ تھا۔ فوراً اٹھارہ ہزار کوفی جمع ہو گئے۔ مجمع نے (ابن زیاد کا) قصر گھیر لیا۔ کچھ دیر لڑائی ہوتی رہی۔ شام تک حضرت مسلم کے ساتھ صرف سو آدمی رہ گئے۔ یہ بھی چلے گئے یہ قبیلہ کندہ کے محلے کی طرف بڑھے وہاں پہنچتے پہنچتے صرف تین آدمی رہ گئے۔ آخر بس کوئی نہ رہا۔ وہ حیران تھے، کدھر جائیں وہ گھوڑے سے اترے اور کوفہ کی گلیوں میں داخل ہو گئے۔ یہاں تک کہ محمد بن اشعث

کی کنیز کے دروازے پر پہنچیں۔ اس سے پینے کو پانی مانگا۔ اس نے پانی پلایا۔ حضرت مسلم نے اسے اپنا حال بتایا۔ اس کا دل پسیجا، انھیں پناہ دی اس نے محمد بن اشعث کو بتایا کہ مسلم میرے ہاں مہمان ہیں۔ محمد بن اشعث نے ابن زیاد کو خبر کر دی اس نے ان کے گرفتار کرنے کے لئے ستر آدمی ان کے ساتھ روانہ کر دیئے۔ فوج نے انھیں گھیر لیا۔ مسلم نے اس سے جنگ کی۔ محمد بن اشعث نے ان کو امان دی اور ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ اس نے ان کو قتل کر دیا۔ سر یزید کو بھیج دیا۔ لاش کو سولی دی۔

امام کو اس سانحہ کی خبر:۔ (۹) جب مقام قادسیہ میں پہنچے تو آپ کو حضرت مسلم کی شہادت کی خبر ملی۔ آپ نے واپس ہونا چاہا تو مسلم کے بھائیوں نے کہا۔ ہم اس وقت تک واپس نہ ہوں گے جب تک یا تو قتل نہ ہو جائیں یا اپنا عوض نہ لے لیں۔ امام نے فرمایا، تمہارے بعد زندگی بے لطف ہے۔

حُر کی فوج آ گئی:۔ (۱۰) امام نے سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ ابن زیاد کی فوج آ گئی۔ اس کا سردار عمر بن سعد ابن وقاص (حر بن یزید راہی) تھا۔ اس نے کربلا کی طرف راستہ موڑ دیا۔ اس کے ساتھ پانچ سو سوار تھے جب فوج بیعت ہو گئی تو امام نے خدا سے عرض کیا۔ اللھم احکم بیننا و بین قوم دعونا لینصرونا ثم ھم یقاتلوننا پروردگار! ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کر دے، جس نے ہمیں نصرت کے وعدے سے بلایا، پھر ہم ہی سے جنگ کرنے لگی۔

فوج کے سامنے امام کی تقریر:۔ پھر امام نے اپنی قوم کے سامنے تقریر کی۔

یا عباد اللہ اتقوا اللہ وکونو	خدا کے بندو! خدا سے ڈرو اور
من الدنیا علی حذر فان الدنیا	دنیا سے ہوشیار رہو اگر دنیا کسی کیلئے
لو بقیت علی احد او بقی علیھا	باقی نہیں یا کوئی دنیا میں باقی رہ سکتا
احل، لکانوا حق بھا و با لبقا	تو انبیاء اس کے زیادہ حق دار تھے کہ ان
غیر ان اللہ خلقھا للفنا، فجدید	کے لئے دنیا باقی رہتی اور وہ ہمیشہ زندہ
ھابال ونعیمھا مضمحل وسرورھا	رہتے لیکن اللہ نے دنیا کو فنا کے لئے

مکفهی ۔ والدار فلقت والمنزل تکتہ ۔ نتنخردوا فان خیر الزاد التقوی واتقوا اللہ لعلکم تفلحون

پیدا کیا ہے اس کی نئی چیز پرانی کہنہ ہو ل گی اس کی نعمت مضمحل ہو گی اس کی خوشی ختم ہو گی گھر چھوٹنے والا ہے پس توشہ حاصل کرو اور بہترین توشہ تقوی ہے اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ ۔

جنگ اور شہادت (۱۲) پھر حضرت نے جنگ کی ۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے آپ کے جسم پر ۳۳ زخم نیزے کے اور ۳۴ تلوار کے لگے تھے ۔ حضرت کو سنان بن انس نخعی نے شہید کیا ۔ امام کا سر جسم سے جدا کیا ۔ فوراً ابن زیاد کے پاس لے گیا ، یہ شعر پڑھا

اوقر رکابی فضۃ وذھبا   انی قتلت الملک المحجبا

قتلت خیر الناس اماً وابا

میرے پیالے کو سونے چاندی سے بھر دے   میں نے نقاب پوش بادشاہ کو قتل کیا ہے

ماں باپ کے لحاظ سے جو بہترین انسان تھا اسے قتل کیا ہے

سر مبارک یزید کے پاس :۔(۱۳) ابن زیاد نے امام کا سر مبارک یزید کے پاس بھیج دیا ۔ جب سر پہنچا تو دربار میں اس وقت ابو برزہ (اسلمی صحابی) بھی موجود تھے ۔ یزید چھڑی سے امام کے دہن سے بے ادبی کرنے لگا ۔ اس وقت یہ شعر پڑھتا جاتا تھا ۔

تفلق ھاما من رجال اعزۃ   علینا وھم کانوا اعق واظلما

ہم نے ایسے لوگوں کا سر چور کیا ہے جو ہماری نظر میں بہت محترم تھے لیکن یہ (معاذ اللہ) بہت نافرمان اور ظالم تھے ۔

ابو برزہ نے کہا ، اپنی چھڑی ہٹالو ۔ میں نے رسول خدا کو اس کے دہن کے بوسے لیتے دیکھا ہے ۔

(۸۷)

۶۱ھ امام کی شہادت عاشورہ کے دن ۶۱ھ میں ہوئی آپ کے ساتھ ستاسی آدمی شہید ہوئے ۔ ان میں سے آپ کے فرزند علی اکبر اور بھتیجوں میں عبداللہ و قاسم و ابوبکر تھے ۔ آپ کے بھائیوں میں عباس ، عبداللہ ، جعفر ، محمد ، عثمان تھے ۔ چچیرے

بھائیوں میں جعفر و محمد و عون فرزندان عبد اللہ بن جعفر تھے۔ عقیل کی اولاد سے عبداللہ و عبدالرحمٰن و جعفر تھے۔

دفن:۔ قتل کے ایک دن بعد اہل غاضریہ نے دفن کیا۔

دشمن کے مقتول:۔ امام حسین اور ان کے ساتھیوں نے دشمن کے اٹھاسی (۸۸) آدمی قتل کئے۔

سرپیشی کے بیان کی تنقید:۔ سرپیشی نے واقعہ کربلا کا بے حد سرسری ذکر کیا ہے۔ یہ بیان کسی تاریخی مطالعہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ ادیب تھے، مورخ نہ تھے لیکن واقعہ کربلا کی عظمت و شہرت نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ اتنے سرسری معلومات ہر اس مسلم اور غیر مسلم کے حافظہ میں رہتے ہیں۔ عام معلومات کے ذخیرے سے جس کا ذہن خالی نہیں ہے۔

سرپیشی نے واقعہ کے بیان میں ضرورت سے زیادہ اجمال سے کام لیا ہے اس لئے کہیں کہیں سلسلہ کی ضروری کڑیاں ٹوٹ گئی ہیں۔

مثلاً ان کے بیان سے یہ وہم ہوتا ہے کہ امام کی کوفہ کو روانگی ان خطوط کی بناء پر ہوئی۔ معاویہ کے انتقال کے بعد جو اہل کوفہ نے امام کو لکھے تھے۔ حالانکہ معاویہ کی وفات کے بعد کئی خط اہل کوفہ نے امام کو خط لکھے، اپنے سفیر بھیجے جس کی بنا پر امام نے حضرت مسلم بن عقیل کو تحقیق احوال کے لئے بھیجا۔ جب حضرت مسلم کا خط آگیا اور یہ معلوم ہوا کہ اہل کوفہ کی اکثریت امام کی رہنمائی چاہتی ہے تو آپ نے سفر کی تیاری کی۔ ابن عباس نے جب امام کو سفر نہ کرنے کا مشورہ دیا تو حضرت نے فرمایا۔

لان اقتل بموضع کذا احب الی ان استحل بمکۃ

اگر میں فلاں جگہ قتل کیا جاؤں تو وہ مجھے زیادہ پسند ہے بجائے اس کے میں مکہ کی حرمت ضائع کر دوں۔

اگرچہ سرپیشی نے یہ اقتباس بہت مجمل کیا ہے پھر بھی اس سے ان تفصیلات

کی تلاش کی طرف ذہن متوجہ ہو جاتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں یزید نے جاسوس پھیلا دیئے تھے اور انتظام یہ تھا کہ حج کے موقعہ پر امام کو مکہ میں سازش سے قتل کرادیا جائے۔ امام کا اچانک مکہ سے سفر جبکہ لوگ دوسری جگہ سے مکہ حج کے لئے آرہے تھے۔ قتل کی سازش کا نتیجہ تھا۔ جس کا ذکر امام نے ابن عباس سے کیا۔ ابن عباس کے پاس امام کے عذر کا کوئی جواب نہ تھا۔

سرلیشی نے لکھا ہے، محمد بن اشعث کی کنیز (طوعہ) نے محمد بن اشعث کو بتلادیا کہ مسلم میرے مہمان ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ طوعہ نے محمد بن اشعث سے حضرت مسلم کی اپنے گھر میں پناہ گزین کو چھپانے کی کوشش کی تھی لیکن محمد بن اشعث کو علم ہو گیا۔

سرلیشی کی عبارت میں یہ ہے کہ امام کو راستے میں جس فوج نے روکا تھا اس کا سردار عمر بن سعد تھا۔ یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ سرلیشی کو اتنا ناواقف خیال کرنا مشکل ہے کہ وہ نہیں جانتے تھے کہ حر کی فوج امام کو راستے میں ملی تھی اور عمر بن سعد امام کے کربلا پہنچنے کے بعد آیا۔

سرلیشی نے امام کی جو تقریر کربلا میں فوج یزید کے سامنے درج کی ہے وہ حافظہ کی مدد سے لکھی ۔۔ ۔۔ ۔۔ اس میں امام کی تقریر کے بعض اصلی الفاظ ہیں اور بعض کا مفہوم سرلیشی نے اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے۔

سرلیشی کی اختصار پسندی نے واقعہ کے بعض ضروری اجزاء نظرانداز کر دیئے ہیں۔ مثلاً اسیران آل محمد کا کربلا یا کوفہ یا شام میں اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا۔[1]

[1] مقاتل کی تدوین کی تجویز، واقعہ کربلا کے بعد سے اب تک حسب مقتل نگار۔ مورخ، فقیہ، متکلم، ادیب، شاعر مسلم و غیر مسلم دوست اور دشمن مختلف ادوار میں جس طرح واقعہ کربلا بیان کیا جاتا ہے اسے تحقیق و تنقیح سے شائع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ واقعہ بر تفصیلات زیادہ سے زیادہ صحت و وثوق اور تاریخی لب و لہجہ میں بیان کئے جائیں، بعض مقاتل ترتیب دیئے گئے ہیں اور شائع،

ہو گئے ہیں۔ ابھی بڑا ذخیرہ باقی ہے۔ جب تک یہ مقاتل سامنے نہیں آتے تاریخ کے تضاد و اختلاف پر قابو پانا مشکل ہے واقعہ کربلا کی علمی و تاریخی کتب اور مقاتل کی تدوین و تشریح و تنقیح عصرِ حاضر کا اہم کام ہے۔ عزاداری اب نئے رخ اختیار کرتی جا رہی ہے۔ اب خواص میں اس سے دلچسپی بڑھے گی۔ یورپ و ایشیا کے تازہ فکر و مورخ و مفکر اس پر کتابیں ترتیب دیں گے اس لئے ہم کو جلد سے جلد کربلا کے تاریخی مواد کو اس طرح مرتب کر دینا چاہیئے جس طرح ہم صحیح سمجھتے ہیں تاکہ دوسروں کو سچائی کی تلاش میں پوری پوری مدد ملے۔

از خاتم المحدثین امام اہلسنت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشریہ

شہادتِ حسینؑ شہادتِ رسولؐ ہے

دہلی کا مشہور علمی گھرانہ شاہ ولی اللہؒ اور ان کا خاندان پورے ہندوستان میں تحقیق عقائد کے سلسلے میں عام مسلمانوں کی نظر میں مرکز اور مسند تسلیم کیا جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ تحفہ اثنا عشریہ جس میں شیعت پر سخت تنقید کی گئی ہے۔ اسی فاضل جلیل کی تالیف ہے۔ فاضل مذکور نے فلسفہ شہادت حسینیؑ پر بھی قلم اٹھایا ہے اور اپنی فاضلانہ تالیف "سر الشہادتین" میں بدلائل واضح بیان کیا ہے کہ شہادت حسینؑ حقیقت میں رسولِ اسلام کی شہادت ہے ہم یہ بات تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہندوستان میں سنی مسلمانوں کو شہادت حسینؑ اور اس کے فلسفہ سے اسی کتاب نے روشناس کرایا ہے اور اسی کتاب کی وجہ سے ان میں عزاداری کی عظمت کو تسلیم کر لیا گیا ہے قطع نظر کتاب کے تمام و کمال اقتباسات کے ہم ذیل میں بغرض افادۂ عام اور منکرین شہادت کی تردید کے لئے فاضل مؤلف کا صرف وہی تحقیقی اقتباس پیش کرتے ہیں جو فلسفہ شہادت سے متعلق ہے۔

(ادارہ)

جو کمالات و خوبیاں جدا جدا پیغمبروں میں تھیں وہ تمام و کمال ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں یکجا جمع ہو گئیں۔ آدمؑ اور داؤدؑ جیسی خلافت ملی سلیمانؑ جیسی سلطنت حاصل ہوئی۔ حسن ملا یوسفؑ کی مانند، خلت نصیب ہوئی ابراہیمؑ کی طرح، خدا سے ہم کلام ہوئے حضرت موسٰیؑ کی طرح عابد تھے جیسے یونسؑ، شکر گزار تھے جیسے نوحؑ، بلکہ ان تمام سے زیادہ کمالات آنحضرتؐ کو نصیب ہوئے۔ خدا کی نزدیکی اور شفاعتِ کبریٰ کا مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔ کافروں سے جہاد کرنا، علم و عرفان کے مراتبِ عالیہ، قضیئے فیصل کرنا، منصب اجتہاد اور قرائت وغیرہ سب کچھ حاصل ہوا۔ با ایں ہمہ آپ میں صرف ایک کمال باقی رہ گیا تھا جو

آپ کی ذات میں نہ تھا۔ یعنی مرتبہ شہادت جس کے حاصل نہ ہونے کا بظاہر فلسفہ یہ تھا۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں شہید ہو جاتے تو شوکت اسلام ختم ہو جاتی۔ اور دین میں عوام کے نزدیک خلل واقع ہو جاتا۔ اور ناگہانی طور پر اگر شہادت واقع ہو جاتی۔ جیسا کہ آپؐ کے خلفاء میں سے بعض کی ہوئی۔ تو یہ مکمل شہادت نہ ہوتی۔ کیونکہ مکمل شہادت تو اس چیز کا نام ہے۔

انسان مسافری اور مشقت میں مارا جائے۔ اور اس کے گھوڑے کی کوچیں کاٹ ڈالی جائیں۔ اس کے ساتھ اس کے باعزت اصحاب اور اقارب بھی قتل ہوں۔ اس کا مال لوٹا جائے۔ اس کی عورتیں اور یتیم بچے قید کر لئے جائیں۔ اور یہ سب مصائب وہ محض خدا کی رضا کے لئے برداشت کرے۔ لیکن خدا کی حکمت بالغہ نے تقاضہ کیا کہ آنحضرت کو یہ کمال آپ کی وفات اور خلفاء کے بعد حاصل ہوا۔ خدا کی عنایت نے توجہ کی اور ایام خلافت گزرنے کے بعد حسینؑ کو اپنے نانا کا قائم مقام بنایا اور کمال شہادت کا مرتبہ آنحضرتؐ کو عطا فرمایا۔ اور ان دونوں کو پرتو جمال محمدیؐ کے دو آئینے بنائے ان دونوں پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔

چونکہ شہادت دو قسم پر تھی۔ ایک شہادت پوشیدہ اور دوسری ظاہری تھا۔ مرتبہ شہادتؐ کو تسلیم کرتے ہوئے پہلی شہادت سبط اکبر امام حسنؑ کے حصہ میں دی۔ چونکہ یہ شہادت مخفی تھی۔ لہٰذا جبرائیل علیہ السلام کو آگاہ نہ کیا۔ حتیٰ کہ جب شہادت ہوئی تب بھی شبہ ہی رہا یہاں تک کہ یہ حرکت زوجہ خاص سے واقع ہوئی۔ حالانکہ زوجہ کے تعلقات محبت واخلاص پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور یہ سب اس واسطے ہوا کہ اس شہادت کی بناء پوشیدگی پر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسالتمآب نے اس کی خبر نہ دی۔ اور نہ ہی امیرالمومنین نے کبھی اس کا ذکر کیا۔ اور کسی دوسرے نے دوسری شہادت حضرت امام حسینؑ کے ساتھ مخصوص تھی۔ جس کی بناء ہی شہرت اور اعلان عام پر رکھی گئی تھی۔ پہلے پہلے اس کا ذکر بذریعہ وحی فرشتوں میں ہوا پھر اس کے لئے مکان، نام اور زمانہ وغیرہ کا تعین ہوا۔ جو ۶۱ھ مقرر ہوا۔ پھر اس شہادت کا بہت ہی شہرہ ہوا۔ اور بر ملا ذکر کیا گیا۔ حضرت امیر علیہ السلام نے جنگ صفین سے واپسی

پر اس شہادت کا ذکر کھلے لفظوں میں کیا۔ اور جب یہ شہادت وقوع پذیر ہو چکی۔ تو اس کا شہر اس طرح ہوا کہ مٹی خون ہو گئی۔ آسمان سے خون برسا۔ آواز غیبی سے مرثیے سنے گئے۔ جنوں نے ماتم کیا۔ یہاں تک کہ یہ شہادت اس قدر شہرت پذیر ہوئی کہ عالم بالا، عالم خاک اور عالم غیب و شہود میں اس کے تذکرے ہونے لگے۔

محدث دہلوی کی فاضلانہ تحقیق سے حقیقت و انکشاف ہو جاتی ہے کہ امام حسینؓ کی شہادت حقیقت میں رسوؐل خدا کی ہی شہادت تھی۔ میدان کربلا میں بظاہر اگرچہ یزیدیت کے مقابلہ میں حسینؓ نظر آرہے تھے۔ مگر حقیقت میں خود مسلمانوں کے پیغمبرؐ خاک و خون میں ظلم و ستم کے ساتھ شہید کیے جارہے تھے۔

حضرت امام حسینؓ کے مؤقف پر الزام لگانے والے نام نہاد مسلمان اگر اسلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو وہ غور کریں۔ اور سوچیں کہ ہم جس مقدس ہستی کو باغی قرار دیتے ہیں۔ کیا یہ وہی تو نہیں جس کا ہم کلمہ پڑھتے ہیں۔ منکرین شہادت کے خیال کے مطابق حضرت امام عالی مقامؓ نے غلطی کی تھی۔ اور خلاف شریعت اقدام کیا تھا۔ مگر فاضل دہلوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حسینؓ کی غلطی تسلیم کی جائے تو یہ غلطی خود رسالت مآب نے کی تھی اور اگر شریعت کے مطابق یزید کے خلاف جہاد کیا تو خود سرور کائنات نے کیا۔

اے حسینؓ

اے حسینؓ اے امتِ جد کے شفیع
پایۂ انسانیت تجھ سے رفیع
نازشِ اہلِ امانت تیری ذات
خالقِ عالم کی رکھ لی تو نے بات

ہٹلر اور یزید

(از مولانا جناب لقا علی صاحب حیدری بدایونی)

جنوری گزشتہ میں رائیٹ ریورنڈ پی پی اوبٹ رومن کیتھولک بشاپ اجمیر نے ایک شاندار تقریر کی جسمیں موصوف نے موجودہ جنگ میں ہندوستان کے مفاد پر بحث کرتے ہوئے۔ فرانس کی ان دو جنگوں کا تذکرہ کیا جس میں وہ ذاتی مشاہدات کی بنا پر نازی ذہنیت پر رائے زنی فرما سکتے تھے۔

موصوف نے بیان کیا کہ میں بحیثیت ایک آزاد فرانسیسی کے تقریر کر رہا ہوں اور مجھے فرانسیسی ہونے پر فخر ہے۔ میرے وطن مالوف (مادر وطن) کو گزشتہ ستر برس کے عرصے میں جرمن حملوں کے تین مرتبہ دوچار ہونا پڑا۔ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ اس قوم کی ذہنیت کیسی ہے۔ اور جو بدنصیب قوم ان کے دست ظلم کا شکار ہو جاتی ہے وہ کن مصائب میں مبتلا ہوتی ہے۔

مجھے اپنا بچپن یاد ہے۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ۱۸۷۰ء کی جنگ ہوئی تھی اور جن وحشیانہ حرکات کا مظاہرہ اس جنگ میں ہوا تھا۔ اس کی یاد سے رونگٹے بھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صرف لفظ پروشین کافی نفرت انگیز اور خوفناک میرے ہم عمر بچوں کے واسطے تھا۔ ہماری نفرت اور خوف کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے ہو جائے گا جو ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا۔

جب ہمارے شہر پر جرمنوں کا قبضہ ہو گیا۔ بارہ پروشین سولجر مع ایک افسر کے ایک بیوہ عورت کے ٹھہرا دیئے گئے۔ یہ غریب مصائب و آلام کا شکار رہی تھی اور ایسی معذور ہو گئی تھی کہ نقل و حرکت کی قابلیت نہ رکھتی تھی۔ اور ۱۵ سال سے بستر پر پڑی تھی صرف ایک بوڑھی خادمہ اس کی نگرانی کرتی تھی۔ یہ ناممکن تھا کہ وہ ضعیفہ اپنے بستر سے اٹھ سکے اور اس کو چھوڑ سکے۔ جب جرمن سپاہیوں نے اس کے قتل کا

ارادہ کیا۔ نوان کی یہ کوشش ہی کافی تھی کہ وہ ضعیفہ چیخ پڑی۔ لیکن حرکت نہ کر سکی۔
جرمن افسر نے یہ یقین نہ کیا کہ وہ حرکت کرنے کے ناقابل ہے اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔
کہ اس نے ہماری توہین کی اور ہمارا استقبال نہ کیا۔ اس نے اس عورت کی جانچ کے
واسطے یہ رائے قائم کی کہ چار سپاہی اس کی چارپائی کو شہر سے تین میل کے فاصلے پر
لے جا کر ایک جنگل میں چھوڑ آئیں۔ اگر حرکت کے قابل ہوگی تو ضرور اٹھ کر بھاگے
گی۔ اس کے کپڑے بستر پر رکھ دیئے گئے۔ کہ وہ پہن کر شہر کو چلی آئے گی۔ سردی کا موسم
تھا۔ اور شدت کی سردی تھی۔ زبردست برف باری ہو رہی تھی۔ وہ ضعیفہ حرکت کے
قابل نہ تھی۔ آہستہ آہستہ برف نے اس کو ڈھانپ لیا۔ اور سردی کی شدت اور دم گھٹنے
سے وہ ختم ہو گئی۔ اتفاق سے آئندہ موسم گرما میں ایک شکاری نے اس کی کھوپڑی اور کچھ
ہڈیاں پائیں۔ گوشت پوست بھیڑیوں نے کھا لیا تھا۔

یہ خیالات جس شخص کے دل و دماغ پر اتر چکے ہوں۔ آپ حضرات اندازہ کر سکتے
ہیں کہ اس پر ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں کیا گزری ہوگی۔ اگست ۱۹۱۴ء میں میں نے اپنی
آنکھوں سے بلجیم اور فرانس کی طرف جرمن فوجوں کو پہلی مرتبہ بڑھتے ہوئے دیکھا۔
میں اس وقت ہالینڈ میں تھا۔ بلجیم کی سرحد سے بہت قریب ایسے مقام پر جہاں پر ہم
ان کو بڑھتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔ یہ نہایت ہی خوفناک منظر تھا۔ اور اس کے بعد جو صورتیں
دیکھنے میں آئیں۔ وہ اس سے کہیں زیادہ پر خطر دہشت ناک تھیں۔ تین ماہ تک میں ہالینڈ
میں رہا۔ اور جو لوگ بھاگ بھاگ ہالینڈ میں آ رہے تھے۔ ان کی زبانی جو داستانیں سنیں
ان سے اندازہ ہوا کہ ۱۹۱۴ء کے جرمن اپنے ۱۸۷۰ء والے بزرگوں سے کسی طرح ظلم و ستم
اور وحشیانہ حرکات کرنے میں پیچھے نہیں ہیں۔

بلجیم میں آتش زنی، قتل و غارت کے واقعات روزانہ ہوتے رہتے تھے۔
اور اس کی وجہ غالباً یہی تھی کہ اس بہادر قوم کا مقابلہ کرنا جرمن حملہ آوروں کو ناگوار تھا
اور اس سے ان کو اشتعال پیدا ہوتا تھا۔

یہ امر دنیا کو معلوم ہے کہ فتح نصیب ہونے سے قبل فرانس کو کن شدائد کا سامنا کرنا

پڑا تھا۔ میں ہالینڈ سے فرانس کو براہ فالکسٹن آیا۔ تاکہ ایک فوجی ہسپتال میں خدمت انجام دوں۔ شبانہ روز زخمی یہاں لائے جاتے تھے۔ صدہا کی تعداد میں روزانہ مرتے تھے۔ اور جو دردناک واقعات وہ بیان کرتے تھے۔ وہ آج بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ بہت سے تو دشمن نے گیس سے مار ڈالے۔ حالانکہ بین الاقوامی قانون کے یہ خلاف تھا۔ اور بہت سے لوگوں کو ہسپتالوں یا زخمیوں کے لے جانے والی لاریوں میں سے نکال کر مار ڈالا گیا۔ حالانکہ ریڈ کراس کا نشان نمایاں طور پر لاریوں پر تھا۔

لڑائی میں شکست کھانے پر جرمنوں نے بھاگتے ہوئے ان تمام باغات کو کاٹ ڈالا۔ جو ان کے راستہ میں پڑے تھے۔ اور اس طرح اپنے غصہ کا اظہار کیا۔ ایک شخص ایسا نظر آیا جس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے تھے تاکہ وہ کبھی ان کے خلاف بندوق نہ اٹھا سکے۔

نازی عقیدہ یہ ہے کہ دنیا بھر میں ان سے زیادہ نیک عالی حسب و نسب قابل دوسری کوئی قوم نہیں۔ اس لئے ان کو تمام دنیا پر حکومت کرنے کا حق ہے لیکن ان کو ایفاء عہد، اخلاق اور انسانی اور خدا کے حقوق کا بالکل خیال نہیں ہے۔

ان کے نزدیک کوئی تحریر قابل وقعت نہیں ہے۔ چاہے اس کے خلاف کیسا ہی تحریری معاہدہ اور قانون موجود ہو۔ اسکولوں سے چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو ہسپتال لے جاکر ان کا خون لیا جاتا ہے۔ جو فوجی نوجوانوں کے کام آتا ہے۔ اور اس طرح ان کے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے قابل بنا دیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس خطوط پہنچتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ خانماں برباد ہو گئے تھے۔ ان کا اسباب و سامان سڑکوں پر پڑا تھا۔ اور وہ اپنے بچوں کو کاندھے چڑھا کر لے جانا چاہتے تھے۔ بیمار اور ضعیفوں کو گاڑیوں پر لادا جا رہا تھا۔ لیکن تین ہزار فٹ کی بلندیوں سے ان پر بمباری کی گئی۔ اور ۵۰ فٹ کی بلندی سے مشین گن کا نشانہ بنایا۔ اس پر بھی اکتفا نہ کی۔ بلکہ بھاری ٹینک ان پر اس طرح سے پھرا دی۔ جیسے قابل مرمت سڑک پر رولر چلایا جاتا ہے۔ اس وقت سرکار برطانیہ اس دشمن انسانیت سے مقابلہ کر رہی ہے۔ اور روزانہ لاکھوں پونڈ صرف اس

لئے خرچ کیا جارہا ہے کہ انسانیت کو عالمگیر تباہی سے بچا لیا جائے۔ ایسے وقت میں ہر با فہم انسان کا خواہ وہ ہندوستانی ہو یا کسی دوسرے ملک کا رہنے والا ہو۔ یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ انسانیت کو تباہی اور بربادی سے بچانے کے لئے جانی اور مالی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ بلکہ گورنمنٹ برطانیہ کی ہر ممکن مدد کر کے اپنے با فہم انسان ہونے کا ثبوت دے۔

یہ خلاصہ اس بیان کا ہے۔ جو صاحب موصوف نے اجمیر شریف میں ایک جلسہ عام میں تقریر فرمائی تھی۔ ہم جب غور کرتے ہیں۔ تو نازی یزیدیوں کے قدم بقدم نظر آتے ہیں۔ نازی قوم کو اس بات کا غرور ہے۔ کہ دنیا میں وہ تمام قوموں سے بالا تر ہے۔ اور یزید اموی بھی اپنے خیال ناقص میں ایسا ہی سمجھے ہوئے تھا۔ اس کا مقابلہ، جن لوگوں سے تھا۔ وہ ایک ایسے سردار کے تحت میں تھے جن سے بہتر کسی حیثیت سے بھی دنیا بھر میں کوئی شخص بھی نہ تھا۔ وہ سیادت و شرافت کا مجسمہ کمال انسانیت کا نمونہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ سید الشہداء امام حسینؑ علیہ السلام تھا۔ جس طرح اس برگزیدہ باری نے زندگی بسر کی تھی۔ وہ عدیم المثال اور قابل تقلید تھی۔ یزید اور اس کے شامی نازی اس فکر میں تھے کہ جس صورت سے ہو کہ دنیا کو حسینؓ کے وجود سے خالی کر دیا جائے۔ مدینہ رسولؐ میں خاموش زندگی بسر کرنے کی اجازت نہ دی مکہ معظمہ میں پناہ لی۔ خانۂ خدا میں اس کے پاک خون سے ہولی کھیلنے کا قصد لیا گیا۔،، بیت اللہ الحرام کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حج کو عمرہ سے بدلا۔ اور جنگل کی راہ لی کربلا معلیٰ کی زمین پر پہنچے۔ اور اس ویران مقام کو بسانے کا ارادہ کیا۔ زمین خریدی۔ خیمے نصب کیے لیکن شامی نازیوں کے دستے پہنچنے شروع ہو گئے۔ اور گرمی کے موسم میں دریا کے کنارے سے جدا ہو کر جلتے ہوئے ریت پر خیمے لگائے۔ ہمارے پادری صاحب کو اہل وطن کی مصیبتیں بہت زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن شاید انہوں نے تاریخ کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ نہیں کیا۔ ورنہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ ہر زمانہ میں امن عامہ کو برباد کرنے عزت داروں کو ذلیل کرنے کمزوروں کو تباہ کرنے کے واسطے جرمنی اور شام کے

ایسے نازی ہوتے آئے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر۔

کربلا میں مٹھی بھر خدا پرستوں اور پاکبازوں کی جماعت تھی جس کا مقصد حیات صرف اطاعت خدا اور خدمت خلق تھا۔ لیکن دشمن خدا و دشمن انسانیت شامی نازی جس کا سردار اموی ہٹلر یزید تھا۔ اس بات پر تلے ہوئے تھے۔ کہ ان پاکبازوں سے دنیا خالی کر دی جائے۔ تاکہ بالا اعلان ہر جائز کام کیا جا سکے۔ کوئی نکتہ چینی کرنے والا باقی نہ رہے۔

پادری صاحب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جبکہ انہوں نے ایک نوجوان کو بے دست و پا دیکھا۔ اور ان کے خیال میں اس لئے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے تھے۔ نہ بندوق اٹھا سکے۔ لیکن انہوں نے کہاں دیکھا۔ وہ جوان جو تقریباً ۳۲ سال کا سن رکھتا تھا ایسا خوبصورت اور شکیل کہ دشمن بھی تعریف کرتے تھے۔ لڑنے کے ارادے سے خیمے سے نیچے آیا تھا۔ بلکہ پیارے بچوں کی سقائی کا ارادہ کر آیا تھا۔ اور اس چھوٹے سے لشکر کا علمبردار تھا۔ اس کا نام حضرت ابوالفضل عباس ابن علی علیہ السلام ہے۔ شامی نازیوں نے صرف اس کے ہاتھ ہی دھوکہ سے قلم نہ کئے۔ بلکہ مشکیزہ کو تیر کا نشانہ بنایا۔ پانی بہا دیا بہادر کی محنت خاک میں مل گئی۔ اور اسی پر اکتفا نہ کی۔ آنکھ میں تیر مارا، سر پر گرز کا وار کیا۔ اور سینے کو تیروں سے چھلنی بنا دیا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ پادری صاحب کو اس کم سن شہید کی طرف متوجہ کروں۔ جو اپنے چچا کی آغوش میں شہید ہوا۔ یہ حضرت عبداللہ بن حسن تھے۔ جو چچا کی بے کسی پر دل تڑپا آواز استغاثہ سن کر خیمے سے باہر آئے دوڑتے ہوئے مقتل میں پہنچے۔ کانوں کے گوشوارے ہلتے ہوئے تھے۔ حضرت امام عالی مقام خاک پر پڑے تھے۔ ایک ظالم نے قریب پہنچ کر تلوار کا وار کرنا چاہا۔ معصوم نے چچا کی حفاظت کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ اس ننگ انسانیت نے اس بچے کے دونوں ہاتھ قلم کر ڈالے۔

کربلا کے میدان میں شامی نازیوں نے شہید اعظم کی لاش پر گھوڑے دوڑائے۔ بیکس بیبیوں کے خیموں میں آگ لگا دی۔ مال دنیا کچھ نہ تھا۔ پھر بھی جو کچھ تھا سب لوٹ

لیا۔ سروں سے پردگیاں عصمت وطہارت کی چادریں لے لیں۔ بچوں کے کان زخمی کر کے گوشوارے لے لئے۔ لاشہ ہائے شہداء کو بے سر کیا گیا۔ سروں کو نوک نیزہ پر چڑھایا گیا۔ اور اس لٹے ہوئے قافلے کو دیار بدیار تشہیر کیا گیا۔ اس قافلہ میں ایک بیمار تھا غشی کے عالم میں تھا۔ اس کو پابجولاں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے گئے جب چل نہ سکا تو اونٹ کی پیٹھ پر اس طرح بٹھایا۔ کہ اس بیمار کے پیر اونٹ کی پیٹھ سے باندھ لئے گئے۔ اس بیمار کو طوق آہنی اور وہ بھی خاردار پہنایا گیا۔ پیروں میں زنجیریں لیکن کیا شامی و دمشقی اموی ہٹلر اس پر مطمئن ہو گیا۔ نہیں اس نے فخر انسانیت حسینؑ کا سر مبارک طشت طلا میں رکھا۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ نازی اپنی ہوا میں تھا دمشقی ہٹلر اس کے پاس کھیل رہا تھا۔ چھڑی سے لب ہائے مبارک کے ساتھ بے ادبی کرتا تھا۔ دیکھنے والوں میں اس کے فعل پر اعتراض کرنے والے بھی تھے۔ ڈر کے مارے کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ پھر بھی ایک بوڑھا شخص بول اٹھا۔ اے یزید! اپنی چھڑی کو ہٹا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہ حضرت رسول خدا ان ہونٹوں کو بوسہ دیتے تھے۔ ظالم کو مہلت ملتی ہے لیکن ظلم کو ہمیشگی نہیں آج یزید اموی دمشقی ہٹلر کا نام لینے والا بھی نہیں۔ اور اگر کچھ ہیں بھی تو دل میں اس سے محبت رکھتے ہوں۔ لیکن اپنی اولاد کا نام ہٹلر دمشقی کے نام پر نہیں رکھتے نہ اس کی فاتحہ دلاتے ہیں۔ نہ اس کے واسطے ختم قرآن دلاتے ہیں۔ یزید مٹ گیا تھا۔ فنا ہو گیا تھا۔ ظاہری فتح ہو گئی تھی۔ لیکن دائمی شکست اس کو اور اس کے خواہوں کو حاصل ہوئی۔ حسینؑ کے چاہنے والے آج دنیا کے ہر گوشہ میں موجود ہیں اور جب تک انسانی برادری سے دنیا آباد رہے گی حسینؑ کا نام ہر با فہم کے دل پر نقش رہے گا۔ ہم کو امید ہے۔ نازی ازم اور ہٹلر ازم کا جلد خاتمہ ہو گا۔ اور دنیا میں بہت جلد امن اور صلح کی لہر دوڑے گی۔ اس وقت وہ لوگ جو نازی ازم اور ہٹلر ازم کے ظاہری یا باطنی خیر طلب ہیں دیکھیں گے۔ اور ظالم کا انجام کیا ہوتا ہے۔

اور ظلم کب تک چل سکتا ہے حضرت سید الشہداء امام حسینؑ علیہ السلام کسی خاص گروہ کے ہادی اور امام نہیں ہیں۔ ان کے نانا رحمۃ للعالمین تھے۔ اور وہ عالم انسانیت کے واسطے ایک نمونہ کامل انسانیت ہیں۔ جن کی مقدس زندگی کو آنکھوں کے سامنے رکھ کر دنیا کی ہر مشکل سے مشکل مصیبت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

"میں اپنے ربّ کیطرف جا رہا ہوں البتّہ وہی میری ہدایت کریگا"

(علّامہ رشید ترابی مرحوم)

جوہر انسان عقل ہے اس لیئے انسان اپنے ہر عمل میں تابع عقل ہوتا ہے۔ اسکا خواب و بیداری اسکی صحت و مرض اسکا سکون و اضطراب، وسائلِ رزق کی تلاش، توالد و تناسل، غرض اسکا ہر کام حکمِ عقل کیساتھ ہوتا ہے اور وہ اسی وجہ سے حیوانات سے ممتاز ہے۔ درانحالیکہ یہی تمام اعمال حیوانوں سے بھی متعلق ہیں انسان کو حیوان اسلئے نہیں کہتے کہ وہ زیورِ عقل سے آراستہ ہے جسطرح انسان تابع عقل ہوکر اپنے ہر عمل میں حیوانات سے ممتاز ہے اسی طرح نبیِ تابع وحی ہوکر اپنے ہر کام میں دُنیا کے انسانوں سے بلند ہوجاتا ہے۔ اگرچہ وہ بشرٌ مثلکم کہہ کر جنس کا اعلان کرتا ہے مگر یوحیٰ الیّ کے فصل کیساتھ، حیوان و انسان میں فصل و عقل اور انسان و نبی میں فصلِ وحی ہے اور چونکہ وحی شارح اسرار حیات ہے اور وجود کی حقیقتوں کو منکشف کرتی ہے اور ہم جو زمان اور مکان کے اسیر ہیں اسی وحی کی بدولت ہر عیب سے قریب ہوجاتے ہیں اسلئے صاحبِ وحی کو فکر یہ ہے کہ کہیں انسان اپنی عقل کو جذبات بہمیت و حیوانیت کے تابع بنا کر جاہلیّت کا شکار نہ ہوجائے یہ حقیقت ہے کہ جذبات انسان کے قوی ہیں۔ اگر یہ انسان ہوا و ہوس کی زد میں آجائے۔ اور خواہشاتِ نفس کا پابند رہے تو چونکہ وہ صورت میں انسان ہی رہیگا اسلئے اگر وحی معیارِ عقل کو واضح نہ کردے تو دوسرے انسان نہ اس خود کار انسان کی حیوانیت سے آگاہ ہوسکیں گے اور نہ اپنے آپ کو مستبد قوّتوں کے اثر سے بچاسکیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ وحیِ ربّانی نے مختلف مقامات پر انسانی عقل سے اپیل کی اور عقل و تعقّل کی اہمیت کو واضح فرمایا۔

کیوں وہ زمین میں سیر نہیں کرتے۔ زمین پر بسنے والوں کے ماضی و حال پر آپ کی نظر کیوں نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اُن کے دِل تعقّل کرتے۔ اُنکے کان سُنتے اور محفوظ کرتے اسلئے آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، سینے میں دِل اندھے ہوجاتے ہیں ــــ اگر ہم سُنتے اور عقل سے کام لیتے تو ہم اہلِ جہنّم سے نہ ہوتے۔

انسان پر اللہ کا سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ اس نے انسان کو عقل عطا کر کے بندہ اور خدا کے درمیان اس کو حجّتِ باطن قرار دیا کہ ربطِ اشیاء کو دیکھ کر اور وحدتِ نظام و دوامِ انتظامِ عالم کا اندازہ کر کے کوئی ذی عقل انسان وجودِ باری کا منکر نہ بنے اور پھر اس پر لطفِ الٰہی یہ ہے کہ انسانوں میں سے ان بندوں کو اختیار کیا جن کی عقل تابعِ وحی ہو کر کبھی ہوا و ہوس کا شکار نہیں بنتی۔

پہلے پہل سادہ قوانینِ فطرت پر چلنے والا انسان بدعہدی، جھوٹ، ظلم، چوری اور قتل کو بُرا سمجھنے والا فطرتاً دینِ حنیف کی طرف مائل ہوتا ہے اسلئے کہ عقلاً اسی میں اسکی اپنی اور جماعتی حفاظت اور ترقی کا امکان ہے۔

مَیں نے کُل کے پروردگار کی طرف توجّہ کی ہے اور میرا رُخ صرف آسمان و زمین کے خالق کی طرف مستقیم ہے۔ مَیں مشرک نہیں ہوں۔ ایک جہت راست ایک سمت صحیح حسب خالقِ کُل کیلئے ہو اور انسان اسی سمت پر حرکت کرے تو اس انسان کی حیاتِ عقلی کا آغاز ہوتا ہے۔ اور یہی حیاتِ عقلی عصمت و طہارت کی زندگی بن کر۔ حیاتِ اخلاقی و معنوی بن کر موت کے چنگل سے آزاد ہو جاتی ہے۔ زمان و مکان کی قید سے رہا ہو کر اسکا اثر و تاثیر لامحدود ہو جاتا ہے۔

مَیں اپنے رَبّ کی طرف جا رہا ہوں البتہ وہی میری ہدایت کرے گا۔ یہ آواز صرف ابراہیمؑ کی نہیں آلِ ابراہیمؑ سے ہر اُس شخص کی ہے جو ظلم سے دُور رہا۔ جس نے غیرِ حق کی پرواہ نہ کی۔ جس کو کوئی ڈرانے والا ڈرا نہ سکا اور نہ ملامت کرنے والوں کی ملامت اسکو راہِ حق سے ہٹا سکی۔ اور وہ فخرِ ابراہیمؑ کو آواز دیتا رہا۔

میری نماز دُعا، میری اطاعت، میری حیات، میری موت، سب اللہ ہی کیلئے ہے۔ جو عالمین کا رَبّ ہے جسکا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا، اور مَیں پہلا مُسلم ہوں۔ یہ تسلیم کی وہ منزل ہے جہاں ارادہ محدود بشر ارادہ لامحدودِ الٰہی کے تابع ہو گیا اور یہی وہ گذرگاہ ہے، جہاں تسلیمِ عقلی سے گذر کر انسان تسلیمِ قلبی کی منزل پر آتا ہے کہ سارے احساسات و عواطف تابع مرضئ خالق ہو جاتے ہیں —— تسلیمِ قلبی کا کمال یہ ہے کہ راہِ حق میں مرضئ حق کو پا کر سب کچھ قربان کر دیا جائے اور ہر قربانی پر قلب اس آواز کو سُنتا رہے۔

ابراہیمؑ میں فخرِ ابراہیمؑ یعنی ذاتِ ختمی مرتبت نے یہی چاہا کہ تسلیم کی منزل کامل ہو جائے اور

جس کو وہ حسینیت کی منزل عطا کریں اور جس کی شہادتِ علمی و عقلی کیلئے ضروری ہو۔ ایسے کو اس ذبحِ عظیم کیلئے پسند کریں جس کی یاد آج تک منائی جا رہی ہے اور قیامت تک یہ یاد منائی جاتی رہیگی۔ حسینؑ، فاطمہؑ کے نورِ نظر۔ حسینؑ، علیؑ کے لختِ جگر۔ حسینؑ، محمدؐ کے نواسے۔ حسینؑ نے رہِ تسلیم میں بیعتِ یزید سے انکار کیا اور اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلیٰ رَبِّیْ سَیَھْدِیْن کہتے ہوئے ۲۸ رجب ۶۰ھ ہجری کو مدینہ سے چلے۔

یہ کہہ کر چلے کہ منارِ کربلا پر پہونچ کر وعدۂ طفلی ادا کرنا ہے اور بہتّر قربانیوں کو پیش کرنا ہے۔ ۸ ذی الحجّہ کو مکّہ سے کوچ کیا۔ ۹ ذی الحجّہ کو سفیرِ آلِ محمدؐ (مسلم ابنِ عقیل) کے قتل کی خبر ملی ۲۰ ذی الحجّہ کو میثم تمّار قتل کر دیئے گئے۔ ۲ محرّم الحرام کو وعدہ گاہ پر فاطمہؑ کا پہونچتا حسینؑ نے ایک بستی بسائی۔ خیمے نصب ہوئے۔ ۴ محرّم سے لشکرِ یزیدی آنے لگے۔ ۷ محرّم کو پانی بند ہُوا۔ گرمی کے دن۔ بچوّں کی پیاس۔ ماؤں کا تڑپنا۔ آباد گودیوں کے خالی ہوجانے کا خوف، غرض راہِ حق کے مسافر کیلئے ہر قدم پر صعوبتیں تھیں مگر اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۹ نویں محرّم کو حسینؑ لشکرِ اعدا میں گھر گئے۔

میر انیسؔ کہتے ہیں ؎

ناگاہ سُوئے لاشِ پسر جا پڑی نظر
فرمایا سر کو پیٹ کے سلطانِ بحر و بر
سوتے ہو کیا دھرے ہوئے رُخسار خاک پر
اکبرؑ اُٹھو کہ گھوڑے سے گرتا ہے اب پدر
پھر دریا کی طرف دیکھا، اور آواز دی۔

عبّاسؑ نامدار ترائی سے اُٹھ کے آؤ
پُھنکتا ہے قلب، جل رہے ہیں سب جگر کے گھاؤ
چھڑکو مری زرہ پہ جو پانی کہیں سے پاؤ
چلتے ہوئے عدم کے مسافر سے مِل کے جاؤ

جناب طالب جوہری قبلہ

حضرت عباسؑ

علمدارِ لشکرِ حسینیؑ

قمرِ بنی ہاشم حضرت ابُوالفضلِ العبّاسؑ میدانِ کربلا کے معرکۂ حقّ و باطل میں لشکرِ حسینیؑ کے سپہ سالار تھے، آپ اُس مختص فوج کی قیادت کر رہے تھے اور اُس علم کو اُٹھائے ہوئے تھے جس کے سائے میں دُنیا کی عجیب و غریب اور مختصر ترین فوج تھی، ایسی فوج جس میں انتہائی بوڑھے اور بچے بھی شامل تھے، ایسے بچے کہ جب وہ میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہوئے تو اُن کی کمروں سے بندھی ہوئی تلواریں زمین پر خط کھینچ رہی تھی اور ایسے بوڑھے بھی اس لشکرِ حسینیؑ میں شامل تھے جن کی کمریں جُھک گئی تھیں، اور تمام بال سفید ہو گئے تھے۔

اِس مختصر سپاہ کی تعداد سپہ سالار اور چھ ماہ کے ایک سمیت کُل بہتّر نفوس تھی۔ لیکن حضرت عباسؑ نے اس مختصر سپاہ کے ساتھ باطل کی ہزاروں پر مشتمل فوجوں کے حملوں کا جو دفاع کیا اس کا تاریخ عالم جواب پیش نہیں کر سکتی، حضرت عباسؑ کے بارے میں چند سطور آپ کی شخصیت، بہادری اور حق شناسی کا اِظہار کے لئے ناکافی ہیں بہرحال چند سطور حاضر ہیں۔

قمرِ بنی ہاشم حضرت ابُوالفضلِ العبّاسؑ ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ، ۴ شعبان ۲۶ھ کو تولّد ہوئے، جس دِن آپ کی ولادت ہوئی حضرت علیؑ نے اپنے پاس منگایا، دائیں کان میں اَذان اور بائیں کان میں اَقامت کہی۔ اور عباسؑ نام، لقب ابوالفضل اور کنیّت ابوالقربہ رکھّی۔ کتاب منتہی الادب کے مصنّف لکھتے ہیں کہ عباسؑ کا نام آپ کی شجاعت اور ہیبت کی شدّت کو ظاہر کرتا ہے یہ صیغۂ مبالغہ ہے عبّاس کے معنی جنگل کے شیر کے ہیں اور عبّاس کے ایک معنی شیرِ درندہ کے بھی ہیں۔ میدانِ کارزار میں بہادری اور جوانمردی کے جوہر دِکھاتے وقت آپ کا جواں دراز ہوتا تھا۔ اس سے لفظِ عبّاس بہت مناسبت رکھتا

ہے، آپ کو میدانِ جنگ میں مصروف دیکھ کر لوگ غضبناک شیر سے تعبیر کرتے تھے۔

آپ کے ایک صاحبزادے کا نام "فضل" تھا، جو ظاہری اور باطنی کمالات کے حامل تھے اسی بناء پر آپ کو "ابوالفضل" بھی کہا جاتا تھا، چونکہ آپ کا چہرہ بہت منوّر تھا۔ اور آپ نہایت وجیہہ تھے اس لئے آپ کو "قمرِ بنی ہاشم" کہا جاتا تھا۔

حضرت عباسؑ کی بہادری اور شجاعت واقعۂ کربلا تک ہی محدود نہیں بلکہ سانحۂ کربلا سے قبل بھی آپ اہلِ عرب پر اپنی جرأت اور دلیری کا لوہا منوا چکے تھے اور فنِّ حرب پر آپ کو اس قدر مہارت تھی کہ کوئی آپ کے مقابلے نہیں ٹھہرتا تھا۔ اکثر روایتوں میں ہے کہ آپنے جنگِ صفّین میں حضرت علیؑ کے شانہ بہ شانہ جہاد کیا۔ ان ہی میں سے ایک معتبر روایت ہے کہ صفّین کی جنگ میں ایک دن ایک نقاب پوش جوان جسکی عمر پندرہ، سولہ سال ہو گی۔ حضرت علیؑ کے لشکر سے باہر نکلا اور مبارز طلب ہوا۔ اس کی ہیبت اور دبدبہ اسکی شجاعت کی دلیل تھی، امیرِ معاویہ کی فوج کے لوگ اس جوان کے مقابلہ سے کترانے لگے امیر معاویہ نے اپنے ایک بہادر کو جسکا نام شعثا تھا حکم دیا کہ اس نوجوان کا مقابلہ کرے، اس نے جواب دیا کہ اہل شام مجھے ایک ہزار سوار کے برابر سمجھتے ہیں، میں خود اس کے مقابلہ میں نہیں جا سکتا۔ میرے سات بیٹے ہیں۔ میں ان میں سے ایک کو بھیج دیتا ہوں تاکہ اس جوان کو قتل کر دے۔ چنانچہ ایک بیٹا مقابلہ میں آیا جسے نوجوان نے قتل کر دیا اس کے بعد، یکے بعد دیگرے سارے بیٹے مقابلہ پر آئے مگر کوئی میدان سے بچکر واپس نہیں گیا۔ سات بیٹوں کا قتل شعثاء پر گراں گزرا اور خود غضبناک شیر کی طرح مقابلہ میں آگیا۔ اہلِ لشکر بھی اس خوفناک جنگ کا نظارہ کر رہے تھے۔ نوجوان نے اس پر یکایک حملہ کیا اور آنِ واحد میں اسکو بھی اس کے بیٹوں کے پاس پہنچا دیا۔ اس کے بعد امیر معاویہ کے لشکر میں کسی کو اس نوجوان کے مقابلہ میں تنہا آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت علیؑ اور ان کے اصحاب نے اس نوجوان کو مبارکباد دی یہ جنگ ۳۸، ۳۹ھ ہجری میں ہوئی جو "جنگ نہروان" کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں یہ نوجوان (حضرت عباسؑ) فوج کے ایک حصّہ کی کمان کر رہے تھے۔

معرکۂ کربلا میں حضرت عباسؑ نے جب نہر فرات پر متعیّن لشکر یزیدی کو تہہ تیغ کرنے

لگے اور فوجیں منتشر ہونے لگیں تو لشکرِ یزیدی سے ایک قوی ہیکل شخص مارد بن صدیق نکلا اور اُس نے بھاگتی ہوئی فوجوں کو شرم دلائی۔ اے گروہ تم پر افسوس! اگر تم میں سے ہر شخص ایک مٹھی خاک بھی عباسؑ بن علیؑ پر پھینکے تو خاک کا ایک ٹیلہ اُسکو دبا دے گا۔ اگر لشکر اور اس کے سرداروں کیحالت عباسؑ بن علیؑ کے حملوں سے دگرگوں ہوگئی ہے اور ان پر خوف طاری ہوگیا ہے تو میں تنہا اُس جوان کیلئے کافی ہوں جس نے ہمارے نامور شخصیتوں کو قتل کیا۔

مارد بن صدیق فوج کے سرداروں میں سے تھا۔ اور یزید سے خصوصی لگاؤ رکھتا تھا۔ اور عمرو بن عبدود اور مرحب کا ہمسر تھا جو غزوۂ خندق اور خیبر میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ وہ عرب کے بہادر ترین افراد میں شمار ہوتا تھا۔ اور وہ اس سے جنگ کرنا پسند نہیں کرتا تھا جو بہادری میں مشہور نہ ہوتا تھا۔ مارد بن صدیق، حضرت عباسؑ کے قریب آیا وہ مضبوط زرہ پہنے ہوئے تھا، بلند نیزہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ مخروطی شکل کا خود اس کے سر پر تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے حضرت عباسؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، اے جوان اپنی شمشیر پھینک دے اور اور میری نصیحت پر عمل کر، جان لے کہ ایک ایسا شخص تیرے پاس آیا ہے جسکا قلب مہربانی اور شفقت سے بھرا ہوا ہے۔ میرا دل کڑھتا ہے کہ ایسا خوبرو جوان میرے ہاتھ سے مارا جائے، بہتر ہے کہ میرے مشورے کو قبول کرلے اور واپس چلا جا۔ تاکہ اس قوم کے نیزوں سے محفوظ ہو جائے۔ عقلمند آدمی کے لئے اشارہ کافی ہے۔ خوب سمجھ لو کہ جب میں میدانِ جنگ میں کسی سے مقابلہ کرتا ہوں تو اُسے ضرور موت کے گھاٹ اُتار دیتا ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عباسؑ نے مارد بن صدیق کے یہ کلمات سن کر خود کو اس بات کے لئے تیار کرلیا تھا کہ شجاعتِ حیدری دکھائیں جب مارد بن صدیق کا کلام ختم ہوگیا تو حضرت عباسؑ نے اُس کے کلمات طنزیہ تبسّم فرمایا اور کہا، اے دشمنِ خدا! میں نے تیری گفتگو سنی، لیکن یہ اُس بیج کی مانند ہے جو بنجر زمین میں بویا جائے۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ میں تیرے مشورے پر عمل کروں، اور بلاؤں و سختیوں سے بچنے کیلئے یزیدؔ کی بیعتِ ننگ و عار قبول کرلوں، تکلیف اُٹھانا ہماری میراث ہے جو خاندانِ نبوتؐ سے ہم کو پہونچی ہے اور ہم لوگ ہی دین کی خدائی ہیں اور اپنی شہادت پر فخر اور مصیبتوں میں صبر کرنے والے ہیں۔

... میدان میں عرب کے بڑے بڑے سورماؤں سے ہمارا مقابلہ ہوا ہے۔ اور پھر اُسے

تلواریں چلی ہیں کہ تاریخ اسلام جسکی شاہد ہے ہم بلاء میں صابر اور مصیبت میں شاکر رہے ہیں ہر کام میں ہمارا توکّل خداوند تعالیٰ پر ہے اور جو شخص ان صفات کا حامل ہے اسکو کوئی خوف نہیں ہے۔ اے مارد بن صدیق البتّہ تو ایسے فضائل سے محروم ہے۔ ہمارا نسب رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے چلتا ہے اور اس نبوّت کے درخت طیبّہ کی ایک شاخ مَیں ہوں اور جو شخص اس نسب سے ہو۔ اللہ تعالیٰ اُس کی مدد فرماتا ہے ایسا شخص کبھی اہلِ دُنیا کی بندگی اختیار نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو تلوار سے کوئی خوف نہیں ہے میرے پدرِ بزرگوار حضرت علی ابن ابی طالب گھر میں نہیں بیٹھتے تھے انھوں نے میدانِ کارزار میں نشو ونما پائی کبھی دشمن سے نہیں ڈرتے تھے اور فریقِ مخالف کی تعداد کا قطعی خیال نہیں کرتے تھے اور کسی موقع پر ایسا نہیں ہُوا کہ وہ میدان چھوڑ کر چلے گئے ہوں مَیں نے انہیں کے سایۂ عاطفت میں تربیت پائی ہے، تیرا خیال ہے کہ مَیں تیری بات قبول کرلوں گا۔

مَیں ایسا شخص نہیں ہوں جو حیاتِ دُنیا سے محبّت رکھتا ہو۔ اور موت سے ڈرتا ہو۔ مَیں جانتا ہوں کہ بہشت اس دُنیا سے بہتر ہے اور بہت سے بچّے اور کم عمر لوگ خداوند کریم کے نزدیک بوڑھوں سے افضل ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ مارد بن صدیق نے یہ فصیح وبلیغ بیان سنکر جس سے عزم بالجزم کے اور قوّتِ قلب ظاہر ہوتی تھی، یقین کرلیا کہ عباسؑ بن علیؑ اس کی نصیحت کو منظور نہیں کریں گے۔ اس اثناء میں حضرت عباسؑ نے اپنے آپ کو جنگ کے لئے تیار کرلیا تھا۔ وہ جھپٹ کر مارد بن صدیق کے پاس پہونچے اور اُس کے نیزہ کا سر اپکڑ کر ایسا جھٹکا دیا۔ کہ قریب تھا کہ وہ گھوڑے سے گر پڑے، اور نیزہ چھین لیا۔ تماشائی جنھوں نے مارد بن صدیق کی گفتگو سُنی کہ مَیں تنہا عباس بن علیؑ سے لڑوں گا۔ وہ دُور سے جنگ کا نظارہ کررہے تھے۔ مارد بن صدیق شرمندہ ہورہا تھا اور اس بات کو شجاعت کے خلاف سمجھتا تھا کہ دوسرا نیزہ مانگے حضرت عباسؑ اور نزدیک آئے اور فرمایا کہ اے دشمنِ خدا، میری خواہش ہے کہ تجھ کو تیرے ہی نیزے سے دُوزخ میں بھیجوں اور پھر اس زور سے نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے سمیت زمین پر اوندھا گر گیا اس کے بعد مارد بن صدیق میں جنگ کرنے کی ہمّت نہ رہی، چونکہ وہ بھاری بھرکم اور بلند قامت شخص تھا، اس کے زمین پر گرنے سے دھماکہ ہُوا یہ وحشت ناک منظر دیکھ کر فوج یزید

مضطرب ہوگئی اور مارو بن صدیق کانپنے لگا۔

شمر نے آواز دی کہ مارو بن صدیق کو بچاؤ ورنہ قتل ہو جائے گا۔ ایک حبشی غلام لشکر کی صفوں سے باہر نکلا اور مارو بن صدیق کی طرف چلا جب اُس پر نگاہ پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ اونٹ کی طرح بلبلا رہا ہے غلام کو دیکھ کر بولا، اے غلام! طاویہ کو جلدی لا، قبل اس کے کہ مجھ پر اور مصیبت وارد ہو جائے ــــ مارو بن صدیق کے گھوڑے کا نام جس پر وہ سوار ہوتا تھا "طاویہ" تھا۔ اس گھوڑے میں چند خاصیتیں تھیں اور وہ بڑا قیمتی بھی تھا، غلام نے چاہا کہ طاویہ کو مارو بن صدیق کے پاس لے جائے تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر میدان سے نکل جائے۔ یہ دیکھا تو حضرت عباسؑ نے سبقت کی اور جست لگا کر طاویہ پر سوار ہو کر غلام کے سینے پر نیزہ رسید کیا پھر اُسی نیزہ سے مارو بن صدیق کا کام تمام کر دیا۔

بہادری، دلیری اور شجاعت کے ایسے ہزاروں واقعات ہیں جو حضرت عباسؑ کی زندگی کا معمول تھے۔ آپ سیرت و کردار گفتار اور بہادری میں حضرت علیؑ ابنِ ابیطالب کا مشابہہ تھے آپؑ نے میدانِ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کی جو نُصرت کی وہ دُنیا میں دلیری، ایثار اور محبّت کی ایک لازوال مثال ہے، آپ نے اپنی جان دیدی مگر جب تک زندہ رہے خیامِ اہلبیتؑ کی طرف دشمنوں کو نگاہ اُٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی ــــ مقاتل کی کتابوں میں حضرت عباسؑ کی فضیلت اور بلند مقام کے بارے میں بہت سی روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت زین العابدینؑ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ، میرے چچا عباسؑ ابن علیؑ پر رحمت نازل فرمائے انہوں نے بڑا ایثار کیا اور اپنی جان اسلام کی نصرت میں اپنے بھائی پر قربان کر دی۔ اسی روایت کے آخر میں ہے کہ وقتِ شہادت حضرت عباسؑ کی عمر چونتیس برس تھی۔ حضرت اُمّ البنین نے حضرت عباس کی شہادت پر یہ شعر کہے (ترجمہ) اے وہ شخص جس نے عباسؑ کو منتخب بہادروں کے ہجوم پر حملہ کرتے دیکھا۔ جبکہ عباسؑ کے پیچھے حیدرؑ کی اولاد تھی جسمیں ہر فرد ایک بہادر شیر کی طرح تھا۔ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ میرے بیٹے (عباسؑ) کے سر پر اُسوقت گرز مارا گیا جبکہ اُسکے دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے۔ مجھے بیحد ملال ہے کہ میرے جوان بیٹے کے سر پر گرز لگا۔ اے عباسؑ کاش تیرے ہاتھوں میں تلوار ہوتی تو کوئی حملہ آور تیرے قریب نہ آتا ++

حکیم سید محمود گیلانی

شبّیرؑ جہانگیر

زندہ ہے! اور زندہ رہے گا

دُنیا کی کوئی طاقت حسینؑ کی بقائے دوام کو مِٹا نہیں سکتی!

اے تیر غمت را دلِ عاشق نشانہ
خلقے بتو مشغول۔ تو غائب زمیانہ
گہ معتکفِ دیر و گہے ساکنِ کعبہ
یعنی کہ ترا می طلبد خانہ بہ خانہ

دنیائے کفر والحاد سر پیٹ رہی ہے کہ نینوا کے میدان کارزار میں حسینؑ کا نام ونشان تک نہ چھوڑا تھا۔ اور اس کے اعزاء واقرباء اس کے احباء ورفقاء کو نیست ونابود کر دیا گیا تھا لیکن حسینؑ پھر بھی زندہ ہے اور ان کا پاک نام فرش سے عرش تک بلند ہو رہا ہے۔

عالم شرک وزندقہ منہ نوچ رہا ہے کہ ریگ زار طف کو حسینؑ کے خون سے رنگین بنا دیا گیا تھا۔ اور اس کے معصوم وشیر خوار بچوں تک کو سوالۂ تیغ وسنان کر دیا گیا تھا۔ لیکن حسینؑ ہیں کہ پھر بھی حیات ابدی پا رہے ہیں۔ اور حسینیتؑ پھر بھی کائنات کے اطراف واکناف میں وسعت پذیر ہے۔

دینِ متین کے دشمنانِ بد باطن حیرت سے انگلیاں چبا رہے ہیں جس لوائے رسولؐ کو معرکۂ کربلا میں بری طرح چھید اگیا تھا جس کے بدن میں چھلنی کی طرح سوراخ کر دیئے گئے تھے وہ آج بھی ایک دائمی اور جاوید زندگی سے ہمکنار ہے۔ اور زمین سے لیکر آسمان کی انتہائی بلندیوں تک

اس کی مدح کے گیت گائے جارہے ہیں۔

مذہب حقہ کے ازلی وابدی اعداء استعجاب کے ساتھ مضطرب ہیں جس فرزندِ مصطفٰے کے لاشے کو برہنہ کر کے اشپ وشتر اور قاطر وحمار کے سموں سے کچل دیا گیا تھا۔ جس کی سر بریدہ میت کو تپتی ہوئی ریت پر جھلسایا گیا تھا۔ اور جس کو شعلہ بار زمین پر تشنہ و گرسنہ مارا گیا تھا وہ کروڑوں انسانوں کا موصوف و ممدوح بن کر آج بھی سب کچھ اپنے کانوں سے سن رہا اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

حریفان محمدؐ و آل محمدؑ تلملاتے، سٹپٹاتے اور پیچ و تاب کھاتے ہوئے نظر آرہے ہیں کہ حسینؑ ہی کو نہیں حسینؑ کے خاندان کو برباد کر دیا گیا تھا اس خیموں کو آگ لگا دی گئی تھی۔ اس کی پردہ نشین خواتین کو، ان خواتین جنہیں آفتاب و ماہتاب، نجوم و کواکب حور و ملائکہ نے کبھی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا گیا تھا۔ سر برہنہ اونٹوں کی ننگی پیٹھ پر بٹھا کر رسوا کیا گیا۔ زنجیروں میں جکڑا گیا۔ رسیوں سے باندھا گیا۔ بازارِ کوفہ میں تشہیر کی گئی۔ شام کی گلیوں میں پھرایا گیا۔ قید خانوں میں محبوس کیا گیا۔ مگر وہ حسینؑ پھر زندہ ہے۔ حسینیتؑ، جوانوں کی طرح سانس لے رہی ہے۔

یہودیت انگاروں پر لوٹ رہی ہے۔ کہ حسینؑ اور حسینیتؑ کیوں باقی ہے۔؟

عیسائیت بسمل کی طرح تڑپ رہی ہے کہ شبیرؑ کی شبیّری کیوں جلوہ افروز ہے۔؟

مجوسیت بے چین و بے آرام ہے کہ جگر گوشۂ فاطمہؑ کا مسلک کیوں دنیا کو محیط ہے؟

ہندو دھرم حیران و پریشان ہے کہ علیؑ اور ابن علیؑ کی ملت کیوں عروج پا رہی ہے؟

ادیان باطلہ اور مذہب ضالہ کا کوئی بھی دشمن اسلام ہو اس کو پرخاش ہے تو محمدؐ اور آل محمدؐ سے اس کو عداوت ہے تو علیؑ اور اولاد علیؑ سے اس کو مخاصمت ہے تو رسولؐ اور اہل بیتؑ رسولؐ سے۔ اس لئے اور صرف اس لئے کہ ہر دشمن دین متین خوب سمجھتا ہے کہ اسلام ہے محمدؐ و آل محمدؐ کو صدق دل سے تسلیم کرنے کا نام، اللہ کے دین کا سرچشمہ ہیں رسولؐ اور اہلبیتؑ رسولؐ حریف مذہب حق کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جب تک حسینؑ کی حسینیتؑ زندہ ہے۔ جب تک شبیرؑ کی شبیری باقی ہے اسلام کو مٹانا محال اور ناممکن ہے

یہ بات دلنشین کر لیجئے اور کبھی نہ بھولئے کہ اعدائے اسلام کی دشمنی اور کسی سے نہیں وہ کسی اور کے مخالف نہیں ہیں۔ وہ کسی طلحہ، کسی عتبہ، کسی ابن ابی وقاص، کسی ابو سفیان، کسی معاویہ کو تباہ کرنا نہیں چاہتے ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ معاندین اسلام میں سے متعدد اعدائے بد باطن نے ان کی بے حد تعریفیں کی ہیں۔ پنڈت موتی لال نہرو، سردار بہادر آتما سنگھ رائے صاحب کرشن گوپال، سر والٹن رسک، لارڈ کرزن، جنرل واسٹے، ایسے دشمنان دین خدا نے معاویہ بن ابوسفیان وغیرہ کے طرز حکومت کو بہت سراہا ہے۔ اور ہندو جاتی کے روح رواں اور آزادی ہند کے ناخدا مسٹر گاندھی کا تو سیاسی آئیڈیا ہی یہ تھا کہ جونہی ہندوستان آزاد ہوگا اس کے طرز حکومت کو ان ہی کے سیاسی ڈھانچے پہ لایا جائے گا۔

پس اس سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے دشمن صرف محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے دشمن ہیں۔ وہ کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کے مخالف نہیں۔ رسولؐ اور اہلبیتؑ رسولؐ کے حریف ہیں حسینؑ اور حسینیتؑ کو فنا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اسلام کو حسینیتؑ اور حسینیتؑ کو ہی اسلام سمجھتے ہیں۔ وہ یہ علم رکھتے ہیں کہ تعلیمات آل محمدؐ کو برباد کر دیا جائے تو اسلام خود بخود تباہ ہو جائے گا۔ وہ جانتے ہیں کہ حسینیتؑ کو نیست و نابود

کر دیا جائے۔ تو خدا اور دین محمدؐ کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ انہیں کسی اور سے کیا سروکار از لسکہ ابوبکر اور عمر اور عثمان وغیرہ محمدؐ اور آل محمدؐ کے بدولت مسلمان کہلائے۔ اہل بیتؑ رسولؐ کے طفیل دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ اس لئے دشمن کو کیا پڑی ہے کہ ان کو چھیڑے۔ اور ان سے مخاصمت رکھے وہ تو اس حسینیتؑ کو مٹانے پر تلا ہوا ہے۔ جس کا دوسرا نام دین محمدؐ ہے

آج نصرانیت بہت مسرور نظر آرہی ہے کہ وہ حسینؑ کے مسلک اور حسینؑ کے ناناؐ کے دین کو شکست دینے کے لئے پاکستان کے گوشے گوشے میں بشارتِ انجیل کی انیس سو سالہ یادگار منا رہی ہے اور حسینؑ کا نام جپنے والوں، حسینؑ کی محبت و ولا میں مخمور رہنے والوں کو حسینیتؑ سے منحرف کرنے کی ناپاک کوشش کی جا رہی ہے۔ ہاں عیسائیت بہت خوش ہے کہ اس نے بزعم خود سارے پاکستان اور ہندوستان میں صلیب کا نشان گاڑ دیا ہے وہ اس خیال باطل

میں محو ہے کہ یہ صلیبی نشان ارض پاکستان میں نہیں حسینیتؑ کے سینے میں پیوست کیا گیا ہے۔ مسلکِ شبیرؑ کے کلیجے میں لگایا گیا ہے بزعم خود شبیریؑ کو برباد اور اسوۂ حسینی کو فنا کرنے کے لئے۔

لیکن نصرانیت آگاہ ہو جائے کہ جب تک دنیا میں حسینؑ کا ایک نام لیوا بھی باقی ہے جب تک شبیرؑ کا ایک بھی پرستار زندہ ہے حسینیتؑ اور شبیریؑ کو دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی۔ محمدؐ کے لائے ہوئے اسلام کو اور آل محمدؐ کی پھیلائی ہوئی تعلیمات کو کائنات کی کوئی قوت نقصان نہیں

پہنچا سکتی۔ جب تک خدا اور محمدؐ کا نام زندہ ہے۔ حسینیت فروغ پاتی رہے گی۔ شبیری مضبوط ہوتی رہے گی۔

عیسائیت کو بصارت کے ساتھ بصیری بھی ملی ہوتی تو وہ بشارت انجیل، کی انیس سو سالہ یادگار مناتے وقت اسی انجیل میں دیکھ سکتی تھی کہ جس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ اس میں جابجا محمدؐ اور آل محمدؐ کا ذکر خیر پایا جاتا ہے۔ حسینیت کے جلوے موجود ہیں شبیری کی تجلیاں نور برسا رہی ہیں۔ اور یوحنا عارف کا ،، مکاشفہ ،، تو شہادت امام حسینؑ کے واقعہ کی حرف بحرف گواہی دے رہا ہے۔ مثلاً چند الفاظ ملاحظہ کیجئے۔!

جو اوّل اور آخر ہے۔ وہ یہ فرماتا ہے کہ میں تیری مصیبت اور غریبی کو جانتا ہوں۔۔۔۔۔ بلکہ شیطان کی جماعت میں ان کے لعن طعن کو بھی جانتا ہوں جو دکھ تجھے سہنے ہوں گے۔ ان سے خوف نہ کر دیکھو، ابلیس تم میں سے بعض کو قید میں ڈالنے کو ہے۔ تاکہ تمہاری آزمائش ہو۔ اور دس دن تک مصیبت اٹھاؤ گے جان دینے تک بھی وفادار رہ تو میں تجھے زندگی کا تاج دوں گا۔ یوحنا کا مکاشفہ باب ۲ (فقرہ ۹۔ ۱۰) پھر ایک جگہ لکھا ہے اور اس سے بھی وضاحت کے ساتھ کہ۔!

دیکھو وہ بادلوں کے ساتھ آنے والا ہے۔ اور ہر ایک آنکھ اسے دیکھنے گی اور جنہوں نے اسے چھیدا تھا۔ وہ بھی اور زمین پر کے سب قبیلے اس کے سبب سے چھاتی پیٹیں گے۔ (مکاشفہ باب ا فقرہ ۷)۔

اس سلسلے میں انجیل کا ایک مقام بھی دیکھ لیجئے لکھا ہے۔

خدا فرماتا ہے کہ آخری دنوں میں ایسا ہوگا کہ۔۔۔۔ میں اوپر آسمان پر عجیب کام اور نیچے زمین پر نشانیاں۔ یعنی خون اور آگ اور دھوئیں کا بادل دکھاؤں گا۔ سورج تاریک اور چاند خون ہو جائے گا۔ درسولوں کے

اعمال باب ۲ فقرہ ۱۷ تا ۲۰)

انجیل کی مذکورہ سطور کے ایک ایک لفظ پر غور و تفحص کی ضرورت ہے ہر شخص جس کو خالق نے عقل و خرد عطا فرمائی ہے۔ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ امام ہمام کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کی المناک شہادت کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔ اگر نہیں تو نصرانیت بتائے کہ کس کے ماتم میں چھاتیاں پیٹی جاتی ہیں کس کے سوگ میں سورج و چاند تاریک ہو گئے تھے۔ کس کے دردانگیز قتل پر شمس و قمر نے خونی لباس زیب تن کیا تھا۔؟ کس کے خیموں میں آتش زنی ہوئی تھی۔ اور دھوئیں کے بادل اٹھے۔ اگر یہ جواب ملے کہ یہ سب کچھ مسیحؑ بن مریمؑ سے متعلق ہے تو یہ جواب سراسر غلط ہے کیونکہ انجیل میں خدا تو صاف و صریح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ آخری دنوں میں ایسا ہوگا۔ یعنی یہ واقعہ آخری زمانے میں ظہور پذیر ہوگا۔

کہا جائے گا کہ مضمون اپنے موضوع سے باہر جا رہا ہے لیکن اس ضمن میں ایک سخن گسترانہ" بات آپڑی تھی۔ جو ہمارے نزدیک حسینؑ اور حسینیتؑ کی حیاتِ دوام اور بقائے عام ہی کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ اور اب یہ بھی سن لیجئے کہ۔ ایک انجیل ہی پر کیا موقوف ہے۔ توریت اور زبور میں بھی غزل الغزلات ہیں۔ تمام صحف مرسلین میں حسینؑ پاک کا ذکر پاک پایا جاتا ہے۔ علاوہ بریں تمام ادیان و مذاہب عالم کی دینی کتابوں میں جناب شبیر جہاںؑ کا مقدس تذکرہ ملتا ہے۔ چاروں ویدوں کو دیکھو، چھٹوں شاستروں کو دیکھو ژندو پاژند کو دیکھو، بھگوت گیتا کو دیکھو، راماین میں دیکھو، قدیم کتبات پارینہ اوراق، کہنہ نشانات پرانے آثار حسینؑ اور اس کی حسینیتؑ کی شہادت دے رہے ہیں۔ اور ایسے ایسے اعجاز و کرامات ظہور میں آ رہے ہیں کہ انسانی ادراک اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

اگر ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ :-

شبیرؑ جہانگیر زندہ ہے اور زندہ رہے گا تو ہم جھوٹ نہیں کہتے۔ گپ نہیں ہانکتے۔ مبالغہ نہیں کرتے۔ اور اگر ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ۔

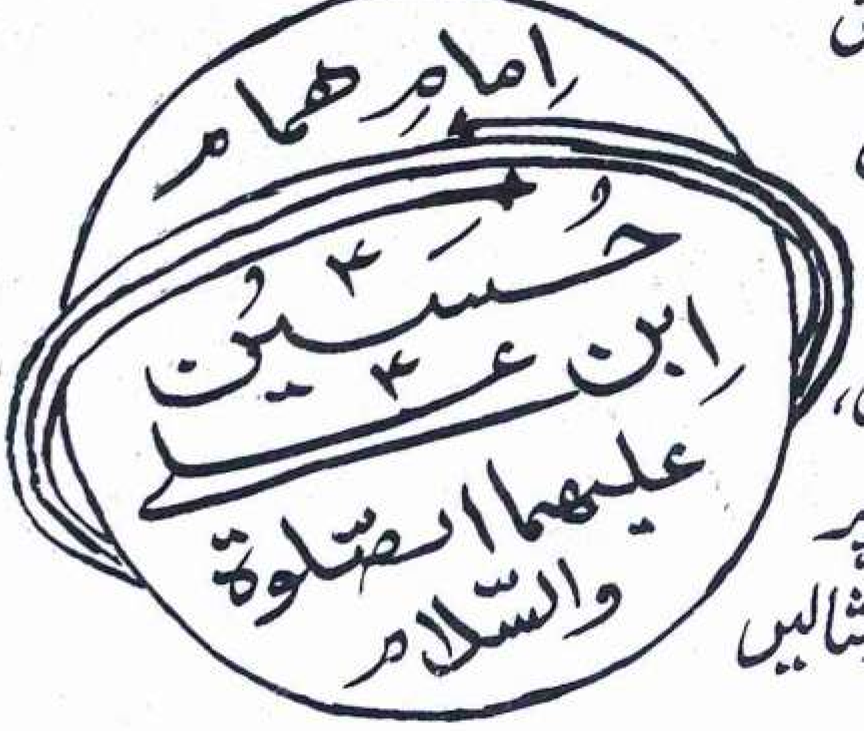

دنیا کی کوئی طاقت حسین کے بقائے دوام کو مٹا نہیں سکتی۔ تو ہمارا یہ دعویٰ باطل نہیں، پھیکا نہیں، ظاہری نہیں، ہمارے دعووں کی صداقت پر واقعات عالم گواہ ہیں۔ چند مثالیں دیکھ لیجئے۔

۱۹۵۰ء کی بات ہے کیلیفورنیا یونیورسٹی کے "جیوگرافیکل ڈپارٹمنٹ" میں ایک گلوب (نقشہ کرۂ ارضی) رکھا ہوا ہے۔ ایک دن اس کے وائس پرنسپل کو نہ معلوم کیا سوجی کہ اس نے گلوب پر انگریزی میں یہ الفاظ جلی حرف میں لکھ دیئے۔ THE CHRIST IS ONLY SON OF GOD , (یسوع مسیح خدا کا واحد بیٹا ہے) لیکن اسی رات کو غیرتِ حق حرکت میں آئی اور دستِ قدرت نے ان الفاظ کو حرفِ غلط سمجھ کر مٹا دیا۔ اور اس کی بجائے یہ ثبت فرمایا۔ امام ہمام حسینؑ ابن علی علیہما الصلوٰۃ والسلام۔

وائس پرنسپل دوسرے روز کمرے میں آیا۔ تو گلوب کو دیکھ کر بہت سٹ پٹایا۔ چونکہ عربی دان تھا۔ اسمِ حسینؑ پڑھ کر سخت مضطرب ہوا۔ اور نام اقدس کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی تک زور لگایا۔ مگر پرتو نورِ خدا فرزندِ مصطفٰےؐ، دلبندِ مرتضیٰؑ نورِ نگاہ فاطمۃ الزہراؑ کا اسم مبارک حسینؑ کس طرح مٹ سکتا تھا۔ جب وائس پرنسپل اپنی ناپاک مساعی میں ناکام ہوا۔ تو گلوب کو ہلکا سا چکر دیا۔ تاکہ حسینؑ کا نام پیچھے چلا جائے۔ اور اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ لیکن ہوا کہ گلوب گھوم کر رہا ہے اور حسینؑ کا نام

سامنے جلوہ افروز ہے۔ کسی چکر سے نواسۂ رسولؐ کا اسمِ پاک چھپے نہ ہوسکا۔

ایک اور واقعہ سنیے ۱۹۴۸ء میں آسمان پر یکایک پانچ ستارے نمودار ہوئے اور شب کی تاریکی میں یہ ستارے تمام یورپین ممالک نے شمال مغرب کی طرف جاتے ہوئے دیکھے پانچوں ستارے نہایت شوخ اور روشن تھے ہر ایک ستارے سے پانچ پانچ شعاعیں پھوٹ کر فضا میں آسمانی کو بقعۂ نور بنا رہی تھیں پھر پانچوں ستاروں کے عین وسط میں شعاعوں نے حسینؑ کا اسمِ مقدس رقم کیا۔ دنیا دیکھ کر حیران رہ گئی تمام یورپ کے جرائد میں یہ خبر بڑی موٹی سرخیوں کے ساتھ چھپی۔

یہ تھا کرشمہ قدرت جو اس نے حسینؑ کی ابدی زندگی کے ثبوت میں دکھایا۔ عالم الحاد ششدر ، دنیائے کفر دنگ، زندیق و مشرک حیران، فلسفی مہینوں سر بگریبان رہے کسی کی سمجھ میں حق کی قدرت کا راز نہ آسکا۔

انگلستان کے سب سے بڑے شہر لندن کا ایک تعجب خیز واقعہ سن لیجئے کوئی چار ہی برس کی بات ہے نیوکیسل کے ایک بڑے چرچ (گرجا گھر) کا انچارج

پادری اوپر کی منزل میں سو رہا تھا۔ کہ رات کے دو بجے سیڑھیوں پر آہٹ ہوئی۔ پھر گنگنانے کی ہلکی سی آواز آئی۔ پادری نے آہٹ پا کر دیکھ بھال شروع کی تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ کوئی بیس منٹ بعد چرچ کے عبادت خانہ (PRAYER HALL) کا دروازہ زور سے کھلا حالانکہ وہ مقفل تھا۔ اور کسی غیر مرئی شئے نے پیانو پر راگ چھیڑ دیا۔ پادری خوف و ہراس کے عالم میں آہستہ آہستہ بالا خانے سے اترا اور کان لگا کر پیانو کی آواز گانے والے کا نغمہ سننے لگا۔ وہ یہ دیکھ کر سخت متحیر ہوا۔ کہ ہال میں کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ مگر پیانو نہایت سریلی تانیں اڑا رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی کوئی چیز حسینؑ علیہ الصلواۃ کی مدح گا رہی ہے۔

اس واقعہ کی تحقیق و تدقیق کیلئے فرنگی پولیس کے محکمے سراغرسانی نے ایک نئے انداز پر اپنا رخ موڑا مگر خاک بھی پلے نہ پڑا۔ حسینؑ کی پاک ذات ایسی کہاں تھی کہ ہر کہ ومہ کو نظر آسکتی۔ سچ کہا ہے کسی نے؟

در ہیچ پردہ نیست نہ باشد نوائے تو — عالم پُر است از تو و خالیست جائے تو

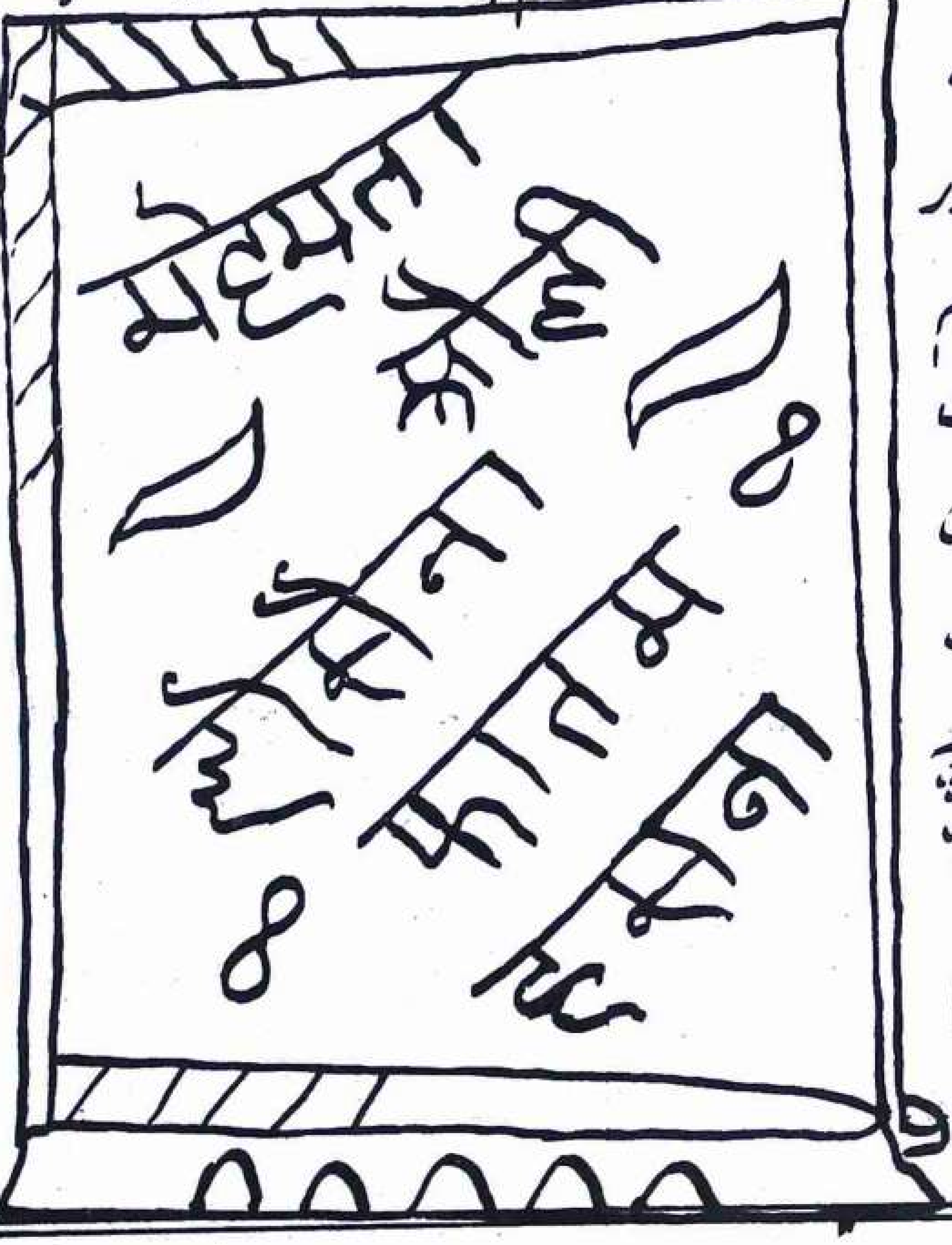

حسینؑ اور حسینیتؑ کی زندگی جاوید بلکہ حضور نفوسِ خمسہ قدسیہ علیہم الصلواۃ والسلام کی حیات دوام کے ثبوت میں ایک اور واقعہ بھی باعث ایمان افروزی ہے یہ اگرچہ ذرا ایڑا ہے مگر اہل تولا کے لئے موجب استحکام ایقان ہے۔:-

۱۲ دسمبر ۱۹۰۸ء کو بھارت کے ایک پہاڑی علاقہ میں کچھ مزدور چٹانیں توڑ رہے تھے۔ کہ وہاں کسی پرانی عمارت کے آثار دکھائی دیئے۔ مزدوروں کے گروپ نے اپنے انگریز افسر کو اس کی اطلاع دی۔ تو اس مقام کی کھدائی شروع ہو گئی اور پتھر کا بنا ہوا ایک محل نما مکان برآمد ہوا۔ جس میں سے بہت سی دوسری نایاب اشیاء کے علاوہ ایک آئینہ بھی دستیاب ہوا۔ جس پر سنسکرت حروف میں پانچ نام لکھے ہوئے تھے۔ پڑھنے والوں نے وہ نام پڑھے تو ان کی چشم حیرت کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کفار و مشرکین کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اور انہوں نے دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ انگریز افسروں کو وہ نام پڑھ کر سنائے۔ وہ اسمائے مبارک ذرا آپ بھی سن لیجئے۔

۱۔ موہمتا۔ (محمدؐ) ۲۔ اولی (علیؑ) ۳۔ ہوسینا (حسینؑ) ۴ پھاتم (فاطمہؑ) ۵۔ حسنا (حسنؑ)۔

مذکورہ آئینے کے متعلق جب محکمہ آثار قدیمہ نے تحقیقات عمل میں لائیں تو معلوم ہوا کہ یہ آئینہ مہاراجہ اشوک کے عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی سے تقریباً چار پونے چار سو سال پہلے اس کو تیار کیا گیا تھا۔ اس تحقیقات کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ آئینے پر لکھے ہوئے یہ مقدس نام جونہی ظہور میں آئے اور منظر عام پر جلوہ گر ہوئے تو ہندو عالمان سنسکرت اور دید یارتھی پنڈتوں نے ان اسماء کے معانی کو توڑنے موڑنے کی بہت کوششیں کیں۔ لیکن حقیقت چھپائے نہ چھپ سکی۔ اور یہ مقدس نام اپنے اصلی روپ اور اصلی معنوں میں ظاہر ہو کر رہے۔

اسی طرح حسینؑ کی عظمت و حرمت کو دنیا میں پھیلانے، اس فرزند رسولؐ کے نام نامی کو سربلند کرنے اور اس دلبند رسولؐ کے مراتب و مناصب سے روشناس کرانے کے لئے حق جل شانہ نے اپنی ایک اور قدرت دکھائی کہ مارچ ۱۹۲۷ء میں اودھ (ہندوستان) کے ایک گاؤں متاکرٹی

سے ایک آئینہ برآمد ہوا۔ جسے چندر گپت کے عہد حکومت کی صنعت کا نمونہ کہا جاتا ہے۔
اس مدور آئینے پر سنسکرت حروف میں حسینؑ جلی حروف میں منقش ہے

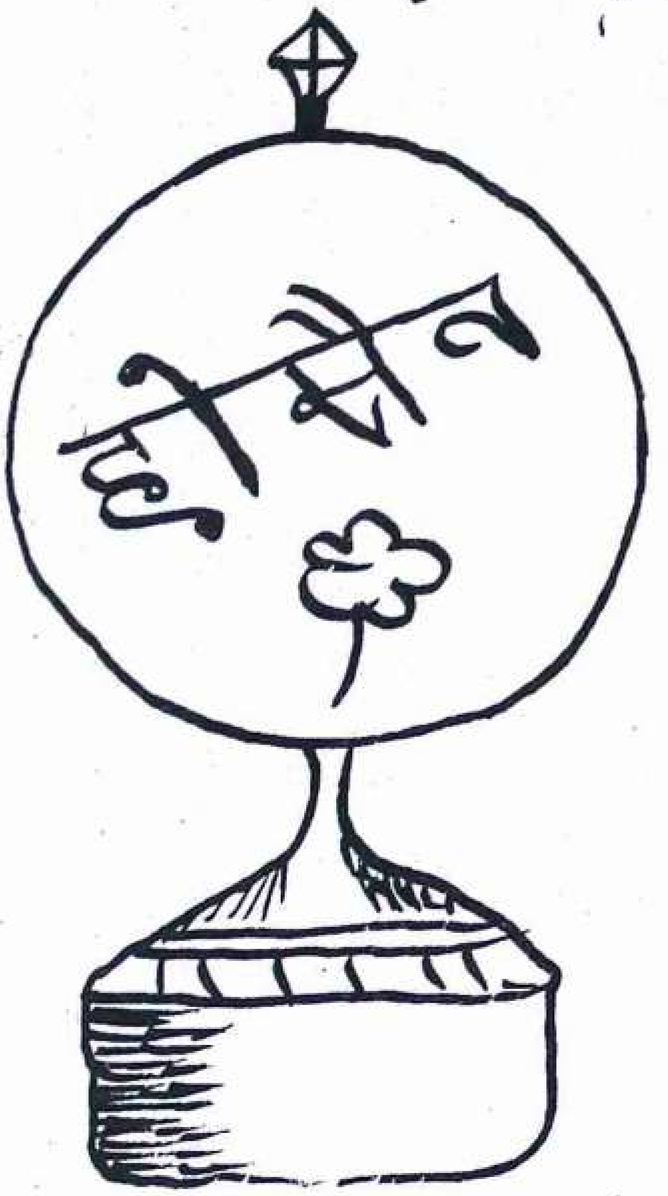

واقعہ مذکور کی روایت یہ ہے۔ کہ علاقہ اودھ کے موضع تناکرڑی کا کوئی کسان کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔ ایک جگہ ہل چلتے چلتے رک گیا۔ بیلوں کی جوڑی ٹھوکر کھا کر گر پڑی ہل ٹوٹ گیا۔ اور کسان بھی چوٹیں کھا کر مجروح ہوا۔ اس نے چند آدمیوں کو امداد کے لئے بلایا۔ انہوں نے کدالیں لے کر زمین کو کھودا تاکہ معلوم ہو کہ کس چیز سے ٹھوکر لگی ہے زمین کھودنے پر پرانے زمانے کی چند اینٹیں نکلیں ان کو اکھاڑا گیا تو نیچے ایک آہنی صندوقچہ برآمد ہوا جس پر حسینؑ کا نام پاک ثبت تھا۔ گاؤں والوں نے اس کو محکمہ آثار قدیمہ والوں کو دے دیا۔ اور اس نے ریسرچ کے بعد یہ انکشاف کیا۔ کہ مذکورہ آئینہ چندر گپت عہد کی کاریگری کا ایک نمونہ ہے۔

اللہ اکبر۔ جس حسینؑ کو ہر مرحلہ اور ہر گام پر تباہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس حسینؑ کے خاندان کو ہمیشہ ختم کرنے کی ناپاک مساعی عمل میں لائی گئیں۔ جس حسینؑ کو ۶۱ھ میں کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر ذبح کیا گیا۔ حریفانِ آلِ محمدؐ کے لئے یہ امر کس قدر جراحت خیز ہے کہ وہ حسینؑ آج بھی زندہ ہے اور خالقِ اکبر اس کی دائمی زندگی۔ اس کی حیاتِ جاوید کے دلائل ساطعہ ہر زمانہ میں شمس بازغہ کی طرح روشن فرماتا رہتا ہے۔

ہاں یہی ہے وہ حسینؑ۔ جو دشمن کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ یہی ہے وہ حسینیتؑ جو چشم عدو میں خار کی طرح چبھ رہی ہے۔ محض اس لئے کہ حسینؑ کیوں سربلند ہے حسینیتؑ کیوں سرفراز ہے؟ محض اسلئے کہ شبیرؑ کیوں جہانگیر ہے شبیریؑ کیوں عالمگیر ہے۔

آج روس اگر افغانستان اور ترکی کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے تو اس کی وجہ یہ اور صرف یہ ہے۔ کہ حسینؑ اور حسینیتؑ کا نشان تک باقی نہ رہے۔

آج فرانس اگر الجزائر اور شام پر دانت تیز کر رہا ہے تو اس کا سبب یہی ہے کہ وہ حسینؑ اور حسینیت کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتا۔

آج اگر امریکہ نے فلسطینی مسلمانوں کو برباد کیا ہے اور اہل اسلام کے جگر میں چھرا گھونپ کر نام نہاد اسرائیل مملکت قائم کر دی ہے تو محض حسینیتؑ (اسلام) کو نقصان عظیم پہنچانے کے لئے اگر اعدائے ثلاثہ، فرانس، انگلستان، اسرائیل، اقلیم مصر پر بمباریاں کرتے اور اس کے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجاتے ہیں، تو اس کا باعث بھی یہی ہے کہ حسینیتؑ تباہ ہو جائے۔

اگر قدیم مسلم اسٹیٹ کشمیر کا مسئلہ پندرہ سال سے سلامتی کونسل کے جھولے میں لٹکا ہوا ہے اور اس کو بھارت کے چنگل سے چھوٹنے نہیں دیا جا رہا ہے۔ تو اس کا سبب بھی یہ کہ کشمیر حسینؑ والوں کا ہے۔ اور اس میں ہزارہا برس سے حسینیتؑ جلوہ فرما ہے۔

اگر کافر و مشرک ممالک دولِ اسلامیہ کو کچا چبا جانا چاہتے ہیں، تو اسی لئے کہ حسینیتؑ کا خاتمہ ہو جائے۔ اور پرستارانِ حسینؑ فروغ نہ پا سکیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اسلام کا سرچشمہ حسینؑ ہے۔ دین و ایمان حسینؑ ہے۔ مذہب حقہ حسینؑ ہے۔ اسلام کی سپرٹ، اسلام کی قوت، اسلام کی دولت، اسلام کی عظمت حسینؑ ہے۔ خوب یاد رکھئے کہ اسلام کا دوسرا نام حسینیتؑ ہے۔ حسینیتؑ کا دوسرا نام اسلام ہے۔ اور اس کا اعتراف اپنے ہی نہیں بلکہ بیگانے بھی کرتے ہیں۔ کہ حسینؑ اپنا سر نہ کٹواتا، اپنا خون نہ دیتا، اپنے عزیزوں اپنے رفیقوں کو قربان نہ کرتا۔ تو آج اسلام نہ ہوتا۔ یذیدیت ہوتی، دین خدا نہ ہوتا۔ شمریت ہوتی ملت اسلامیہ نہ ہوتی۔ یا ویت ہوتی۔ یہ حسینؑ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے حسینیتؑ قائم کر کے اسلام کو ازسرِ نو زندگی بخشی، دائمی زندگی۔ سچ ہے ؎

شاہ ست حسینؑ پادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ، دین پناہ است حسینؑ

سردار، نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

آپ اغیار و کفار کی عداوت کا ذکر سن چکے۔ مشرکین و ملحدین کی مخاصمت اور مخالفت ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے حسینؑ اور حسینیت کا نام ختم کرنے کے لئے کس قدر سازشیں گھڑ رکھی ہیں۔ اور کس طرح وہ دین خدا۔ دین محمدؐ، دین آل محمدؐ کو برباد کرنے پر کمر بستہ ہیں۔

لیکن آہ! اس کے ساتھ ...... یہ بھی سن لیجئے کہ صرف نصرانیت، صیہونیت، مجوسیت، دہریت، ہندوویت ہی اسلام اور حسینؑ اور مسلک حسینؑ کی دشمن نہیں اسلام کی بعض برائے نام مسلم جماعتیں۔ اگر یقین نہ آئے۔ تو ناصبیت کا کردار دیکھیئے عباسیت کے معتقدات پر نگاہ ڈالیئے۔ خارجیت کے عقائد پر نظر جمایئے۔ رافضیت کے اعتقادات کو پرکھئے۔ صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ نام نہاد مسلم گروہ اسلام کا لبادہ پہن کر اسلام کو فنا کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ ایک اور ٹولی بھی ہے جس کو اپنے ناجی ہونے کا سب سے بڑا دعویٰ ہے۔ جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اجارہ دار بنی ہوئی ہے وہ حسینؑ اور حسینیت اور شبیرؑ و شبیری، رسولؐ اور آل رسولؐ اور اس کے فداکاروں کی سب سے زیادہ دشمن ہے۔ اس لئے کہ اس کے بانی نے حسینؑ سے افضل ہونے کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ سنیئے وہ کس جسارت اور کس شوخی سے کہتا ہے۔

اے قوم شیعہ اس پر اصرار مت کرو کہ حسینؑ تمہارا منجی ہے۔ کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے جو حسینؑ سے بڑھ کر ہے (دافع البلاء)

وہ کس ستم گاری سے حسینیوں کے قلوب کو مجروح کرتا ہے۔

نشتان ما بینی و بین حسینکم
فانی اؤید کل آن و انصر!
واما حسین فاذکروا دشت کربلا
الی ھذہ الایام تبکون فانظروا
انی قتیل الحب لکن حسینکم

قتیل العدیٰ فالفرق اجلیٰ واظہر

(اعجاز احمدی)

ترجمہ :۔ مجھ میں اور تمہارے حسینؓ میں بہت بڑا فرق ہے۔ کیونکہ میں تو ہر وقت خدا کی تائید و امداد پا رہا ہوں۔ لیکن حسینؓ خدا کی حمایت و نصرت سے محروم رہا۔ تم دشت کربلا کو یاد کر کے اب تک روتے ہو۔ پس سوچ لو اور غور کر لو کہ وہاں (حسینؓ کا) کیا انجام ہوگا میں محبت کا کشتہ ہوں اور تمہارے حسینؓ کو دشمنوں نے قتل کر دیا۔ پس فرق صاف ظاہر ہے۔

اہل اسلام عاشقانِ امام ہمام تو حسینؓ کے ایک جلوے کو ترس رہے ہیں۔ اور بیتاب نظر آتے ہیں کہ ایک دفعہ حسینؓ کا بلکہ سایہ تو ہی سامنے آجائے۔

یک حسینے نیست کو گردد شہید
ورنہ بسیار اند در عالم یزید

لیکن وہ کس گستاخی اور بیباکی سے کہتا ہے کہ۔

کربلا نیست سیر ہر آنم
صد حسینؑ است در گریبانم!

(درثمین فارسی)

یہ تو حسینؓ کا معاملہ ہے جو شخص حجر الاسود (کعبہ) بن سکتا ہے۔ خدا، مظہر خدا، خدا کا باپ، خدا کا بیٹا۔ خالق ارض و سماء، خالق آدم، محمدؐ و احمد، مثیل کل مرسلین بن سکتا ہے۔ وہ اگر حسینؓ سے افضل بنتا ہے تو کوئی بڑی بات نہیں۔

مگر حسینؑ اور حسینیت کو ان شوخیوں، گستاخیوں، بیباکیوں کی پرواہ نہیں ہے۔ وہ تیروں اور تیغوں کی لاکھوں جراحتیں کھا کر ایک ایسے غیر فانی شباب سے ہمکنار ہوتی ہے۔ جس کو بڑھاپا نہیں آسکتا۔ جس کی قوت زائل نہیں ہو سکتی۔ جو موت کے آغوش میں نہیں جا سکتی حسینیت میں ایک ایسی لچک ہے کہ جتنا اسے دبائیں گے اتنا ہی ابھرے گی۔ جتنا اسے کاٹیں گے اتنا ہی بڑھے گی پھولے گی۔ اور پھلے گی یہی وجہ ہے

کہ وہ ساڑھے تیرہ سو برس سے ہدف اعداء رہے مگر پھر زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گی۔ جس کا سورج کی طرح روشن ثبوت یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے اکثر سعید الفطرت انسان حسینؑ کے مناقب و فضائل میں تر زبان ہیں اور اس کے مصائب میں اشک فشاں ہیں چنانچہ جہاں آپ نے زہر آلود کانٹوں کی تیز چبھنیں دیکھی ہیں وہاں ان کے ساتھ لگے ہوئے خوشبودار پھولوں کی بہار آفرینی سے بھی لطف اندوز ہوئے۔

(۱)

وہ جوان امام بن کر آیا۔ وہ اس کی سواری کر رہا تھا جو رسالت کا آخری تاج زیبِ سر کر کے تشریف لایا۔ کیا عجیب بات ہے کہ رسالت کی پشت لطف اٹھا رہی ہے۔ مگر رسالت بھی خرم و شاداں نظر آ رہی ہے۔ اور حسین بے چین ہونے کے بجائے یہ کہتے سنائی دے رہی ہے کہ میں حسینؑ سے ہوں اور حسینؑ مجھ سے ہے میرے ساتھ وہی شخص محبّت رکھ سکتا ہے جو حسینؑ سے محبّت رکھے۔ اس لئے کہ حسینؑ جوانانِ جنت کا سردار ہے بہشت میں صرف وہی داخل ہو سکے گا۔ جو حسینؑ کا عاشق و محب ہو گا۔ بہر کیف عیسائی ہونے کے باوجود ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ جس امامت سے عشق لگائے بغیر کوئی مسلمان جنت میں داخل نہیں ہو سکتا وہ اپنے مرتبے کی فضیلت کے بارے میں کچھ ایسے راز اپنے اندر رکھتی ہے جس کو رسالت ہی خوب سمجھ سکتی ہے۔ (مارکولتھ)

(۲)

اگر مسلمان یہ کہتے ہیں کہ حسینؑ جنت کے سردار ہیں۔ تو وہ ٹھیک کہتے ہیں۔ جس بلند مرتبہ انسان نے دنیا میں سرداری کی ہے اور حق نے اسے منصب امامت پر فائز کیا ہے وہ جوانانِ جنت کا سردار کیوں نہ ہو گا؟ سچ تو یہ ہے کہ حسینؑ بچپن سے ہی سردار تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنے مقدّس نانا کی پشت اور دوش پر سواری نہ کر سکتا اس کی سرداری کی ایک یہی دلیل کافی ہے کہ محمد الرسول اللہ نے خود اسے بہشت کے جوانوں کا سردار کہا ہے۔ اور یہ مژدہ انہوں نے خدا سے خبر پا کر سنایا تھا۔ اس کی سرداری کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آج بھی اہل دنیا اس کا نام نامی سن کر ادب سے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ اور میرے ایسے غیر مسلم

سبھی ان کی شان میں مداح وثناخواں نظر آتے ہیں۔ حسینؑ ان محترم خاتون کے محبوب فرزند ہیں جو محمدؐ نبی کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ اور جنہیں ان کے باپ نے دونوں جہانوں کی ملکہ کا دیا تھا۔ لوگو! خیال کرو۔ جب ماں جنت کی خواتین کی سردار مختار ہے تو بیٹا کیوں نا بہشت کا سردار ہوتا۔ مجھے مسیحؑ کی قسم ہے کہ میرے دل میں فاطمہؑ کی مریمؑ سے زیادہ عزت اور حسینؑ کا مسیح سے زیادہ احترام ہے اور میں محمدؐ صاحب کو دنیا کے تمام انسانوں سے افضل واعلیٰ سمجھتا ہوں۔ (مقبول عیسیٰ مؤلف حیات ابدی)

(۳)

تاریخ اسلام میں ایک باکمال ہیرو کا نام نظر آتا ہے جس کو حسینؑ کہا جاتا ہے۔ یہ محمدؐ کا نواسہ، علیؑ اور فاطمہؑ کا بیٹا حسینؑ لاتعداد صفات واوصاف کا مالک ہے۔ جس کے عظیم واعلیٰ کردار نے اسلام کو زندہ کیا۔ اور دین خدا میں نئی جان نئی روح ڈالی۔ حق تو یہ ہے کہ اگر اسلام کا یہ بہادر میدان کربلا میں اپنی شجاعت کے جوہر نہ دکھاتا اور ایک پلید ولعین حکمران کی اطاعت قبول کر لیتا تو آج محمد کے دین کا نقشہ کچھ اور نظر آتا۔ وہ بھی اس طرح کہ نہ قرآن ہوتا۔ نہ اسلام، نہ ایمان نہ ایقان، نہ رحم نہ انصاف نہ کرم نہ وفا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انسانیت کا نشان تک دکھائی نہ دیتا ہر جگہ وحشت و بربریت درندگی وبہیمیت نظر آتی۔ (جی بی ایڈورڈ۔ از ہسٹری آف اسلام)

(۴)

اس کو اچانک دشمن نے محاصرے میں لے لیا۔ اور ۷۲ ساتھیوں کے ساتھ اسے فرات کے کنارے تپتے ہوئے میدان میں ڈیرا ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ جھلسا دینے والی گرمی میں اعداء نے اس پر پانی بند کر دیا۔ حتیٰ کے اس کے شیر خوار بچے کے حلق تک بھی پانی کا ایک قطرہ نہیں جانے دیا۔ اس کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے بے رحمی سے قتل کر دیئے گئے۔ اس کے نوجوانوں و نوخیز بھتیجوں اور بھانجوں کو جور وجفا کی تلوار سے ٹکڑے کیا گیا۔ اس کے گود میں کھیلتے معصوم بچے کو اس جرم میں ہلاک کیا گیا کہ اس کے لئے پانی کا گھونٹ مانگا گیا تھا۔ آخر۔ اس کی اکیلی جان ہزاروں ملعونوں کے ساتھ

بڑی پامردی، جرأت اور دلاوری سے لڑتی رہی۔ اس نے سر دیا اپنے پاک خون سے زمین نینوا کو گلرنگ کر دیا۔ مگر لعینوں کی اطاعت قبول نہ کی! جانتے ہو وہ کون تھا؟ .... حسینؑ۔ ابن علیؑ۔ رسولؐ خدا محمد مصطفےٰؐ کا نواسہ عظیم و جلیل پیغمبر کا راکب دوش فاطمہؑ بنت رسول کا لاڈلا دلبند اور شیر خدا و مشکلکشا کا فرزند ارجمند جو جوانان جنت کا سردار اور بہشت بریں کا عطر بیز پھول تھا۔! تم سمجھتے ہو کہ وہ بے بس اور بے کس تھا۔ بے یار و مددگار تھا۔! نہیں یہ بات غلط ہے! بالکل غلط! حسینؑ ہر شے کا مالک تھا۔ اس کے اشارۂ ابرو پر آسمان اور آسمان کے جملہ فرشتگان نیچے اتر سکتے تھے۔ اور اس کی مدد کر سکتے تھے۔ اگر وہ چاہتا تو خدائی طاقتیں آن کی آن میں ٹڈی دل لشکر اعدا کو نیمہ کی طرح لوٹ سکتی تھیں مگر نہیں! خدا کو اس کا امتحان لینے کی تمنا تھی۔ اور حسینؑ خود اس آزمائش میں پورا اترنا چاہتا تھا۔ اس لیے نہ تو اس نے خدا سے مدد مانگی اور نہ خدا ہی اس کی اعانت کو پہنچا۔ اور حق تو یہ ہے کہ حسینؑ نے خون پاک دے کر گلا کٹوا کر اللہ کے دین کو دشمنوں کے شر و فساد سے بچا لیا۔ اگر وہ کربلا کی قربان گاہ میں ذبح نہ کیا جاتا۔ اگر خدانخواستہ وہ امتحان الٰہی میں پورا نہ اترتا تو آج اسلام کا نشان تک نظر نہ آتا۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ کوئی شخص اتنا بھی نہ جانتا کہ محمدؐ اور محمدؐ کا دین اور محمدؐ کا قرآن بھی کبھی دنیا میں آیا تھا۔

مسلمانوں کو حسینؑ اور اس کی تعلیمات کی پوری پیروی کرنا چاہیئے اور اس کے مشن کو زندہ رکھنا چاہیئے حسینؑ کی یادگار جس قدر اہتمام اور کر و فر سے منائی جائے کم ہے۔ یہ وہ حسینؑ ہے جس نے دین خدا کو ابدی زندگی بخشی یہ وہ حسینؑ ہے جس نے ہر مذہب و ملت پر عظیم احسان کیا۔ یہ وہ حسینؑ ہے جس نے انسانیت کو حیوانیت میں تبدیل ہونے سے بچا لیا۔ اس لئے اہل اسلام کا فرض ہے کہ بلا امتیاز گروہ و تفرقہ حسینؑ کے نام کو ابد تک زندہ رکھیں۔ اور یہ بات کبھی نہ بھولیں کہ جو قوم اپنے پیشوا اور رہنما کے نام اور کام کو زندہ نہیں رکھتی وہ ایک دن دنیا سے مٹ جاتی ہے۔

(ڈاکٹر ع مرتش)

(۵)

میں اسلام کی عظیم ترین شخصیت حسینؑ ابن علیؑ کا اسی طرح احترام کرتا ہوں جس طرح مسیحؑ ابن مریمؑ کا حسینؑ ایک بے بہا متاعِ دین تھے انہوں نے کربلا کے تپتے ہوئے ریگزار میں جس شجاعت و بسالت کا اظہار فرمایا ہے۔ اس کی نظیر مشاہیر شجاعانِ عالم کردار میں تو درکنار انبیاءؑ و مرسلینؑ کی پاکیزہ زندگیوں میں بھی نہیں ملتی۔ بے شک ..... محمد الرسول اللہؐ کے نواسے اور شجیع الاشاجع علیؑ ابن ابی طالب کے لخت جگر تھے۔ مگر میدانِ نینوا میں ان کی خداداد قوت بہادر ابن عالم کے جو لوہا منوایا ہے اس مثال نہ دنیا نے کبھی اس سے پیشتر دیکھی اور نہ کبھی سنی نہ آئندہ کبھی دیکھے اور سنے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ میں ایک ایسا جوہر تھا۔ جو خدائے تعالیٰ سوا کوئی کسی کو عطا نہیں کر سکتا۔ اور آپ کا کردار صاف واضح کرتا ہے کہ ان تخلیق اسی نورِ خداوندی سے ہوئی تھی۔ جس نور سے محمدؐ اور علیؑ کو خلقت فرمایا تھا۔ اور اسی لئے محمدؐ رسول اللہ نے آپ کی شان میں فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔

(آر جے ولسن)

(۶)

دنیا کے بے شمار مشہور پہلوانوں، طاقتوروں اور بہادروں کی شجاعت و جوانمردی کے قصے اہل عالم کی نوکِ زبان ہیں۔ لیکن ساتویں صدی مسیحی میں اہل عرب ایک ایسا بہادر ہیرو بھی گزرا ہے جس کے شجاعانہ کارناموں نے جری سے جری اور دلاور سے دلاور انسانوں کو بھی حیرت سے انگلیاں چبانے پر مجبور کر دیا ہے۔

اس جرائت مند دلاور بہادر کا نام نامی حسینؑ ابن علیؑ ہے۔ جو رسول عرب محمد مصطفیٰؐ کا نواسا ہے۔ اس نے اپنے معدودے چند ساتھیوں کے ہمراہ ٹڈی دل دشمنوں کے ساتھ معرکہ آرائی کی۔ اور جب اس کے تمام ساتھی قتل ہو گئے تو یکہ و تنہا اپنے دشمن جان کے لشکر عظیم سے نہایت پامردی کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا۔ اور میدانِ کارزار میں اس نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ اس کی جان بازی و سر فروشی کا ایک حیرت

اور عجیب ترین پہلو یہ بھی ہے کہ اس شجاع اور جری مرد نے نہ صرف اپنے رفقاء و احباء بلکہ اپنے لخت جگر تک خدا کی راہ میں قربان کر دیئے۔ اسلام کے دشمن اس کے دل بندوں کو مولی گاجر کی طرح کاٹتے تھے۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ حسینؑ کے منہ سے اف تک نہ نکلی۔ اس نے آہ سرد تک نہ بھری۔ اور تسلیم و رضا، صبر و سکون، تحمل اور استقلال کا ایک ایسا فقید المثال نمونہ دکھایا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب کے اس ہیرو نے گھر بار لٹا دیا۔ اپنے بچے اور عزیز و اقارب ذبح کرا ڈالے اور اپنا سر بھی کٹوا لیا۔ لیکن نہ تو شیطان کی اطاعت قبول کی اور نہ اپنے دین پر آنچ آنے دی۔ (ریان۔ بے جی۔ ہان)

(۷)

شجاعانِ اسلام میں ایک حیرتناک انسان ایسا بھی ہو گزرا ہے جس کے عظیم الشان کردار نے نامور بہادرانِ عالم کی آنکھیں کھول دیں۔ اسلام تاریخ میں اس بہادر، اس جری، اس شجاع، اس الوالعزم، اس صابر و بردبار، اس جان باز و فداکار، اس عالی ہمم، والا حشم کا اسمِ گرامی سنہری حروف میں حسینؑ ابنِ علیؑ مرقوم ہے۔ اس اکیلے، اس تنہا، اس بے کس و بے بس، اس بے یار و مددگار حسینؑ نے ہزارہا دشمنانِ خدا اور رسولؐ کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اور دنیا والوں کو بتا دیا کہ جس کا کوئی نہیں ہوتا۔ اس کا خدا ہوتا ہے۔ اور جس کا خدا نہیں ہوتا وہ خائب و خاسر، ناکام و نامراد ہو کر رہ جاتا ہے۔ ابد الآباد تک لعنتیں کھاتا اور پھٹکاریں لیتا رہتا ہے۔ لیکن جس کے ساتھ خدا ہوتا ہے وہ قتل ہو کر بھی فتح پاتا اور قیامت تک اس کا پاک نام بلند و رفیع رہتا ہے۔ درحقیقت حسینؑ کی قوتِ بازو میں خدا کی طاقت کام کر رہی تھی۔ اس لئے کہ وہ خدا کا تھا۔ اور خدا اس کا تھا۔ خدا نے اس کو اپنے نور سے پیدا کیا تھا۔ اس نے کربلا میں ہلاک ہو کر اپنے دین ہی کی حفاظت نہیں کی۔ انسانیت کی بھی حفاظت کی۔ اس کی بے مثال قربانیوں نے پچھلے تمام ایثار پیشہ انسانوں کی دلاوریوں اور بہادریوں پر پانی پھیر دیا۔ بہادر باپ کا یہ بہادر فرزند

ہزاروں کے مقابلے میں ایک اور صرف ایک تھا۔ خدا کی بے انتہا رحمتیں نازل ہوں اس شجاع انسان پر جس نے انسانیت کے مرتبہ کو فرش سے اٹھا کر عرش تک پہنچا دیا اور ظلم وستم کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ (وان کروہا)

(۸)

محمدؐ کے باغ رسالت میں ایک پھول کھلا۔ جنت کی خوشبو والا پھول۔ مگر دنیا حریص وحشی اسے دیکھ نہ سکے۔ وہ پھول ابھی شگفتہ بھی نہ ہوا تھا۔ کہ اس کو توڑنے پھوڑنے کی ناپاک تدبیریں ہونے لگیں۔ جب وہ پھول پروان چڑھا۔ تو خدا اور محمدؐ کے ازلی ابدی دشمنوں نے اسے دنیا سے مٹا دینا چاہا۔ اور اس کو برباد کرنے کے لئے طرح طرح کی زہریلی سازشیں گھڑی گئیں۔ آخر اس پھول کو کربلا کے آگ جیسے جلتے ہوئے میدان میں پامال کیا گیا۔ ہاں اس کو بے شک روندا گیا۔ کچلا گیا۔ نیزے پر چڑھایا گیا۔ لیکن اس کی عنبریں خوشبو سے آج بھی دنیا مہک رہی ہے۔ اس کے نانا کا دین اس کی ریحانیت سے آج بھی معطر ہو رہا ہے۔ اور کفر و شرک کی بدبو کو دور کر رہا ہے۔ خدا اور خدا کے رسولؐ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ جو کوئی خلد بریں کے اس لازوال اور بے مثال پھول کی خوشبو سے اپنے قلب و دماغ کو معطر نہ کرے گا۔ اس پر جنت حرام ہوگی۔ اور وہ ہمیشہ جہنم کے ہولناک شعلوں میں جلتا رہے گا۔ (پروفیسر نذر مسیح)

(۹)

اسلام کے سب سے بڑے بہادر اور صابر علیؑ بن ابوطالب کے فرزند ارجمند اور سب سے غیور و جانباز انسان حسینؑ شہید کربلا ہیں۔ جو نینوا کے ریگزار میں اپنے اعزا و اقارب کے ساتھ بری طرح قتل کئے گئے۔ اگرچہ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے خدائے تعالیٰ کے راستے میں قربان ہو گئے۔ یہ ٹھیک ہے انہوں نے اللہ کے دین کو بچاتے ہوئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اور ایسی فدا ری دکھائی۔ کہ جس کا نمونہ دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتا ہے۔ مگر یہ بھی تو ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ نے نہ صرف دین کی خدا کی حفاظت فرمائی اور نہ صرف اپنے مقدس

ناناؑ کے مشن کو زندہ رکھا۔ بلکہ اس کے ساتھ انسانیت کو بھی بہیمیت کا شکار ہونے سے بچا لیا۔ اور اس کو انتہائی عروج پر پہنچایا۔ اگر آپ مذہب اور انسانیت کو محفوظ رکھنے اور سربلند کرنے کے لئے جان نہ دیتے تو آج نہ تو کہیں دین حق کا نشان نظر آتا۔ نہ کہیں انسانیت کا سراغ ملتا۔ حسینؑ وہ مرد مجاہد ہے جس نے اپنا خون بہا دیا۔ گلا کٹوا دیا۔ مگر وہ باطل اور طاغوتیت کے سامنے سرنگوں نہ ہوا۔ درحقیقت حسینؑ کی، داستان مظلومیت لاتعداد اسباق و نصائح سے پر ہے۔ (پس جو شخص مذہب اور انسانیت کو عزیز سمجھتا ہے اور اسے زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ اسے لازم ہے کہ وہ حسینیتؑ کو زندہ رکھے)۔ (الیف۔ سی۔ او۔ ڈونیل)

(۱۰)

کیا دنیا میں کوئی ایسی ہستی بھی گزری ہے؟ جو حق و صداقت کی حمایت میں اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کو لے کر ہزاروں باطل پرستوں کے مقابلے میں نکل کھڑی ہو۔ اور اس نے اپنے دین کی ناموس کو بچانے کے لئے ہر چیز قربان کر دی ہو۔ جس نے اپنے محبوب رفقاء، اپنے عزیز بیٹے، بھتیجے، اور بھانجے راہِ خدا میں قربان کر دیئے ہوں۔ اور پھر جب وہ اکیلا نکل اکیلا رہ گیا ہو۔ تو پھر وہ دشمن کے لشکر جرّار کے ساتھ مردانہ دار اس طرح نبرد آزما رہا ہو کہ اعدائے بد باطن نے بھی اس کی شجاعت و لبالت کو دیکھ کر حیرت سے انگلیاں چبالی ہوں۔ آہ! جب وہ زخموں سے چور ہو کر دشمن کے نرغے میں آ گیا تو نہایت بے رحمی سے اشقیائے نے اس کی گردن کاٹ لی۔ اس کا سر نیزے پر چڑھایا۔ اور اس کی پاک لاش کو گھوڑوں تلے روندا! یقیناً دنیا میں کسی انسان کی زندگی ایسی مثالیں پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ مگر صرف ایک بزرگوار ہستی ایک بے یار و مددگار ذاتِ اقدس: جس نے اپنی حیات پاک میں ایک عجیب و غریب نمونہ دکھایا۔ اور وہ ہے امام، ابن امام حسینؑ رسول اللہؐ کا لاڈلا، علیؑ کا پیارا اور فاطمہؑ کا محبوب فرزند جس نے نینوا کے ریگ زار کو اپنے مقدس لہو سے رنگین کیا۔ اور اپنا سب کچھ لٹا کر اپنے بچے کٹوا کر اور اپنا سر دے کر اپنے نانا کا اور اس کے دین کا نام عرش پر

پر اچھالا ۔ (کرنل ہیری سن)

(۱۱)

وہ بہت ہی بزرگ ہستی ہے، وہ عظیم ترین انسان ہے اس کا کردار محیر العقول ہے اس کی سیرت لاثانی ہے۔ وہ نینوا کا شہید ہے۔ وہ کربلا کا مظلوم ہے اس کی داستان مظلومیت سنی نہیں جا سکتی۔ بلاشبہ وہ ظلم کی کند چھری سے ذبح کیا گیا بلاشبہ اسے بھوکا اور پیاسا مارا گیا۔ ہائے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ جگر پاش پاش ہو جاتا ہے کہ اشقیاء نے اسے کس بیدردی سے اور کس بے رحمی سے مارا۔ اس کے رفیقوں اور اس کے عزیزوں کو کس درندگی سے اور بہیمیت سے قتل کیا گیا۔ خدا اگر چاہتا تو آسمان کے سارے فرشتے بھیج کر اس کی مدد کر سکتا تھا۔ اور اس کے دشمن خدا کی تیغ سے آنکھ جھپکنے میں برباد ہو سکتے تھے۔ مگر اسے تو آزمائش میں ڈالا گیا تھا۔ ایک بہت بڑا امتحان اس سے لیا گیا تھا۔ اور وہ اس میں نہایت شان کے ساتھ بڑے حوصلہ اور صبر کے ساتھ کامیاب ہوا۔ اس نے دنیا والوں کو دکھا دیا کہ تسلیم رضا اس کا نام ہے۔ اور ایثار و قربانی اسے کہتے ہیں معلوم ہے کون تھی یہ بزرگ ہستی۔ یہ حسینؑ ابن علیؑ تھا۔ رسولؐ خدا محمدؐ کا محبوب نواسہ اور فاطمہؑ بتول دختر رسولؐ کا جگر گوشہ جو ساری دنیا کا امام بن کر آیا۔ اور اس کی امامت پر بنی نوعِ انسان جس قدر فخر کرے کم ہے۔ جس قدر شکر کرے تھوڑا ہے۔ تمام عالمِ کون و مکاں کا یہ گزیدہ امام اپنے اندر بے پناہ خدائی قوت رکھتا ہے اور اسی قوت کی بدولت اس نے اکناف عالم کے تمام نفوس کو اپنا والا و شیدا بنا لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج امام مذبوح حسینؑ ابنِ علیؑ کا نام سارے جہان کے لوگ ادب و احترام سے لیتے اور اس کا اسمِ گرامی سن کر تعظیم سے سر جھکا دیتے ہیں۔ (گوشاں فوہو)

(۱۲)

اسلام کے بہادروں نے اہل دنیا کو جس قسم کی شجاعتوں کے لامثال نمونے دکھائے ہیں۔ وہ اپنی جگہ انسانی عقلوں اور فہموں کو گم کر دینے والے ہیں حضرت

مولائے مشکل کشا علیؑ ابن ابو طالبؑ کی شجاعتیں کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ پھر حسینؑ کی بہادریاں اور قربانیاں ایسی نہیں کہ انہیں بھلایا جا سکے۔ کربلا کے خوفناک میدان میں آپ نے جو دلاوری دکھائی ہے اس کی نظیریں نایاب ہیں لیکن آل رسولؐ نے جا بجا اپنے حوصلے و شکیبائی کا پورا پورا ثبوت پیش کیا ہے۔ اہل بیتؑ کے تمام افراد کی بے مثال بہادریاں اور قربانیاں تاریخ میں مذکور ہیں۔ مثلاً یہی دیکھ لو کہ جناب امام حسینؑ کی محترمہ ہمشیرہ بی بی زینبؑ نے اپنے بھائی کی دردناک شہادت کے بعد جس قسم کا صبر و حوصلہ دکھایا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ پھر جب بی بیؑ صاحبہ کو یزید پلید کے روبرو پیش کیا گیا۔ تو انہوں نے اس کے سامنے ایسی جرأت مندانہ برجستہ اور مسکت تقریر فرمائی کہ یزیدؔ اور اس کے جہنمی ساتھی اس کا منہ تکتے رہ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ اسی طرح امام حسینؑ کے صاحبزادے جناب زین العابدینؑ جب قیدی ہو کر یزیدؔ کے سامنے گئے تو وہاں انہوں نے بھی نہایت بے خوفی سے گفتگو فرمائی۔ اور پھر مسجد کوفہ میں انہوں نے جو فیصلہ کن خطبہ دیا تو اس کو سن کر تو یزید ملعون کا پسینہ چھوٹ گیا۔ اور بغاوت و بدنامی کے خطرہ سے اس کا ناپاک چہرہ زرد پڑ گیا۔ تاریخوں میں ایسی بے باکی اور جرأت مندی کے نمونے بالکل ہی نادر و نایاب ہیں۔ (میلا رام فارانی)

(۱۳)

پیغمبر عربی جناب محمدؐ کے لاڈلے نواسے اور خلیفۂ برحق جناب علیؑ کے صاحبزادے حسینؑ کو کربلا کے جنگل میں جس بے دردی اور شقاوت سے مارا گیا اور اس کے عزیزوں اس کے بیٹوں اس کے ساتھیوں کو جس بے رحمی سے ظلم و جفا کی کند چھری کیساتھ ذبح کیا گیا۔ یہ اسلامی تاریخ کا اتنا بڑا سیاہ داغ ہے۔ جو قیامت تک مٹ نہیں سکتا حق تو یہ ہے کہ عداوت و مخاصمت اور قتل و خونریزی کے اس سیاہ داغ کی بنیاد تو اسی وقت رکھی جا چکی تھی۔ جس وقت جناب رسولؐ عربی واصل بحق ہوئے تھے۔ یہ عداوت بڑھتے بڑھتے آخر کار شہادتِ امام حسینؑ پر ختم ہوئی۔ کس قدر

افسوس کا مقام ہے کہ رسولؐ نے حسینؑ کے ناز اٹھائے۔ اور حسن کو جنت کی بادشاہت سونپی گئی۔ اس کو کافروں اور مشرکوں نے نہیں بلکہ کلمہ گو مسلمانوں نے تہ تیغ کر کے اس کا سر نیزے پر چڑھایا۔ یزیدیوں کے بہیمانہ ظلم و ستم کی ایسی مثال تاریخ عالم میں بہت کم ملے گی۔ (ایس گلبرٹ)

(۱۴)

نواسۂ رسولؐ خدا حضرت امام حسینؑ بن علیؑ کا جو المناک واقعہ کربلا میں رونما ہوا۔ وہ اگرچہ یزید نابکار کے ناپاک عہد حکومت میں وقوع پذیر ہوا۔ لیکن امام اور دیگر اہلبیت کی دشمنی کی بنیاد اس وقت رکھی گئی جبکہ ۱۱ھ میں ... صاحب نے رحلت فرمائی۔ اور تنازعہ خلافت عمل میں لا کر غاصبین حقوق ا... نہایت ہی سیاسی چالاکیوں سے حضرت علیؑ کو استحقاق سے محروم کر دیا۔ یکے بعد دیگرے ایسا ہی کیا گیا۔ بعد ازاں حضرت علیؑ کامیاب تو ہو گئے۔ مگر دشمنوں کی زہرناکیاں اور بھی تیز ہو گئیں۔ اور غاصبوں کے پروردہ ایک اور شخص نے علیؑ مرتضیٰ کے مقابلے میں اپنی نام نہاد "امارت" کا اعلان کر دیا۔ بہر حال حسینؑ ابن علیؑ کا دردانگیز اور لرزہ خیز قتل اسی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے۔ جو رسولؐ کی آنکھیں بند ہوتے ہی گھڑی گئی تھی۔ اور جو بڑھتے بڑھتے ان کی شہادت پر ختم ہوئی۔ (سردار جگت سنگھ) باقی پھر۔

"حسینؑ" حقانیتِ اسلام کی اکلوتی دلیل ہے

(عبدالکریم مشتاق)

حسینؑ .... ربِ حسین وجمیل کی قدرت کا ایک نادر شاہکار ہی نہیں بلکہ اس کی قوت واقتدار کی برہان واضح ہیں۔ اس آیت قدیر کی ہمہ گیری سے انکار حد امکان ہی سے خارج ہے۔ یہ وہ پارس ذات ہے کہ جس کا تصور ہی خاک کو سونا بنا دیتا ہے جو بھی اس سے مس ہو گیا اپنی انفرادیت کے اعتبار سے تاریخِ عالم کا ایسا سنہری مقام پا گیا جس کی تابانی ابدالآباد تک قائم رہے گی۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی ہستی ہو گی جس کی ذات پر مختلف مکاتیب فکر نے ہر ممکن زاویۂ نگاہ سے اپنی اپنی استطاعت و فراست کے مطابق اظہارِ خیال کیا ہو۔ اس مظلوم شہید پر دنیا کی ہر زبان میں ہزاروں تصانیف موجود ہیں۔ لاکھوں تقاریر کے ذریعہ اس درخشندہ آفتابِ ہدایت کی ذات بابرکات کے کردار تابندہ کے ہر گوشے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور انسانی معلومات میں ایسا کوئی پہلو نمایاں نظر نہیں آتا ہے کہ جسے اُجاگر نہ کیا گیا ہو۔ نظم ہو یا نثر ذاتِ شبیرؑ بصد انداز زیبائی قرطاسِ عالم پر بہر نوع مرقوم نظر آتی ہے۔ مُقرر و محرّر لاکھ بے بضاعت وجاہل سہی مگر ذاکرینِ حسینؑ میں اپنا نام لکھوانے کی تمنّا اس کے دل میں اُسی طرح ہوتی ہے جس طرح کہ حضرت یوسفؑ کی خریداری کا شوق ایک بے سرو سامان اور مُفلس بی بی کو ہوا تھا۔ یہ بھی کرشمۂ نگاہِ حسینؑ ہے کہ بظاہر بے تاج و تخت، مہتمم لغاوت، بے کس، تشنہ کام، الزام غدّاری میں تہ تیغ کر دیا گیا مگر تمام انسانیت کے دل پر حکومت کر رہا ہے۔ شاہوں، شہنشاہوں، مطلق العنانوں اور مغرور فرماں رواؤں کا کوئی نام بھی نہیں لیتا لیکن اس کرۂ ارض میں ایک سیکنڈ کا ہزارواں حصّہ بھی ایسا نہیں ہے جو ذکرِ حسینؑ سے خالی ہو۔ اللہ جانے اس عظیم ترین انسان میں ایسی زبردست کشش اور مقناطیسی قوت کیوں ہے کہ جس قدر اس کے تذکرے پہ پابندی لگائی جاتی ہے یہ اس سے کئی گنا تیزی و سُرعت سے اُبھرتا ہے قلم خود بخود کھنچے چلے

دیکھنے میں تو امام حسین علیہ السلام عالم غربت میں چند افراد والی صفات کے ساتھ ریگستان میں گشتہ دکھائی دیتے ہیں اور ایسے مجبور و بے بس نظر آتے ہیں کہ دو ہاتھ زمین کو بھی میسر نہیں مگر اس قلیل سی اللہ والی جماعت کے خون میں قوت و حرارت کا یہ عالم ہے کہ صدیوں سے اپنی حرمت و عظمت اور عصمت و کا تحفظ کر رہے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ریگستان کربلا میں اپنے عزم و استقلال کا سنگ ظلم پر وہ نشان ثبت فرما دیا ہے جسے محو کرنا ممکن ہی نہیں۔ امام حسین علیہ السلام اور ان کے رفقاء کرام کے خون رنگین کی خوشبو کائنات میں یوں بکھر گئی ہے کہ ناموس انسانیت کے تمام محافظوں کے دلوں میں رچ بس چکی ہے۔ اس خوشگوار خوشبو کے جھونکوں نے کامل انسان کو اس قدر مسرور کر دیا ہے کہ وہ حسین کی عظمت و محبت، مودت و عقیدت کے ان پھولوں کی خوشبو سونگھ لینے کے بعد جنت کی خوشبوؤں سے بھی بے نیاز نظر آتا ہے اور ولائے حسینؑ کی شراب کی مستی میں اسے شراب طہور کا نشہ بھی بے سرور معلوم ہوتا ہے۔ تلوار یزید نے یوں تو حسینؑ کا سر قلم کروا دیا مگر آپ کی عظمت کا سر بلند ہو گیا اور خود یزید نے سر اقدس کو برہنہ حالت میں نیزہ پر بلند کر کے اعتراف بالعمل کیا کہ سرفراز بھی مظلوم ہے۔ ہر دور کا یزید اپنی عسکری قوت سمیت سرنگوں نظر آتا ہے۔

مشاہدہ اس بات کا گواہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر تمام دنیا مل کر بھی امام مظلومؑ کی مخالفت میں کمر بستہ ہو جائے تو بھی خون حسینؑ کے رنگ و نور کو آنچ نہیں آ سکتی۔ اس کے برعکس اگر تمام کائنات ذکر حسینؑ میں حسن عقیدت کا رنگ بھرنا چاہے تو اس نور الہدیٰ کی ذاتی، حسن و رعنائی اور جمال صفائی میں رتی بھر اضافہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ امام عالی مقامؑ سید الشہداء فضیلت و عظمت، سربلندی و افتخار کے جس مینارۂ نور پر ضو افشانی فرما رہے ہیں وہاں تک معاندین کی گذر تو کجا مخلصین و محبین کی بھی رسائی ناممکن ہے۔ لیکن پھر بھی حسینؑ "ہر فرزند آدم کا موضوع بن چکے ہیں۔ اس لئے کہ "حق و صداقت" ہر ذی نفس کی فطری ضرورت ہے جس کا انکار محال ہے۔ خواہ کوئی فاسق ہو یا زاہد "حق و صداقت" کا معتقد ضرور ہو گا ———

انسانی تاریخ میں حق و صداقت پر مٹنے والوں کے تذکرے کثیر تعداد میں ملتے ہیں ۔ یہ الگ بحث ہے کہ حق و صداقت کیا ہے؟ فاتح حق پر رہا یا مفتوح، اکثریت نے حق کا ساتھ دیا یا اقلیت نے؟ حق کی شکل ہر زمانہ میں ایک ہی رہی ہے یا حوادثات و تغیرات نے حق و صداقت کو بھی ادوار کے تابع رکھا ہے؟ قطع نظر ان مباحثوں کے یہ قدر مشترک دوامی حیثیت رکھتی ہے کہ صداقت و حق کی کوئی بھی تعریف کی جائے، کیسی ہی تاویل و تشریح وضع کرلی جائے، فاتحین، جارحین اور مفتوحین و مظلومین کا امتیاز روا رکھنا پڑے گا۔ حق و صداقت انسانیت کی مشترکہ دولت ہے۔ اسے ملکوں، قوموں، صوبوں اور نسلوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن سرکش و مغرور سلاطین نے اس دولت پر بھی لشکر کشی سے دریغ نہیں کیا۔ اس متاع کو لوٹنے کی انتھک کوشش ہوئی مگر ایک پائی بھی ہاتھ نہ آئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس جارحیت کے بعد حق و صداقت اور حکومت کا آپس میں میل نہ ہوسکا حکومت اب تک کسی نہ کسی صورت میں استحصال کا نام رہی ہے۔ اگر یہ استحصال ختم ہو جائے تو صداقت و حق از خود ابھر آتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ خدا کے علاوہ کسی کو کسی پر حکومت کا حق نہیں ہے۔ کسی کو نسلی اعتبار سے فوقیت نہیں ہے۔ کسی کو کسی پر معاشی برتری کے ذریعے پیدا کرنے اور اسے استعمال کرنے لانے کا حق نہیں ہے۔ اسی طرح کے مسائل سوچے جائیں تو تاریخی اعتبار سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہزاروں برس سے انسانوں کی کثیر تعداد نے ایسے مسائل سے دوچار رہی ہے جن کو چند افراد نے بزور طاقت کچل دیا۔ اب ظاہر ہے کہ انسان ابتدا ہی سے معاشرتی و معاشی عدل کا طالب گار رہا ہے لہذا طالبین کا رابطہ حق و صداقت کے ساتھ رہا اور مزاحمین نے اختلاف حق و صداقت کی راہ اختیار کی۔ جس کے باعث فضائے کرۂ ارض مکدر رہی اور آواز حق کو خون آشام تلواروں سے دبایا جاتا رہا۔ یعنی پوری انسانی جدوجہد حق و صداقت کے محور پر مدار رکھتی ہے۔ اور جب ہم "سانحہ کربلا" کو سامنے لاتے ہیں تو یہ حقیقت اٹل ثابت ہوتی ہے کہ حسین علیہ السلام حق و صداقت کا حسین نام ہے۔ اور اس حق و صداقت کے خلاف کثیر فوجوں سے حملہ کرنے والے اور روند ڈالنے والے کا نام یزید ملعون ہے۔

واقعات کربلا پر خامہ فرسائی فرمانے والے اہل قلم حق و صداقت کی موافق و مخالف طاقتوں کا جائزہ لیتے ہیں وہ ان تاریخی عوامل کو پیش کرتے ہیں جن کی بنا پر انسانی نسل فاتح و مفتوح، ظالم و مظلوم میں تقسیم ہوتی رہی ہے۔ "کربلا" ان کے لئے کوئی ایسی تاریخ نہیں جو ایک خاص عہد یا مخصوص دور میں ختم ہو گئی ہو۔ کربلا مسلسل تاریخ ہے اور حسینؑ ایک مسلسل صداقت، مظلومیت کی جاری و روان داستان، انسانیت کی زخم خوردہ، پرتاثیر، دلشگاف صدا جو ہر دور میں خوابیدہ انسانوں کو جھنجوڑ کر بیدار کرتی ہے۔

شہادت حسین ایک حقیقی معیار ہے، ایسا معیار جس کو سامنے رکھ کر حق و باطل اور کفر و ایمان، صدق و کذب کا امتیاز کیا جا سکے۔ ایک ترازو ہے جس میں بغض و عداوت اور محبت و مودت کا وزن کیا جا سکے۔ ایک میزان ہے جس پر اعمال و افعال کو تولا جا سکے۔ ایک کسوٹی ہے جس پر نیکی و بدی کی شناخت کی جا سکے۔

پس اگر کوئی بدبخت مبغوض و معضوب رحمت خداوندی سے دور رہنا چاہے تو وہ حسین کو بھلا دے لیکن جو رحمت خداوندی کے سایہ میں رحمت للعالمین کی شفاعت کے سایہ میں رہنا چاہے تو حسینؑ سے محبت و عقیدت کا سمندر اس کے سینے میں از خود ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ یہ معیار کسی دنیادار، منطقی، فلسفی کا قائم کیا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ چیز قرآن و حدیث سے منصوص ہے۔

کلمہ گو مسلمان کے لئے امام حسین علیہ السلام کا یہ تعارف ہی عظمت و فضیلت کے لئے کافی ہے کہ آپ کے نانا سید الانبیاؐ، نانی خدیجۃ الکبریٰ ملیکۃ العرب، والد سید الاولیا، والدہ سیدۃ النساء، خود سید الشہداء، نبی کا نور، حیدر کا خون، شیر بتول جنت کے جوانوں کے جوانوں کے سردار، جمال مصطفےٰ کا نظارہ، کمال مرتضیٰ کا آئینہ خدا کا عکس حسین حسینؑ ہیں۔

یہ تمام اعزازات و فضائل اور لاتحصیٰ مناقب اپنی جگہ بجا ہیں۔ کتب اسلامیہ اور غیر اسلامیہ ان جواہرات سے آبدار و منور ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر حسین کو بالفرض محال

اسلام سے نکال لیا جائے تو اس کی اکمل و عالمگیر دین ثابت کرنے کے لئے کوئی تسلی بخش دلیل باقی نہیں بچتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صفحہ ہستی پر باطل نے خود کو حق پر ثابت کرنے کے لئے انسانوں کو خدا بنا کر کھڑا کر دیا۔ اور وجود حق یعنی موجود گی خدا میں دعویٰ خدائی ہوتا رہا، توحید پامال کی گئی۔ مگر خدا ڈھیل دیتا رہا۔ جھوٹے نبی بن گئے۔ رسالت کے دعویداروں کے فتنے اٹھتے رہے۔ لوگوں کو علی تک بن جانے کا شوق ہوا۔ مہدی کاذب پیدا ہوتے رہے سب کچھ ہوئے مگر آج تک کسی نے ”حسین“ یا ”نظیر حسین“ ہونے کا دعویٰ نہ کیا۔ کیوں کہ حسین سا عزم و استقلال نصیب ہونا ممکن نہیں ہے۔ جب کبھی مخالف اسلام اپنے اختیار کردہ مسلک کو اسلام پر فوقیت دیتا ہے تو مسلم کے پاس ذات حسین وہ ہتھیار ہے جو ڈھال بھی ثابت ہوتی ہے اور آلۂ حرب و اوزارِ حفاظت بھی۔ ہم نے اس مضمون کا عنوان ”حسین حقانیت اسلام کی اکلوتی دلیل ہے“ قرار دیا ہے۔ یہ جملہ محض عقیدت کا حسن یا مذہبی لگاؤ کی عکاسی پر انحصار نہیں کرتا ہے بلکہ محقق و ثابت شدہ صداقت ہے اور ہم تمام عالم کو یہ چیلنج کرتے ہیں کہ فی الحقیقت اسلام کے دامن میں ”حسین“ کے علاوہ اور کوئی ایسی مستحکم دلیل موجود نہیں ہے جو اس دین حقہ کی صداقت میں پیش کی جا سکے کہ ہر نکتۂ نگاہ سے کافی، تسلی بخش اور تشفی کن ثابت ہو۔

ادیان و مذاہب کا تعلق وحی و الہام سے ہوتا ہے اور ہر مذہب و دین کے عقائد و ارکان، اصول و فروع کا انحصار شارع کی تعلیم پر قائم ہوتا ہے۔ لادینی رجحانات خدا، وحی، الہام، نبوت و رسالت و امامت کے الفاظ سننا بھی تضیع اوقات خیال کرتے ہیں۔ لہذا تمام علمی دلائل ان کے لئے ایسے ہی ثابت ہوتے ہیں جیسے بھینس کے آگے بین بجا دی جائے۔ لیکن جب یہ کہا جائے کہ ”حسین علیہ السلام“ مبلغ اسلام تھے۔ ان کی شہادت کا مقصد ہی اسلام کو حق ثابت کرنا تھا تو جب ہم واقعات کربلا دیکھتے ہیں تو وہ ہجوم واقعات نظر آتا ہے جو قدم قدم پر تصدیق کرتا ہے کہ اگر اسلام دین حقیقی

نہ ہوتا اور بنی ہاشم نے محض حکومت اور اقتدار کا ڈھونگ رچایا ہوتا تو اس قدر مصائب کے پہاڑ امام حسین علیہ السلام اپنے سر مبارک پر نہ اٹھاتے۔

انسانی فطرت ہے کہ وہ جھوٹ کے لئے ناقابل برداشت تکالیف اٹھانا گوارہ نہیں کرتا ہے بلکہ اکثر سچ کے لئے بھی صبر واستقامت کے پاؤں میں لغزش آجاتی ہے۔ حسین علیہ السلام کا جہاد صرف اس لئے تھا کہ سرندی ٹولا اسلام کی صورت علانیہ مسخ کر رہا تھا اور سرعام منہیات شرعیہ کو رواج دیا جا رہا تھا۔ فسق و فجور کے سیاہ بادلوں کی گھٹاؤں نے آفتاب اسلام کا چہرہ چھپا دیا تھا۔ لہٰذا امام مظلوم حفاظت دین کے لئے میدان میں اتر آئے۔ بھوک کی سختیاں، پیاس کی تلخیاں، مال و دولت کا ضیاع، سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ایک ایک ساتھی کی قربانی پیش کی۔ پورا دن لاشیں ڈھوتے رہے۔ عباسؑ جیسے بھائی جن کے بغیر آپ کی کمر سیدھی نظر نہ آئی راہ حق میں دیدئے۔ اکبر کی جوانی لٹا دی۔ عون و محمد کا صدقہ ہوا، قاسم کی لاش کی پامالی منظور کرلی۔ حبیب و زہیر جیسے احباب کا فدیہ دینا قبول کیا۔ اصغر کا نذرانہ بھی دینے سے دریغ نہ کیا۔ مال، اولاد، احباب سب کچھ لٹا دیا۔ مخدّرات کی اسیری کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ اپنی جان عزیز بھی سجدۂ شکرانہ میں نذر الہٰی کر دی۔ کلّہم مصائب ایک ہی وقت میں برداشت کئے مگر حق وصداقت پر آنچ نہ آنے دی۔ ظلم کی تمام آندھیوں، ستم کے تمام طوفانوں، تعدّی کے دیو قامت پہاڑوں اور آلام کے تیز و تند موجوں کا اس جواں مردی، بلند حوصلگی اور صبر جمیل سے مقابلہ کیا کہ باطل نے کھسیانہ ہو کر اعتراف کیا کہ حق غالب آگیا ہے۔

اگر حسین کا دین سچا نہ ہوتا تو محض ان کی ایک جنبش لب انھیں ان سب حوادثات سے محفوظ رکھ سکتی تھی۔ ان کو اگر اقتدار کی بھوک ہوتی تو دربار شام میں سودابازی کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔ اگر امارت برائے حکومت ہوتی تو اپنی فوج

کو ساتھ چھوڑنے کا مشورہ نہ دیتے بجائے لشکر جمع کرنے کی تدبیر اختیار کرتے۔ اگر کوئی ذاتی بغض و عناد ہوتا تو مستورات اور بچگان کو عالم دربدری کی صعوبت سے بچا کے رکھتے۔

اسلام اگر جھوٹا دین ہوتا تو محض جھوٹی ضد پر بچوں اور اولاد کو بھینٹ نہ چڑھایا جاتا۔ پھر یک لخت بھی نہیں بلکہ باری باری ایک، دو، تین، چار کٹتے تو فوج اشقیا کا انبوہ کثیر دیکھ کر عقل ظاہری ضرور یہ مشورہ دیتی کہ محض ہٹ دھرمی وضد کی خاطر بچے، بھائی، احباب اور انصار کو کیوں کٹوا رہے ہو۔ بس جو ہوا سو ہوا، جو بچ گئے ان کو زندہ رہنے دو اور خود بھی جان بچا لو۔ ہتھیار ڈال دو۔ لیکن ایسا ہرگز نہ ہوا۔

اس صبر و تسلیم و رضا سے بھرپور کردار حسین کی روشنی میں ہم یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ امام حسین حقانیت اسلام کی اکلوتی دلیل ہیں۔ ورنہ دنیا کی کوئی ایک ایسی ہستی پیش کر دی جائے جو اپنے موقف پر اس قدر مضبوط اور راسخ ثابت ہو سکے۔ تمام انبیائے کرام کے انفرادی مصائب، تمام اولیاء کو پیش آنے والی تکالیف یکجا ہو کر ایک ہی وقت میں حسین مظلوم کے سامنے ہیں۔ مگر یہ پیکر حریت ناموس انسانیت، کوہ عزم مصمم، سراپا صبر امامؑ سختی خندہ پیشانی سے برداشت کر رہا ہے اور جوں جوں آلام میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے توں توں اس پائے استقامت میں استحکام دوامی بڑھ رہا ہے اور ہر مصیبت پر شکر بجا لا کر آیندہ خطرہ کے استحصال کھلے ہاتھوں سے کر رہا ہے۔

الغرض یہ بات موت سے بھی یقینی ہے کہ دنیا نہ ہی ماضی میں کوئی مثل حسین شخصیت پیش کر سکتی ہے اور نہ حال و مستقبل میں۔

کیوں کہ حسین کی مثال وہی ہو سکے گا جو آزمائش کربلا کے معیار پر پورا

اتر سکے گا۔

اور یہ ناممکن ہے کیونکہ مال، اولاد و جان سب کو پیاری ہوتی ہے۔ پیاس کوئی بھی برداشت کرنا پسند نہیں کرتا۔ پردہ سب کو عزیز ہے۔ حرم کی عزت سب کو عزیز ہے۔

لہذا حسین "حسین" ہے۔ جو حق پر مرمٹا اور ایسا زندہ ہے کہ لوح زمان و مکان پر اس کا نام ہمیشہ تابندہ و پائندہ ہے۔ وہ چہرخ دین کا مہر درخشندہ ہے اس نے ظلم سے نپٹنے کی توانائی مظلوموں میں تقسیم کر دی ہے اور مظلوموں کو حق و صداقت کا نعرہ سکھا دیا ہے۔

مظلوم امام نے دنیا میں شہادت کا ایسا دروازہ کھول دیا ہے جس پر جھکا ہوا سر کٹ کر بھی اونچا ہی رہتا ہے۔ امام نے شکست کے مفہوم کو معنی ظفریابی میں اس طرح منتقل کر دیا ہے کہ مظلوم کشتہ تیغِ ستم ہو کر بھی فاتح ہوتا ہے۔
یعنی حسین، امام حسین علیہ السّلام وہ ہستی ہیں کہ

جس نے دکھلا دیا دنیا کو صداقت کیا ہے
جس نے منوالیا کردار کی طاقت کیا ہے
اس صداقت کے حسین پیکر پر لاکھوں سلام

گروہِ ملائک میں حسینؑ کا ماتم

(مترجمہ عالی جناب پروفیسر اکبر علی صاحب ایم اے)

ایف جی گولڈ ملک انگلستان کے مشہور و معروف اخلاقین میں سے ہیں۔ آپ نے اخلاقیات پر بہت سی کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ یوتھ لویل پاتھ آپ کی معرکتہ الا رالتصنیف ہے۔ یہی وہ مستند کتاب ہے۔ جسے انگلستان کی انجمن الاخلاق کے سکریٹری ہیرلڈ جالنن صاحب نے لندن میں طبع کرا کے شائع کیا ہے۔

ایف جی گولڈ موصوف اسی کتاب یوتھ لویل پاتھ کے صفحہ ۲۰۶ پر تمدن کے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ انسان دراصل بدن الطبع واقع ہوا ہے۔ وہ تنہا رہنا پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ انسان کے باہمی تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کو سمجھانے کے لئے آپ نے بہت سی مثالیں بھی دی ہیں منجملہ ان کے ایک حسب ذیل ہے اصل عبارت کا لفظی ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اسی طرح بہادر حسینؑ بھی مدنی الطبع تھے۔ دریائے فرات کے کنارے کربلا کے چٹیل میدان میں حسینؑ کے تمام عزیز و انصار جام شہادت نوش کئے ہوئے پڑے تھے۔ امام حسینؑ یکہ و تنہا کھڑے تھے آپ کی مخدرات عصمت سیاہ لباس پہنے شہداء کے لئے رو رہی تھیں۔ ملائکہ سماوات نے حسینؑ کو اس مصیبت میں دیکھ کر خدا سے فریاد کی۔ ان میں سے ایک نے عرض کی اے خدا دیکھ حسینؑ کیسا اکیلا کھڑا ہے دوسرے نے کہا کہ اے خدا دیکھ حسینؑ تیرے نبیؐ کے نواسے کے لشکر میں اب سوائے گریاں مخدرات کے کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ اس مضطرب و پریشان و گریاں گروہ کے پاس حضرت جبرائیل آئے اور کہا۔

اے گروہ ملائک! تم نے کیوں اس قدر زار و قطار رو رہے ہو؟ فطرس فرشتہ نے جواب دیا۔ اے بھائی جبرائیل! حسینؑ اکیلے میدان کربلا میں برچھے کے سہارے کھڑے

ہوئے ہیں۔ اور مقتول ساتھیوں کے لئے رو رہے ہیں۔ اور دیکھو آپ کے مخدرات سب کالے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ آؤ ہم سب مل کر ان کی نصرت کے لئے چلیں۔

حضرت جبرائیل نے کہا۔ جاؤ!

پس فطرس اس دنیا میں اڑ کر آیا۔ اور میدان کربلا میں پہنچ کر اس نے حسینؑ سے عرض کی اے حسینؑ آپ کی آواز استغاثہ آسمان تک پہنچی۔ اور میں آپ کی نصرت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اگر آپ اذن وغا دیں۔ تو میں زمین کربلا کو ہلا دوں اور ان دشمنوں کو ختم کر دوں۔

میں اپنے دشمنوں سے قصاص لینا نہیں چاہتا۔ مظلوم حسینؑ نے جواب دیا۔

کیا مجھے اپنی طرف سے جہاد کرنے کی اجازت دیں گے۔ فطرس فرشتہ نے عرض کیا۔

حسینؑ نے یہ سنکر فطرس سے فرمایا کہ۔

آؤ! میرے ساتھ اور قتل گاہ پر نظر کرو۔ دیکھو! میرے دل کے ٹکرے سب کے سب ذبح کئے ہوئے پڑے ہیں۔ دیکھو یہ میرا گلستان ہے جس میں تمام گلاب توڑ لئے گئے ہیں

فطرس نے یہ سن کر کہا۔

تب اے حسینؑ! ہم سب کو اجازت دیجئے کہ ہم سب اپنے پروں سے ان سب کو ہلاک کریں۔

حسینؑ نے جواب دیا۔

نہیں فطرس یہ کرنا۔ اگر مشرق و مغرب کے تمام ملکوں کی بادشاہت کا تاج میرے سر پہ رکھ دے۔ اگر سکندر اعظم ایسے بادشاہ میرے تابع و مطیع ہوں اور سلیمانؑ پیغمبر میرے دربانی کریں تب بھی زندہ رہنا پسند نہ کروں گا۔ تاج شاہی مجھے سر پر آگ کی انگیٹھی معلوم ہو۔ ہاں فطرس میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ لیکن میرے دل پر انصار کے بچھڑنے کا زیادہ اثر ہے۔ بہ لسنبت دشمنوں پر غصہ کا اور انصاف یہ چاہتا ہے کہ ان پر ویسی ضربیں پڑیں جیسی کہ میرے ہاتھ مار سکیں۔

قارئین کرام! حسینؑ کس کے بیٹے ہیں۔؟ اسی کے جس نے اس قوی ہیکل پہلوان کو زیر کیا تھا۔ جس کے رعب سے اسلام کے بڑے بڑے نام نہاد فاتحین لرزہ براندام تھے

لیکن جب اس نے لعاب دہن سے بے ادبی کی تو آپ اس کو چھوڑ کر ہٹ گئے۔ کیونکہ آپ کو غصہ آگیا تھا اور غصہ میں نفس کی شراکت تھی۔

ہاں بیٹا وہی بیٹا ہے جو قدم بہ قدم باپ پے ہو۔ جیسے حضرت علیؑ نے راہ خدا میں جہاد کیا اسی طرح ان کے فرزند امام حسینؑ نے راہ خدا میں اپنی اور اپنے تمام اعزہ اور انصار کی جانیں قربان کیں۔

خوش نصیب ہے وہ جوان کے مصائب سن کر اپنے نامۂ عمل کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کے اوراق معصیت کے کارناموں کو سیاہ دیکھ کر شرم کے آنسو بہاتا ہے اور دل میں ٹھان لیتا ہے کہ بس آج سے میں معصیت کے پاس نہ جاؤں گا ظلم وجور سے مطلب نہ رکھوں گا۔ بے رحمی اور غداری و بے ایمانی وغیرہ سب کو ترک کر کے حسینؑ علیہ السلام کا سچا پیرو اور سچا ماننے والا بنوں گا۔

اگر تم کو واقعی حسینؑ کی سچی محبت ہے۔ تو بس وہی کام کرو جس سے امام حسینؑ خوش ہوں حسینؑ نے خنجر کی دھار کے نیچے نماز پڑھی۔ اے حسینؑ کے چاہنے والو! اے مظلوم کربلا پر ماتم کرنے والو اور رونے والو! تمہاری سچی محبت کا پہلا ثبوت یہ ہونا چاہیئے کہ جس شجر اسلام کی آبیاری امام حسینؑ نے اپنے اور اپنے دل کے ٹکڑوں کے خون سے کی ہے۔ تم کم از کم اس کی اپنے پسینہ سے کرتے رہو۔ یاد رکھو یہ تمہارا ہی ایمان اور محبت ہے۔

آلِ رسولؐ کے غم میں جناتوں کی عورتیں بھی روتی ہیں

"یہ کسی حورؑ کی آواز تھی یا جنیہؑ کی؟" (سردار علی صابری)

جناب رئیس امروہوی مسلسل ہر اتوار کو اپنے ایک کالم میں مختلف لوگوں کی آپ بیتیاں اور ان پر گزرے ہوئے سچے واقعات تحریر فرماتے ہیں تاکہ عوام اور خواص اس واقعہ سے کچھ نہ کچھ سبق حاصل کر سکیں۔ ابھی حال ہی میں آپ نے اپنے مخصوص کالم میں (مورخہ ۴ نومبر ۱۹۷۹ء روزنامہ جنگ کراچی) مشہور صحافی اور روحانی پیشوا جناب سردار علی صابری کا ایک دل سوز مضمون بسلسلہ شہادت فرزندان جناب مسلمؑ ابن عقیل شائع کیا جن کو دریا کے کنارے وطن سے دور ظالم یزیدیوں نے قتل کر دیا تھا۔ ان کا قتل ایک ایسا افسوسناک واقعہ تھا جسے سُن کر اور یاد کر کے انسان تو انسان حوریں اور جنیہؑ تک اب بھی روتے ہیں۔ اس واقعۂ جانکاہ کے تاثرات نے قلب انسانی کو تڑپا دیا ہے۔ اور دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

ایک مشہور زمانہ صحافی جس کے قلم سے پُرسوز، پُر درد اور حیرت انگیز سچے واقعات کتنے ہی نکل چکے ہوں گے اور ان واقعات نے کچھ نہ کچھ اثر ضرور ان کے ذہن پر چھوڑا ہوگا لیکن، واہ رے حسینؑ تم کو اور تمہاری آل پاک کو تمہارے نانا کی اُمت نے جو جو اذیتیں دیں اور تکلیفیں پہنچائیں تم نے صبر کیا اور بالآخر ظالموں نے تین دن کا بھوکا پیاسا انتہائی بے دردی سے تم کو اور تمہاری آل پاکؑ کو ذبح کر دیا۔ ان دردانگیز واقعات کو آج تک انسان تو انسان جنات بھی یاد کرتے ہیں۔ اور اُن کے دل تڑپ اُٹھتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک واقعہ مشہور صحافی جناب سردار علی صابری کی زبانی سُنیئے!

برگزیدہ صحافی برادر معظم و محترم جناب علی صابری لکھتے ہیں کہ "میں نے تصوف و روحانیت کی آغوش میں پرورش پائی۔ طالب علمی کے زمانہ میں متاثر ہوا تھا

تو مسز اینی بیسنٹ کے تھیوسوفیکل ہائی اسکول کی تعلیم سے! جہاں درسی کتابوں سے کہیں زیادہ زور دیا جاتا تھا یا پوشاک کی انتہائی صفائی اور مخصوص ہندو فلسفے سے تعلق رکھنے والی استغراقیات پر (مثلاً تناسخ۔ کثیف جسم کے گرد لوٹرانی حلقہ۔ عالمِ ارواح میں سیر کرنے والی ہستیاں۔ روحانی نظاروں اور روحانی آوازوں کو مادی آنکھوں اور کانوں سے دیکھنا اور سننا وغیرہ) ظاہر ہے کہ پرورش و تعلیم کے لئے ایسے ماحول میں ایک سولہ لڑکے کو وظائف و عملیات کا بھی شوق ہوگا اور ٹیلی پیتھی سائیکومیٹری شیشہ بینی۔ سورج بینی اور بلانچٹ یا میز پر روحوں کو بلانے کی مشقوں کا بھی! چنانچہ یہ خاکسار بھی عہدِ شباب تک ان تمام مراحل سے گزرا۔ اور تھوڑی بہت کامیابی بھی ہوئی (بشرطیکہ اس کو کامیابی کہا جائے۔) اللہ ہی جانے؟ کتنی جھوٹی اور سچی روحوں کو دیکھا۔ جانے کتنے جھوٹے اور سچے پیغامات بھیجے اور وصول کئے نئے نئے نظارے دیکھے عجیب و غریب آوازیں سنیں لیکن جب عقل کے ناخن لئے تو ان تمام کرشموں یا مشقوں کے نتائج دیکھ کر کئی کئی گھنٹے تک قلب کی یکسوئی۔ قوت متخیلہ کے ارتکاز یا تحت شعوری دماغ کی کارفرمائیوں کا ماحصل سمجھا ہر فوق الفطرت نظارے یا آواز کی سختی سے تاویل کی اور اس کا خیال دل سے نکالنے کی پوری کوشش کی لیکن اتنی زندگی میں ایک خواب ایسا ہے اور صرف ایک آواز ایسی ہے جس کی میں سالہا سال کی کوشش کے باوجود تاویل نہ کر سکا۔ میں آج صرف آواز کا ذکر کر رہا ہوں جو کم و بیش چالیس۴۰ بیالیس۴۲ سال سے میرے کانوں میں اسی پُر اسرار ترنم سے گونجتی روح کو لرزا دیتی اور دل کو تڑپا دیتی ہے۔

رئیس صاحب! آپ سے، آپ کے وسیع حلقۂ احباب سے! آپ کے قارئین سے یہ سوال پوچھنے پر مجبور رہوں کہ میری اس خلش کو مٹاؤ اور خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ یہ کسی حورِ بہشت کی نوحہ خوانی تھی یا کسی پُر اسرار مخلوق جنیہ وغیرہ کی! میں روحانی نوعیت کے رازوں کو افشا کرنا پسند نہیں کرتا چنانچہ چالیس۴۰ بیالیس۴۲ برس تک یہ راز سینے میں رکھا لیکن اب ایمان و ضمیر کی خلش بہت بے چین کر رہی ہے میں زندگی کی اس منزل میں داخل ہو چکا ہوں جہاں موت کے قدموں کی تیز تیز چاپ سنائی دیتی ہے میں اہم ترین نوعیت کے اس راز کو اپنے ساتھ قبر میں لے جانا نہیں چاہتا

غالباً ۱۹۳۸ء کا زمانہ تھا اور مارچ یا اپریل کا مہینہ! کانپور میں ساتویں محرم کو ایک رشتہ دار کے بچّے کی منت بڑھتی تھی جس میں شرکت کے لئے مجھے بہت اصرار سے مدعو کیا گیا تھا میں دلی سے چھٹی محرم کی رات کو کلکتہ میل سے روانہ ہو کر ساتویں محرم کو علی الصباح کانپور پہنچا اہلیہ اور دونوں بچے ساتھ تھے کانپور میں اپنے چھوٹے بھائی میاں عبدالعزیز (جواب ماشاءاللہ تمام سلاسل تصوف میں صاحب اجازت و صاحب نسبت بزرگ ہیں) کے یہاں مقیم ہوا - دوپہر سے پہلے میری والدہ مرحومہ اپنی بہو (مسز صابری) اور گھر کے تمام دیگر افراد کے ساتھ انتظامات کے سلسلے میں میزبان رشتہ دار کے ہاں تشریف لے جا چکی تھیں میں مکان میں بالکل تنہا تھا اور سہری پر لیٹا اخبارات پڑھ رہا تھا کسی ضرورت سے اُٹھ کر یک درے کی جانب بڑھا تو اچانک میرے کانوں میں صاف بالکل صاف آواز آئی -

تھے جو مسلمؑ کی آنکھوں کے تارے
ہو گئے قتل دریا کنارے

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں نے اپنی اتنی زندگی میں ایسی دلکش ایسی سریلی ایسی خوبصورت اور ایسی دردانگیز آواز نہ کبھی پہلے سُنی تھی نہ آج تک سُنی! حالانکہ میں نے لکھنؤ، کانپور، اور دلی وغیرہ میں متعدد بہترین و مشہور ترین گانے والیوں کے گانے بھی سُنے ہیں اور سلام و نوحے بھی! خدا کی قسم یہ آواز کسی خاتون کی آواز عجیب و غریب نوعیت کی تھی۔ اس کی مثال کس چیز سے دوں؟ عالم قدس سے تعلق رکھنے والی ان دیکھی حقیقتوں کو دنیوی چیزوں سے مثال دی جاتی ہے کہنے کو تو میں بھی کہہ دوں کہ یہ پراسرار آواز ٹیلیفون کی آواز سے ملتی جلتی تھی مگر نہیں ہرگز نہیں کہاں ٹیلیفون کی آواز اور کہاں یہ صدائے دلنواز! جو یقیناً کسی انسان کے حلق سے نکلی ہوئی نہ تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دلکش ترین اور دردانگیز ترین آواز سینکڑوں میل نہیں ہزاروں میل کے فاصلے سے ہوا کے دوش پر لہراتی چلی آرہی ہے۔ عرض کر چکا ہوں کہ روحانیت اور اشراقیات سے گہری دلچسپی کے باوجود میری مزاج میں شک کا مادّہ بہت ہے اور میں ہر اس چیز کی تاویل پر تیار رہتا ہوں جس کا تعلق خرق عادات (سپر نارمل) یعنی

فوق الفطرت یا تحت شعوری دماغ سے ہو چنانچہ اس تحقیق کے باوجود کہ عجیب و غریب نوعیت کی یہ دلکش و دردانگیز آواز کسی ایسی مخلوق کے حلقوم کی آواز نہیں ہو سکتی جس کا تعلق بنی نوع انسان سے ہو۔ میں نے بار بار زینہ کی طرف جھانکا۔ مکان کے ایک ایک گوشہ کا جائزہ لیا جو بالکل سنسنان پڑا تھا اور وہاں میرے سوا کوئی دوسرا شخص نہ تھا نیز مکان کا محل وقوع کچھ ایسا تھا کہ اس سے ملحق یا بالعید حدِّ سماعت کے فاصلے تک کوئی دوسرا مکان نہ تھا میں سر پکڑ کر بستر پر گر پڑا۔ اور دیر تک نہ جانے کتنی دیر تک سوچتا رہا کہ سید الشہداء امام مظلوم علیہ السلام کے واقعۂ شہادت کے سلسلے میں معجزانہ گواہی کے طور پر یہ کسی جنیہؓ (جن عورت) کی نوحہ خوانی تھی یا کسی حورِ جنتؑ کی!

آج بھی یہ آواز میرے کانوں میں گونج کر دل کو مرتعش اور آنکھوں کو نمناک کر دیتی ہے۔

تھے جو مسلمؑ کی آنکھوں کے تارے
ہو گئے قتل دریا کنارے

جناب سردار علی شمسی ہمارے واجب الاحترام بزرگ ہیں اور رائے اپنا ایمان ہے کہ "گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی"! آنجناب کی خدمت میں عرض ہے کہ از راہِ کرم اپنے تجربات، مشاہدات، تاثرات، اور رموزِ معرفت سے ہمیں محروم نہ رکھیں! وہ کونسا خواب تھا جس کی یاد اب تک مومنوں کے حافظے میں تازہ ہے؟

مولائے کائنات امیر المومنین حضرت **"علیؑ کے فیصلے"** اور تعزیرات اسلامی

نامی کتاب اس دور میں جبکہ نظامِ مصطفےٰ کا نفاذ ہمارا مقصدِ زندگی ہو چکا ہے بڑی جد و جہد سے محمد وصی خاں نے تیار کی ہے اور اس کا مطالعہ ہر خاص و عام کے لئے بہت ضروری ہے۔! مطالعہ فرمائیے!

واقعۂ کربلا کا اثر اردو ادب و دیگر فنون پر

ڈاکٹر اعجاز حسین

امام حسین کو شہادت کے لئے مدینہ سے کربلا جانا پڑا اور شہادت کو ادبی و فنی مرتبہ حاصل کرنے کے لئے عرب و ایران ہوتے ہوئے ہندوستان آنا پڑا۔ عجیب کیا کہ یہ ادبی سفر اس خواہش کا پرتو ہو جو امام حسین نے یزید سے کی تھی کہ اگر تجھے میری ذات و قیام سے اندیشہ ہو تو مجھے ہندوستان چلا جانے دے۔ حالات نے امام کو ہندوستان نہ آنے دیا مگر شہید اعظم کی یہ خواہش قدرت بھی رد نہ کر سکی جسمانی طریقہ پر نہ سہی ایک دوسری شکل میں ایک نئے انداز سے یہ جذبہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ سرزمین ہند اس برگزیدہ ہستی کے نزول اجلال سے محروم رہی مگر اس کا تذکرہ جس شد و مد کے ساتھ یہاں ادبی لحاظ سے ہوا وہ کچھ کم اہم نہ تھا۔ یہ فخر نہ عرب کو نصیب ہوا نہ عجم کو عربی و فارسی سب منہ دیکھتی رہیں۔ اردو نے معرکہ سر کر لیا اور فاتحانہ انداز سے سر اٹھا کر ان زبانوں سے کہا کہ میرے تاج میں ایک ایسا کوہ نور ہے جو میری امتیازی حیثیت کا سبب بن جاتا ہے۔ میں نے واقعات کربلا کو جس آب و تاب، لطافت و ادبیت کے ساتھ پیش کر دیا ہے وہ میری حیات کو ابدیت سے ہمکنار کرنے کے لئے کافی ہے۔ بعض ادبی مؤرخوں کا کہنا ہے کہ اردو زبان میں جو اشعار سب سے پہلے کہے گئے وہ واقعات کربلا و شہادت حسین سے متعلق تھے یعنی مرثیہ اصناف میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی کو بنیاد بنا کر اردو نظم نے ادبی تعمیر شروع کی ممکن ہے اس رائے سے لوگ متفق نہ ہوں مگر اس سے انکار تو کوئی لکھا پڑھا آدمی نہیں کر سکتا کہ جب سے ہماری شاعری کی ابتداء ہوئی، اسی زمانے سے مرثیے کا بھی سراغ اردو میں ملتا ہے۔ جنوبی ہند کا ادبی کارنامہ اس بات کی پوری شہادت دیتا ہے۔ وہاں زبان کی نشو و نما کے ابتدائی

مراحل مرثیے تیزی سے طے کر رہے تھے۔ ممتاز شعراء خواہ پادشاہ ہو یا سالک۔ راہ محبت غرض کہ خواص و عوام سب نے مرثیہ کہنا اور سننا باعث سعادت سمجھا۔ کیسا کہا اچھا یا برا، اس بحث کو چھوڑ دیئے، ہم کو تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مرثیے کثرت سے کہے گئے۔ یہاں تک کہ ایک رجحان پیدا ہو گیا۔ ابتدائی کاوشوں میں جو فنی کمی ہو سکتی ہے وہ ضرور ان مرثیوں میں ہے مگر خلوص و درد کی کوئی کمی نہیں۔ ان مرثیوں کی اہمیت اس لحاظ سے بہت ہے کہ واقعہ کربلا ایک خاص جزو ادب بن گیا ہے مرثیے عموماً محرم میں پڑھے جاتے۔ لوگ اس کا سننا داخل ثواب سمجھتے۔ یہاں تک کہ مرثیہ خوانی کا رواج ہوا کہ مرثیہ محرم منانے کے لئے ناگزیر معلوم ہونے لگا۔ شمالی ہند میں اردو کے ممتاز سربرآوردہ فنکاروں نے بھی مرثیہ کہنا باعث ثواب و عزت خیال کیا۔ میر و سودا نے بھی اس صنف سے دلچسپی لینا ادبی فریضہ خیال کیا بلکہ سودا نے تو ناقدانہ نظر ڈال کر اس کو اس قابل سمجھا کہ جو توجہ اب تک اس ضمن میں کی گئی ہے اس سے کہیں زیادہ وقعت کا مرثیہ مستحق ہے اس سلسلہ میں شمالی ہند کو ادبی تاریخ کے اعتبار سے ایک گوہر نایاب عطا ہوا۔ واقعہ کربلا اور ایمان کو تازہ رکھنے کے لئے فضلی نے ایک کتاب لکھی کہ جس کا نام دہ مجلس تھا۔ نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم کے دس دن تک کو ذکر حسین سے گرم رکھنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی تھی جو اردو نثر کی پہلی تصنیف سمجھی جاتی ہے گویا یہاں بھی اردو زبان کو اپنے وجود کا تحریری نشان واقعہ کربلا کی بدولت ملتا ہے۔

مرثیہ اب تک سیدھے سادے طریقہ پر کہا جاتا تھا۔ اس کا منشاء زیادہ تر واقعات کربلا بیان کرنا، گریہ و بکا سے ایمان تازہ کرنا تھا۔ سودا نے اس روئیے میں تبدیلی و ترقی چاہی انھوں نے بتایا کہ مرثیہ کو محض گریہ و بکا تک محفوظ رکھنا مناسب نہیں اس میں ادبیت و شعریت کا لانا ضروری ہے اس کی یہ رائے ایک عالم باعمل کی رائے تھی انھوں نے خود بھی فن و ادب کا لحاظ رکھ کر مرثیے کہے اور دوسروں نے بھی اب ترقی یافتہ صورت میں اس کو پیش کرنا شروع کیا۔ سودا قصیدہ و ہجو کے لئے مشہور تھے وہ ہنسنے ہنسانے والے انسان سمجھے جاتے ہیں، ان کو گریہ و بکا کی اتنی اہمیت کیوں محسوس ہوئی کہ اس کو وقیع

بنانے کے لئے اس طرح کمر بستہ ہو گئے کہ خود بھی مرثیے کہے اور دوسروں کو بھی اس صنف سے زیادہ دلچسپی لینے پر آمادہ کیا۔ یہ تبدیلی صرف واقعۂ کربلا کے اثر سے پیدا ہوئی جس نے رفتہ رفتہ زندگی کے ہر گوشہ کو منور کر دیا چنانچہ اس نے ادب کو بھی نگاہ کرم سے سرفراز فرمایا، اہل سخن کو ثواب سے اور ادب کو شعریت سے مالا مال کرنے کا بھی راستہ سجھا دیا۔

دہلی میں مختلف وجوہ سے مرثیہ کو وہ بلندی نہ نصیب ہو سکی جو آگے چل کر لکھنؤ میں ہونے والی تھی اس کے مختلف اسباب کا یہاں بیان کرنا شاید خارج از بحث ہو اس لئے صرف یہ عرض کر کے ہم آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں کہ یہاں مذاق مرثیہ گوئی وہ سرپرستی و پختگی نہ حاصل کر سکا جو تاجداران اودھ کے دور حکومت میں اسے میسر ہوئی۔ بڑے بڑے فنکار یہاں بھی تھے۔ میر و سودا کے بلند پایہ فنکار ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے مگر مرثیہ جس انہماک و یکسوئی کا مطالبہ بلندی تک پہنچنے کے لئے کر رہا تھا وہ یہ شعراء پورا نہ کر سکتے تھے۔ یہ لوگ غزل، قصیدہ، مثنوی وغیرہ سب سے اتنی دلچسپی لے رہے تھے کہ ان اصناف کو ترک کر کے صرف مرثیہ کا ہو رہنا ان کے لئے ممکن نہ تھا اور مرثیہ کا تقاضا تھا کہ ایک در گیر و محکم گیر، یہ شرکت غیر کو گوارا نہ کرتا تھا۔ دوسرے اصناف کو منہ لگانے والوں کو وہ منہ نہیں لگانا چاہتا تھا، اس کا یہ تقاضا خاطر خواہ لکھنؤ میں پورا ہوا۔ ضمیر انیس، دبیر نے اپنی ساری ادبی زندگی اسی کے لئے رچ کر دی جب کہیں یہ صنف معراج کمال تک پہنچ سکی۔

لکھنؤ کی ادب نوازی، علم پرستی، شیعیت سے دلچسپی، مرثیہ کے عروج کے لئے بڑی سازگار ثابت ہوئی۔ یہاں کے حکمران سب شیعہ تھے۔ محرم اور واقعۂ کربلا سے ان کو خاص شغف تھا۔ باوجود رنگ رلیوں کے وہ مذہب کے دلدادہ تھے گو یہ فضا جنوبی ہند میں بھی ایک زمانہ تک تھی۔ مگر وہاں مرثیہ ابھی گھٹنیوں چل رہا تھا۔ ادبی نشو و نما کے لحاظ سے وہ، اپنے جہرے سے ہونے کی عمر تک پا سکا تھا نہ انیس و دبیر ایسے فن کار اس کو مل سکے تھے بہر حال واقعۂ کربلا کو اپنی گوناں گوں خصوصیات کی وجہ سے لکھنؤ میں وہ ادبی و فنی معراج

مرثیہ کی صورت میں نصیب ہوئی جو اب سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی یہی نہیں ہوا کہ مرثیہ نے اردو میں ایک صنف کا اضافہ کیا بلکہ اس نے اردو ادب کو امتیازی حیثیت بھی عطا کی اس اجمال کی تفصیل کے لئے تو ایک کتاب کی ضرورت ہے مگر مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ہمارے ادب کے تخیل، مزاج و کردار، شعور کو وہ راستہ دکھایا کہ گویا ایک نئی دنیا سامنے آگئی، جس میں حقیقت و اخلاق کو فن کے پردہ سیمیں پر ایک خاص اہتمام کے ساتھ پیش کیا جا رہا تھا جس کو دیکھ کر دنیا کی آنکھیں کھل گئیں۔ اب سے پہلے بھی مرثیہ تھا۔ اردو کے وجود سے قبل عربی و فارسی میں اچھا خاصا ذخیرہ تھا جنوبی ہند نے اردو کو اس سے روشناس کرا دیا تھا اور بعد میں شمالی ہند کے شعراء نے عقیدت مندی سے اس پر طبع آزمائی بھی کی تھی لیکن ادبی شہ کار کی صورت میں نمایاں ہونے کا موقع ضمیر، انیس اور دبیر کے زمانہ میں آیا۔ ان بلند پایہ فنکاروں نے روداد کربلا کو صرف مذہب کے پرستاروں تک محدود نہ رہنے دیا بلکہ ادب کی جان بنا دی۔ اردو ادب کی نشو و نما اور ارتقاء کو نقاد دیکھ کر شرما جاتا تھا یا کم از کم فخریہ انداز میں سر اونچا نہ کرتا تھا کیونکہ اس ذخیرے میں زیادہ تر حسن و عشق کے واقعات تھے یا امراء، بزرگان دین کی تعریفیں تھیں۔ باقی اور باتیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ کردار نگاری، منظر کشی، مثالی و رسمی ہو کر رہ گئی تھیں۔ رزمیہ شاعری کا نام و نشان بھی نہ تھا، گھریلو زندگی کا نقشہ نظروں سے اوجھل تھا۔ مرثیہ نے بیک وقت ساری کمی پوری کر دی۔

آئیے اب اس دعویٰ کی دلیل پر بھی تنقیدی نظر ڈال لی جائے اردو شاعری کا سب سے مہتم بالشان ذخیرہ غزلوں کا انبار تھا۔ اس بحث سے الگ ہو کر کہ غزل نیم وحشی صنف سخن ہے یا غزل اردو ادب کی آبرو ہے۔ ہم کو اس کی اہمیت اور کارگزاری تسلیم ہے مگر یہ خیال ہے کہ اس میں زیادہ تر حسن و عشق کی داستان ہے۔ کسی ادب کا ان ہی حدود میں رہ جانا نہ قابل ستائش ہے نہ قابل فخر۔ ادب کو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہونا چاہیئے۔ مختلف جذبات پیش کرنا چاہیئے بغیر اس کے محسوس ہوتا ہے کہ ساری قوم عشق و عاشقی کی ماری ہوئی ہے صرف اپنی فکر ہے دوسروں کے بارے میں نہ سوچتی

بسے نہ سمجھتی ہے گویا ادب ایک محدود مخصوص طبقہ کی ترجمانی کرتا ہے مرثیہ کے عروج سے پہلے کم و بیش ہماری غزلوں کا یہی حال تھا۔ شدت سے بعض باتوں کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ کچھ ایسے کردار بھی ملتے جو اخلاق کے اعلیٰ نمونے ہوتے، حسن و عشق کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی کرتے، محبوب کی محفل سے نکل کر میدان جنگ میں بھی نظر آتے، بچے بھی ان میں چلتے پھرتے دکھائی دیتے، جوان بھی دشمنوں سے نبرد آزما ہوتے۔ محبوب کے سوا باپ، بہن، بھائی، ماں، آقا، غلام اور دوسرے عزیزوں سے ہم کلام ہوتے تھے۔ نگاہیں ایسے کرداروں کو اردو شاعری میں ڈھونڈتی تھیں اور مایوس ہو کر واپس آتی تھیں مرثیہ نے واقعات کربلا کو پیش کر کے خوبی سے یہ کمی پوری کر دی۔

اس سلسلہ میں جو واقعات و کردار آئے وہ تاریخی و حقیقی تھے۔ کسی ادبی خالق کے مرہون منت نہ تھے اور خوش قسمتی سے یہ لوگ ہر لحاظ سے بڑے اوصاف اور بڑی بلندی کے مالک تھے خوشی اس کی ہے کہ ان کو اردو میں پیش کرنیوالے بھی علاوہ زبردست فنکار ہونے کے خلوص و انہماک کے مجسمے تھے۔ ان کو مرثیہ سے وہ شغف تھا کہ کسی اور صنف سخن کی طرف نگاہ غلط انداز سے بھی دیکھنا گوارہ نہ کرتے وہ صرف مرثیہ کے لئے تھے اور مرثیہ ان کے لئے۔ مرثیہ جس قدر وفا و استقلال کا مطالبہ کرتا تھا۔ اس کو انیس و دبیر نے درجہ اتم پورا کرنے کی کوشش کی۔ وہ باوضو ہو کر مرثیہ کہتے تھے وہ اپنا تن من دھن سب اس پر نثار کرتے رہے ان کے نزدیک مرثیہ گوئی ایک مذہبی فریضہ تھی جس کو وہ بصد احترام و خلوص زندگی بھر پورا کرتے رہے۔ پہلی بار اردو ادب کو محسوس ہوا کہ صداقت کی بنیاد پر ادبی تعمیر اتنی عظیم الشان و بلند پایہ ہو سکتی ہے کہ جس میں ایک دنیا اخلاقی قدروں کی فضا میں سانس لیتی، چلتی پھرتی دکھائی جا سکتی ہے۔ شجاعت کے بلند ترین کردار صبر و تحمل کے بے نظیر نمونے، گھریلو زندگی کے دلکش نمونے، علم و عمل کے لاجواب مظاہرے بیک وقت اردو شاعری میں نظر آئے جیسے ساری ادبی فضا بدل گئی۔ رقیب و محتسب کی جگہ شجاعان عرب میدان جنگ میں تلواروں سے کھیلتے دکھائی پڑے، محبوب کی فرضی تخیلی صورتوں کی بجائے وہ مخدرات عصمت نظر آئیں جن کے دامن پر نماز پڑھنا فرشتے بھی باعث

طوالت کے اندیشہ سے بالتفصیل اس پر گفتگو نہیں کی جا سکتی، اردو کے مختلف اہم اصناف سخن پر مرثیہ کہاں تک اثر انداز ہوا مگر اختصار کے ساتھ ان اثرات کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے اندازہ ہو سکے کہ ہمارے شعرا نے واقعات کربلا سے متاثر ہو کر بجا بجا اشعار میں ایسے اشارے پیش کئے جو ان کے ذہنی تاثرات کا پتہ دیتے ہیں

سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اٹھے — کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے (مومن)

کریں تم سے ہم بے رخی توبہ توبہ — یہ کوفی کریں گے یہ شامی کریں گے (داغ)

جہاں میں عرصۂ عشرت کے سوا دہ چند ہے غم کا — اگر ہو عید کا اک دن تو عشرہ ہے محرم کا (ذوق)

ہنستے ہوسن کے مراحل کہاں تک دیکھوں — بے رلائے کہیں یہ مرثیہ خواں اٹھتا ہے (ناسخ)

بے جرم بے گناہ نہ عاشق کو قتل کر — کعبہ تری گلی ہے کہیں کربلا نہ ہو (وزیر)

دل چاک چاک ابروئے خمدار نے کیا — کعبہ کو کربلا تری تلوار نے کیا (امیر)

ترے موئے مشکیں بلا در بلا — ہر اک طرف طرۂ ہنگامۂ کربلا (محسن)

مرتے تھے یوں نہ تشنۂ دیدار آن کر — قاتل گلی تھی آگے تری کربلا نہ تھی (رند)

قصیدوں سے مثالیں پیش کرنا طوالت کا باعث ہوگا مگر ثبوت کے لئے یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ انیس و دبیر کے پہلے قصیدوں میں جو گھوڑے تلواروں کی تعریف ہوتی تھی اس میں ایک تبدیلی آگئی، غلو کم ہو کر قرین قیاس ہونے لگا۔ گھوڑا اصل گھوڑا اور تلوار واقعی تلوار معلوم ہوتی ہے، قصیدہ دیکھنے والوں کو محسوس ہونے لگا کہ ہم اصلیت کے قریب ہیں۔ ناممکنات کی دنیا سے الگ ہو کر عالم امکان میں سانس لے رہے ہیں اس طرح رباعی کا بھی نقشہ بدلا۔ انیس و دبیر سے پہلے رباعیوں میں نہ اتنا تنوع تھا نہ حسن اور نہ شاید اتنا ذخیرہ، ان مرثیہ گویوں نے اس صنف کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہونچا دیا۔ اہل نظر کو اس کی وسعت و جاذبیت کا اندازہ ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ رباعی کی اشاعت ہمیشہ سے زیادہ ہوئی۔ ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ مرثیہ گویوں کی جملہ رباعیاں واقعات کربلا سے متعلق تو نہیں ہیں انھوں نے مختلف مضامین پر طبع آزمائی کی ہے اس لئے رباعی کی ہمہ گیری سے واقعہ کربلا سے کیوں متاثر سمجھا جائے؟ یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے لیکن ذرا غور سے دیکھا جائے

تو یہ رباعیاں صرف اس لئے کہی گئی تھیں کہ مرثیہ یا دوسرے الفاظ میں واقعہ کربلا کے لئے وہی کام کریں جو تمہید قصیدہ کے لئے کرتی ہے۔ مرثیہ گو اس کو پس منظر کے طور پر مرثیہ پڑھنے سے پہلے سنا دینا ضروری سمجھتا تھا۔ یہ رباعیاں صرف مرثیوں کو سننے اور دلچسپی کے لئے کہی گئی تھیں۔ رباعیات کا سلسلہ اردو میں بہت پہلے سے چلا آرہا تھا مگر نہ اس میں تخیل کی اتنی بلندی تھی نہ اخلاق کی گہرائی۔ انیس و دبیر نے اس صنف کو ہمیشہ سے زیادہ وقار و متانت عطا کیا۔ ان شعراء کی رباعیاں تمام تر سنجیدگی و دنیاداری اقدار پر مبنی ہیں بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مرثیہ گویوں کی بلندی تخیل کا اندازہ صرف ان ہی رباعیوں سے ہوتا ہے۔ مرثیہ چونکہ بیانیہ شاعری کا نمائندہ ہے اس میں فلسفیانہ خیالات کی کارفرمائی زیادہ نہ تھی، رباعی عمر خیام کے منہ لگی تھی جس نے معارف و حقائق کے دریا رباعیات میں بہا دیئے تھے بعد کے فارسی و اردو کے شعرا بھی اس صنف میں زیادہ تر اونچی باتیں کہنے کی کوشش کرتے رہے۔ اردو میں یہ صنف کس مپرسی کے عالم میں پڑی تھی، غزل و قصیدہ، مثنوی کے آگے اس غریب کو بہت کم دربارِ ادب میں آنے کی اجازت ملی، مرثیہ گویوں نے توبہ کرکے اس صنف کو مقبول و ہر دلعزیز بنادیا جو باتیں وہ مرثیہ میں نہ کہہ سکتے تھے ان کو رباعی میں پیش کرتے تھے، دنیا و عقبیٰ کے متعلق اپنے پاکیزہ جذبات، بلند خیالات اسی صنف میں پیش کرتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ یہ صنف بھی ہمیشہ سے زیادہ ذی وقار اور بلند پایہ ہوگئی۔

اصنافِ سخن میں سب سے زیادہ اثر مسدس پر واقعہ کربلا کا پڑا۔ یہ صنف بھی مروجہ اصناف، غزل، قصیدہ، مثنوی کے آگے گمنام سی تھی۔ بہت کم شعراء نے عہد قدیم میں اس پر طبع آزمائی کی تھی۔ سودا کے زمانے میں پہلی بار مرثیہ مسدس میں کہا گیا۔ کہنے والوں کو محسوس ہوا کہ مرثیہ گوئی کی ترقی کے لئے اس صنف سے بہتر اور کوئی شکل نہیں اب سے پہلے مختلف ہیئت میں مرثیے کہے جاتے تھے مگر اس دور سے زیادہ تر مرثیے اسی صنف میں کہے گئے۔ میر ضمیر کے عہد سے کلیتاً اس شکل میں کہے جانے لگے۔ واقعات اور انداز بیان کو کامیاب ہوتے دیکھ کر ہر مرثیہ کہنے والے نے مسدس ہی کو اپنایا۔ انیس و دبیر نے اپنی فنکاری سے یہ ثابت کر دکھایا کہ بیانیہ شاعری کے لئے اس سے بہتر کوئی صنف نہیں ان لوگوں نے مسدس کو ادبی دنیا میں ہمیشہ

سے زیادہ وقیع و سربلند کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دورِ جدید میں جب اہلِ نظر کو مختلف مضامین قلم بند کرنے کی نظم میں ضرورت ہوئی تو سب سے پہلے اسی صنف شاعری پر نظر پڑی۔ اس لئے کہ واقعات و جذبات کو حدیث و آیات کو اس صنف میں مرثیہ گویوں نے اس کامیابی کے ساتھ پیش کیا تھا کہ اب اس شبے کی گنجائش بھی نہ تھی کہ بدلے ہوئے زمانہ میں نئے مضامین و نئی قدروں کو اس شکل میں پیش کرنا دقت طلب بات نہ ہو، چنانچہ حالی و اقبال، برج نرائن چکبست جیسے ممتاز شعراء نے اپنی ابتدائی کاوشیں مسدس ہی میں پیش کرنا مناسب سمجھا۔ ادب میں ان بزرگوں کے شہ پارہ اس مسدس کے ذریعہ ہمارے سامنے آئے، بالواسطہ سہی مگر یہ بھی واقعہ کربلا کا فیض تھا نہ مرثیہ گو اس شکل کو روداد کربلا سے اجاگر کرتے اور نہ شعرا کی دورِ جدید میں اس پر نظر پڑتی، کہنا پڑتا ہے کہ،

درد جگر کی داستاں آئی گئی کہاں کہاں　　　باغ میں گل ہے خونچکاں شور ہے آبشار میں

واقعات کربلا کا جو اثر اردو ادب پر پڑا۔ اس کا یہ ایک خاکہ ہے جو ناقص بھی ہے نامکمل بھی اس لئے کہ اس سے زیادہ لکھا جائے۔ اب آیئے اس کا بھی سرسری طور پر جائزہ لے لیا جائے کہ واقعات کربلا کا اثر صرف ادب ہی پر پڑا، کتاب ہی تک اس کی تگ و دو محدود رہی یا زندگی کے دیگر پہلوؤں پر بھی کچھ اثر پڑا۔ اس سلسلہ میں جب ہم غور کرتے ہیں تو ہندوستان میں واقعات کربلا کے اثرات دو حصوں میں نمایاں ہوتے ہیں ایک تو کتابی حیثیت سے سامنے آتا ہے دوسرا غیر تحریری پہلو سامنے آتا ہے آپ کا جی چاہے، ان حصوں کو داخلی و خارجی کہہ لیجئے کہ بات پوری طرح واضح نہیں ہوتی مگر آسانی بیان کے لئے مناسب ہے۔

داخلی حصہ تو وہی ہے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے یعنی واقعہ کربلا کا مرثیہ کی صورت میں آنا۔ خارجی حصہ سے مراد فنون لطیفہ اور صنعت و حرفت کے بعض وہ پہلو ہیں جو براہ راست واقعات کربلا سے متاثر ہوئے۔ اس ضمن میں رسوم کے ساتھ ساتھ اور بہت سی ایسی باتیں آگئیں جن کا زندگی سے تعلق تھا اور یہ سب واقعات کربلا کے

ردعمل کا نتیجہ ہیں۔ شہدلئے کربلا کی داستان خونچکاں ادب میں مرثیہ کہلائی اور عمل میں اس کی ترجمانی کا نام محرم پڑ گیا۔ گویا واقعہ کربلا کی دو اولادیں ہیں ایک مرثیہ دوسرا محرم اور دونوں لازم و ملزوم ہیں جس طرح تلاوت قرآن کا موسم بہار ماہ رمضان المبارک ہے اسی طرح مرثیہ خوانی کا بہترین زمانہ محرم ہے اسی زمانے کے لئے زیادہ تر مرثیے لکھے اور ان ہی دس دنوں میں زیادہ پڑھے اور سنے گئے۔ زیادہ سے زیادہ تعداد میں مومنین کا اجتماع مرثیہ سننے کے لئے اسی مخصوص ایام میں ہوا۔ محرم ہی کی مجالس میں اس صنف میں اچھی رائے عوام و خواص نے دی لیکن بغیر مرثیہ کے محرم بھی بے نمک کی دال معلوم ہوتا۔ مرثیہ کی مختلف صورتیں یعنی سلام، سوز، نوحہ، رباعی وغیرہ مجالس و جلوس میں اگر نہ ہوں تو محرم پھیکا پھیکا نظر آتا۔ ہم کو اس کا احساس ہے کہ حدیث خوانی یا ذاکر گرمئ مجلس کا باعث ہوتی ہے مگر یہ آج کی بات ہے۔ دور جدید سے ذرا پہلے مرثیہ ہی رونق محرم کا سبب تھا اور آج بھی خاص مجلسوں کو نظر انداز کر کے عام مجلسوں کو دیکھا جائے تو، نوحہ خوانی و سوز خوانی ہی سے محرم چمکتا ہے۔ گھروں میں زنانی مجلسوں میں ہر جگہ اس کا بول بالا ہے۔ بات کہاں کی کہاں پہنچ گئی، بتانا تو یہ تھا کہ مرثیہ کے دیگر اثرات زندگی کے مختلف شعبوں پر کیا پڑیں گے اور میں کہنے لگا کچھ اور۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا یا کہنا چاہتا تھا کہ محرم واقعات کربلا کے منانے کے لئے مخصوص تھا اس سلسلہ میں مجالس و جلوس کو رونق دینے کے لئے مختلف پیرائے اختیار کئے گئے جن سے موسیقی، صنعت و حرفت، تعمیر وغیرہ پہ خاطر خواہ اثر پڑا۔ گویا محرم یہاں کی سماجی زندگی کو ایک نئی روح دینے لگا جس کی قوت کا اثر مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں پر بھی پڑا۔ بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح ہندو مسلمان قریب تر ہونے لگے اسی قربت کا نتیجہ تھا کہ محرم منانے کے مقام کو عزا خانہ یا عاشور خانہ اور کوئی عربی فارسی نام دینے کے بجائے امام باڑہ کہا گیا اور یہی نام عام و ہر دلعزیز ہوا۔ امام باڑے کی تشکیل نے فن تعمیر پر جو اثر ڈالا وہ بھی قابل ذکر ہے، محرم منانے کے لئے ایسے مکان کی ضرورت ہوئی جہاں زیادہ سے زیادہ لوگ جمع ہو کر ذکر حسین سے فیض یاب ہو سکیں، عقیدتمندوں نے دل کھول

ایسے مکان کی تعمیر و آرائش میں حصہ لیا، ہر صاحب استطاعت مومن یہ چاہتا تھا کہ اس کے یہاں مجلس ہو، محرم کے دس دن تک برابر مومنین آتے رہیں اور اس خواہش کی تکمیل کے لئے اس نے امام باڑہ بنوانا ضروری و کار ثواب سمجھا، تعمیرات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جا بجا امام باڑے بننے لگے، بادشاہوں نے بھی دلچسپی کا ثبوت دیا اور بعض ایسے امام باڑے وجود میں آ گئے جو فن تعمیر کے لئے اضافہ ثابت ہوئے۔ مثال کے لئے لکھنؤ میں آصف الدولہ کا بنوایا ہوا اور حیدرآباد میں قطب شاہ کا تعمیر کردہ امام باڑہ صرف اپنے عہد کی بہترین عمارت نہیں بلکہ آج بھی ان عمارتوں کا شمار دنیا کی بہترین عمارتوں میں ہوتا ہے۔ خوشی اس بات کی ہے کہ امام باڑہ بنوانے کا مذاق کسی ایک طبقہ تک محدود نہیں رہا یہ تعمیری حسن روز افزوں ہمہ گیری اختیار کرتی گئی۔ تاج محل فن تعمیر میں حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے اس کی تقلید عام نہ ہو سکتی تھی نہ ہوئی مگر امام باڑے کی تعمیر ہر دیار میں ہوتی رہی اور ہر صاحب عزا خانہ اپنے جمالیاتی ذوق کو اس تعمیر میں آسودہ کرنے کی فکر کرنے لگا۔ زیادہ سے زیادہ اس کو حسین و پائیدار بنانے کی کوشش کرتا رہا۔ بہترین صناع و اہل دماغ اور نقش و نگار مرتب کرنے کے لئے تلاش کئے جانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فن تعمیر سے دلچسپی لینا ایک عام بات ہوئی جو لوگ امام باڑے نہ بنوا سکتے تھے وہ اپنی رائے دلپسندیدگی کا اظہار کر کے جمالیاتی حسن کا ثبوت دیتے اور اس انہماک کے ساتھ بغیر کسی اجرت کے دلچسپی لیتے کہ گویا خود اپنا مکان بنوا رہے ہیں

امام باڑے کی تعمیر کے بعد اس کے سجانے کا سوال ہوتا۔ علاوہ فرش و فروش کے جھاڑ فانوس، ظروف، علم کے بہترین پٹکے اور پنجے وغیرہ، کی آرائش کے لئے مہیا کئے جاتے۔ یہ سارا سامان آرائش بجائے خود ایک دفتر صنعت تھا جس کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لئے بے شمار کاریگروں کی ضرورت پڑتی۔ محرم اس بہانہ ان کی ذہنی تربیت بھی کرتا اور گذر اوقات کا سہارا بھی ثابت ہوتا۔ ہندوستان کا شاید ہی کوئی ایسا ذوق رہا ہو جس کی تکمیل میں عورت و مرد یکساں اتنی دلچسپی لیتے رہے ہوں امام باڑے کی آرائش میں دونوں دوش بدوش اپنی

کارگذاریوں سے جمالیاتی ذوق کی داد دیتے اور اس جذبہ کے ساتھ کام کرنے میں نتیجہ یہ ہوتا کہ اپنے مقدور سے زیادہ آرائش پر خرچ کر کے زیادہ خوبصورت شکل میں

امام باڑہ کو مکمل کرتے، ہزاروں پنجے بنانے والے اور علم کے پٹکوں پر زردوزی کرنے والے صنعت گری کی وجہ سے کسب معاش کرتے اما بیانٹے اور عوام کا ایک جم غفیر لگتا تعزیہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی ابتداء عہد تیمور سے ہوئی رفتہ رفتہ اس کی شکل تبدیل ہوتی گئی۔ اس کی تشکیل میں دل و دماغ سے کام لیا جانے لگا۔ کاغذ کے بیل بوٹے، رنگ اور سنہرے نقش نگار سے اس کو مزین کیا جانے لگا تعزیہ داروں کو مسابقت کے جذبہ نے روز بروز تعزیہ کو ترقی یافتہ صورت میں پیش کرنے پر آمادہ کیا، واقعاتِ کربلا کی یہ یادگار شہیدِ اعظم کی یاد دلاتی رہی جو بے گور و کفن کربلا میں پڑا رہا جس کو قبر بھی کئی دنوں بعد نصیب ہوئی۔ یہ تعزیہ اسی کے روضہ کی شکل پیش کرتا تھا۔ بعد میں امام حسین کے روضہ پر عقیدتمندوں نے لاکھوں، روپیہ لگا کر اس کو جاذب نگاہ و روح بنا دیا۔ یہ یہاں ہندوستان میں اسی کی نقل پر جان نثاروں نے بے شمار روپیہ صرف کر کے تعزیہ کے کاغذی پیرہن کو فن کاری کا بہترین نمونہ بنا دیا اس کے بنانے والے ہر طبقہ کے لوگ ہوتے، ہندو مسلمان شیعہ سُنی غریب امیر سب ہی کسی نہ کسی وجہ سے اس کی ساخت و ہیئت کو صنعت و حرفت کا جامہ پہنانے کی سعی مشکور کرتے، ریاست جے پور میں ہندو راجہ محرم پر ہر سال لاکھوں روپیہ صرف کرتا۔ اس کے علاوہ کاغذ کے اس مردشناس نے ایک تعزیہ سونے چاندی کا بھی تیار کرایا جو آج تک محفوظ ہے تعزیہ بنانے کے لیئے دور دور سے کاریگر بلائے جاتے، پورے سال بھر لوگ تعزیہ کو مشکل کرنے میں مصروف رہتے۔ رفتہ رفتہ ایک جماعت اس کی ماہر ہو گئی لیکن یہ، فن کاری صرف ماہرین تک محدود نہ تھی، عوام و خواص سوچ سمجھ کر بازاروں میں گھروں میں تعزیہ بناتے رہتے اس کے مختلف حصوں کو تخت سے لیکر گنبد تک بڑی دیدہ ریزی و صنعت سے تیار کر کے فن کا ایک مرقع بنا دیتے۔

تعزیہ کی ساخت و حسن نے بنانے والوں میں جدت و تنوع کا ملکہ پیدا کر دیا تھا۔ اس کے قد کی بلندی و ضخامت کو جانے دیجئے، کاغذ کو چھوڑ کر ایسے تعزیئے بھی بنائے جانے لگے جو گیہوں اور جو کے پودوں سے مرتب کئے جاتے تھے۔ ان پودوں کی ترتیب ایسی حسن کاری کے ساتھ ہوتی کہ امام حسین کے روضہ کی شکل و ساخت ہو بہو نظروں میں آ جاتی

اس کارگذاری کو آخری منزل تک پہنچتے پہنچتے مہینوں لگ جاتے مگر نہ پودوں کی تازگی میں فرق آتا۔ نہ تعمیری حسن میں کوئی کمی رہ جاتی۔ واقعہ کربلا کا یہ ادنیٰ کرشمہ تھا کہ اس نے اس قسم کی کاریگری کو ہندوستان میں اس انداز سے فروغ دیا کہ بغیر امتیاز مذہب و ملت ہر جگہ اس سے ادنیٰ و اعلیٰ دلچسپی لینے لگے۔ کتنے مزدوروں کاریگروں کی گذراوقات کا ذریعہ حسینؑ کی بھوک و پیاس بن گئی۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ مردان خدا مر کے بھی اس طرح خاص و عام کی ذہنی و معاشی پرورش کرتے ہیں۔

واقعہ کربلا کا ایک اور اثر قابل ذکر ہے، فنون لطیفہ میں موسیقی اہم درجہ رکھتی ہے باوجود شرعی قید و بند کے مسلمانوں نے ہندوستان میں اس فن کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے کے لئے جو حصہ لیا وہ فن موسیقی کی ترویج و تجدید میں یہاں تک معاون ہوا کہ دنیا کو کہنا پڑا کہ اگر مسلمان اس فن سے غیر معمولی دلچسپی نہ لیتے تو شاید ہندوستان کی موسیقی ہمیشہ کے لئے زندہ درگور ہو جاتی۔ باوجود ممنوع ہونے کے مذہب نے بھی موسیقی سے لگاؤ رکھنے کے لئے ایک نیا راستہ نکال لیا تھا، قوالی کی ایجاد امیر خسرو نے کی ہو یا کسی اور نے بہر حال ایک فرقہ اسکو جائز سمجھ کر محض حال و قال میں کھلے بندوں سنتا رہا اور موسیقی کی لہر خانقاہوں تک پہنچتی رہی لیکن یہ فرقہ محدود تھا اور اس سماع کا زمانہ بھی مخصوص تھا۔ قوالی بذاتہ موسیقی کی ایک معمولی سی جھلک تھی جس کی وسعت ایک مخصوص لے اور راگنی تک محدود تھی موسیقی کے اہم و ممتاز راگ راگنی تک ان کی رسائی نہ تھی، محرم کے زمانے میں واقعات کربلا کو مختلف انداز سے پیش کر کے عوام کو متاثر کیا جاتا تھا۔ حدیث خوانی، مرثیہ خوانی، نوحہ خوانی، سوز خوانی۔ یہ سب طریقے اپنی جگہ پر رائج تھے۔ آخر الذکر انداز موسیقی سے تعلق رکھتا تھا، سوز خوان منتخب راگ راگنی سے مرثیے سامعین تک پہنچاتا تھا، رفتہ رفتہ اس کی دلکشی اتنی بڑھی کہ لوگوں نے خوش گلوئی اور علم موسیقی سے واقفیت کا مطالبہ کیا۔ سوز خوانوں کو موسیقی سے خاطر خواہ دلچسپی لینی پڑی، ریاض کر کے ان لوگوں نے فن موسیقی میں مہارت حاصل کی اور ایسی واقفیت بہم پہونچائی کہ بعض بعض سوز خوان ماہر فن موسیقی سمجھے جانے لگے، موسیقی کے ہر شعبہ سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے اپنے طور پر مرثیوں کے ترنم سے اس طرح دلکش بنایا کہ ان کی سوز خوانی

فن کاری کا بہترین نمونہ سمجھی جانے لگی۔

مجلسوں میں سوز خوانی کے رواج نے عوام و خواص کو موسیقی سے دلچسپی لینے پر آمادہ کیا۔ باوجود اس کے کہ مذہب نے موسیقی کو ممنوع قرار دیا تھا مگر مرثیوں کا اس طرح پڑھنا لوگوں نے اتنا پسند کیا کہ نہ صرف شرعی احتساب کی سخت گیری کم ہو گئی بلکہ اچھے خاصے تقدس مآب حضرات بھی سوز خوانی سے دلچسپی لینے لگے۔ ظاہر ہے کہ جملہ انداز بیان سے یہ پیرایہ دلکش و عام پسند تھا۔ اس لئے کہ راگ و راگنی ہر صاحب دل کی روحانی غذا ہوتی ہے اس کی زیر و بم دل کو براہ راست متاثر کرتی ہے۔ غمناک واقعات کو پر اثر بنانے کے لئے ترنم سے زیادہ کوئی دوسرا انداز کارگر نہیں ہو سکتا۔ واقعات کربلا سراپا غم واندوہ کا مرقع تھے، موسیقی و شعریت کا سہارا لے کر سوز خوانوں نے اسے اور زیادہ درد انگیز و پر اثر بنا دیا۔ مومنین کو گریہ و بکا کا اور زیادہ موقع ملا دل کے ساتھ ساتھ روح کو بھی تازگی محسوس ہوئی اس لئے سوز خوانی لفظ و نغمہ کا امتزاج ثابت ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی مقبولیت بڑھتی گئی لوگ شدت سے عام طور پر دلچسپی لینے لگے چونکہ مذہب یہاں خاموش تھا اس لئے اس پردہ میں موسیقی نے عورت و مرد سب کو متاثر کر کے اپنا دائرۂ اثر وسیع تر کر لیا۔

سوز خوانی کے ذریعہ سے موسیقی کی رسائی اس طبقہ میں بھی ہوئی جو اور کسی طرح اس فن کے قریب آنا بھی گوارہ نہ کرتا، شریف سے شریف عورت، مقدس سے مقدس مرد بھی اس کا گرویدہ ہو گیا، قریب قریب ہر شیعہ گھر میں عورتیں نوحہ خوانی کی مشق کرنے لگیں اس طرح موسیقی دربار سے نکل کر درگاہ تک پہنچ گئی۔ مذہب کی سرپرستی حاصل ہوتے ہی اس کو احترام و تقدس کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا گویا فن موسیقی اب معقول گھرانوں میں رسائی حاصل کر کے فن شریف کا درجہ حاصل کرنے لگا اور چاہے جو کچھ بھی ہوا مگر اس انداز نے موسیقی کو عام پسند بنا دیا اور اس کی ترویج و اشاعت میں سوز خوانی نے جو حصہ لیا وہ ہر مذہب کے لحاظ سے چاہے پسند نہ کیا جائے مگر فن کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی اس رویہ کو احترام و وقعت کی نظر سے ہمیشہ دیکھتی رہی ہے۔

یہ اور اس قسم کے دیگر فنون و صنائع پر واقعات کربلا مختلف رد عمل کے ساتھ اپنا اثر

ڈالتے رہے۔ شجاعت، صنعت وحرفت، اخلاق غرض کہ ہر پہلو پر کچھ نہ کچھ اثر کا نشان ملتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ باوجود مذہبی تخیل کے اس دائرۂ اثر کسی ایک طبقہ تک محدود نہیں رہا۔ ہندو مسلمان، سرمایہ دار، مزدور، عورت، مرد، سب ہی حسب استعداد واقعہ کربلا سے فائدہ اٹھاتے رہے کسی کا ایمان تازہ ہوتا رہا۔ کسی کو روحانی غذا حاصل ہوتی رہی کسی کو صنعت وحرفت کے پردہ میں کسب معاش کا موقع ملتا رہا۔ بہرحال واقعہ کربلا عموماً اور محرم میں خصوصاً بلاامتیاز مذہب وملت سارے ملک کے لئے رحمت بن کر آتا اور سماجی زندگی کو ایک ایسی تازگی بخش جاتا جس میں اشخاص، فنون ادب سب ہی توانائی محسوس کرتے۔

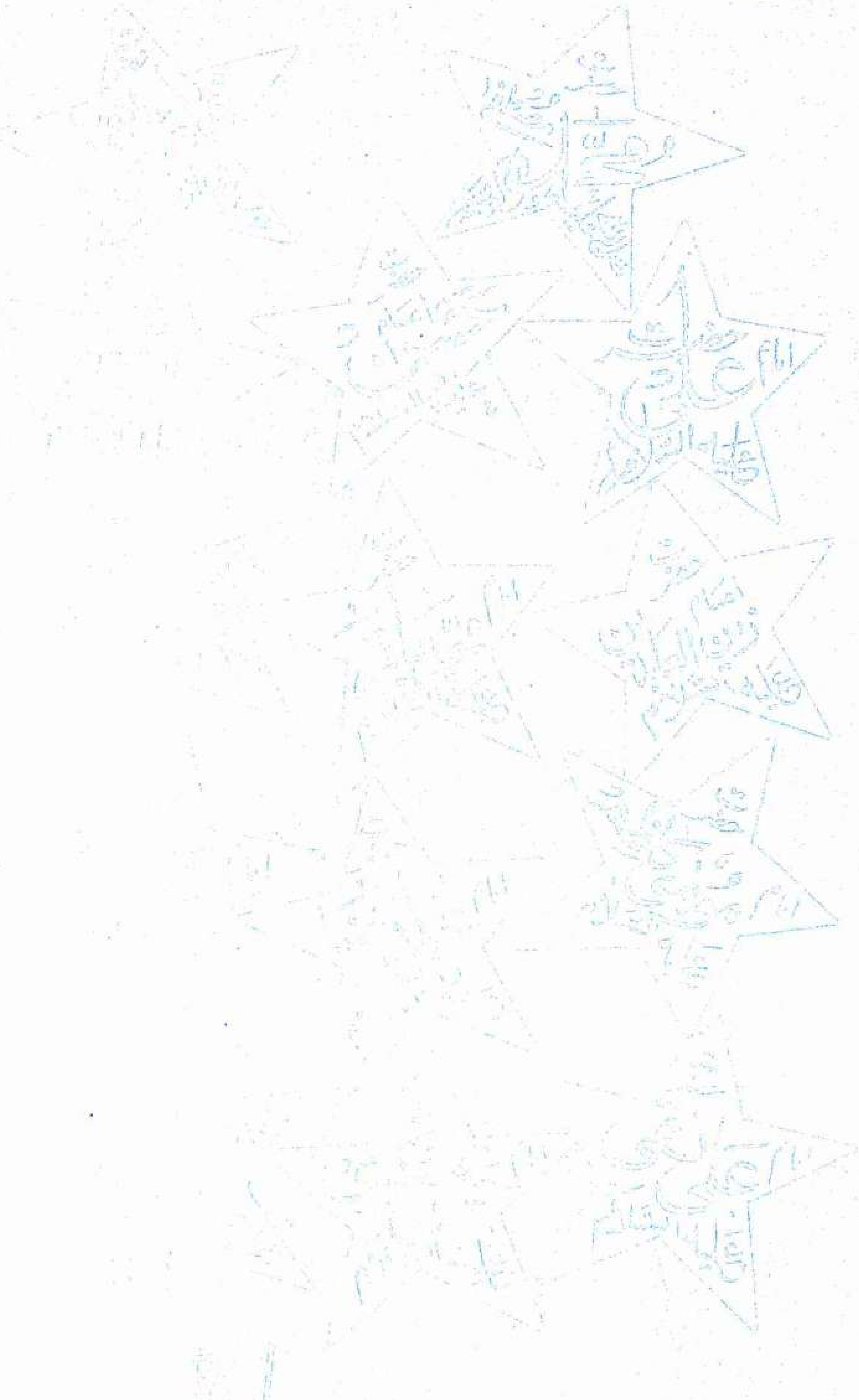

حسینؑ

مقالاتِ سیّد العلماء

علّامہ سیّد علی نقی النقوی

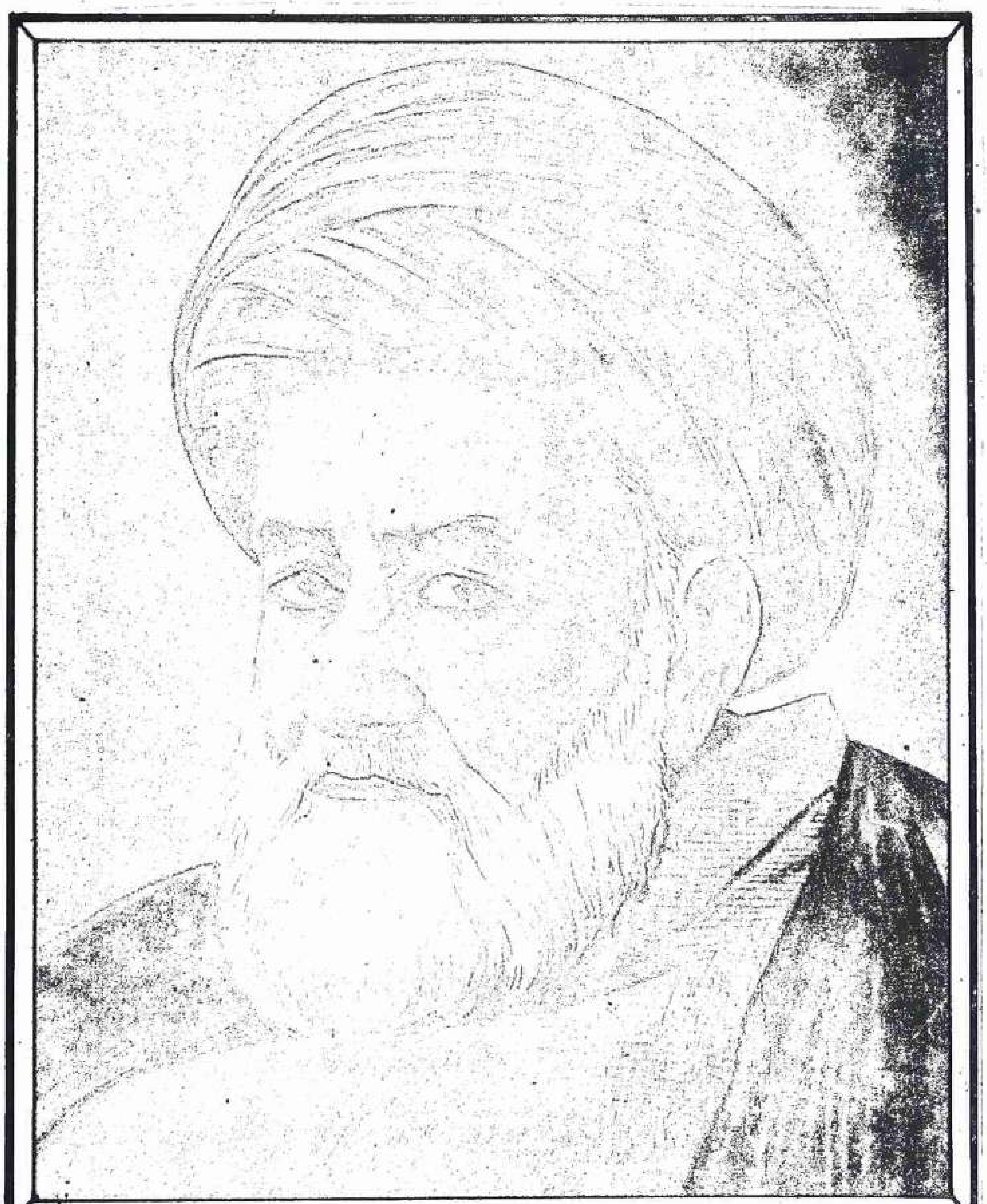

ناشر

رحمت اللہ بُک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام باڑہ، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰

فون ۲۴۳۱۵۷۷